درد کے رشتے
میرجی اٹارائے
Mir Zaheer abass Rustmani
03072128068

ہندوستانی کتابوں کا سلسلہ

درد کے رشتے

درد کے رشتے

میرجی اٹارائے

مترجم

بلراج ورما

نیشنل بُک ٹرسٹ انڈیا۔ نئی دہلی

پیش لفظ

کنڑ ادب ایک ہزار سال پورے کر چکا ہے لیکن کنڑ ناول نے ابھی سو سال بھی پورے نہیں کئے۔ آزادی کے بعد کنڑ ادب نے ناول کے میدان میں بے پناہ ترقی کی ہے اور وہ ہر سال آگے ہی آگے بڑھتا جا رہا ہے۔ اب اس کا ارتقا اس منزل پر پہنچ چکا ہے کہ کوئی اکیلا نقاد یہ دعوا نہیں کر سکتا کہ وہ کنڑ زبان کے سارے ناول پڑھ کر ان کی تنقید پیش کرنے میں عہدہ برا ہو سکتا ہے۔ یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہوگا کہ مقدار اور بوقلمونیت ہی ادب کی خوبیوں کے ضامن ہوتے ہیں۔

ناول کیا ہے؟ ادب کی اس صنف کا جنم کہاں ہوا؟ کب ہوا؟ اس کے ارتقا کے خد وخال رسوم وروایات کیا ہیں؟ یہ کنڑ زبان میں کب وجود میں آیا؟ کیسے آیا اور کیوں آیا؟ اس کی شروعات کیسی رہی ہے؟ اس کے پروان چڑھنے میں کس کس کا تعاون کارفرما تھا؟ کس کس نے کیا کام کیا؟ کسے کامیابی حاصل ہوئی؟ اس کامیابی کا اگر دوسری زبانوں سے مقابلہ کریں تو یہ کامیابی کس سطح تک پہنچتی ہے؟ ان سوالوں کا جامع روپ میں جواب دینا ہی اس مختصر دیباچے کا مقصد ہے۔ اس دیباچے کا مقصد کنڑ زبان میں شائع ہوئے تمام ناول نگاروں کی تخلیقات کا تنقیدی تعارف نہیں ہے۔

ناول کیا ہے؟ اسے کسی سیدھی اصطلاح میں پیش کرنا ممکن نہیں ہے۔ ادب کی اس صنف کی خصوصیت ہی یہ ہے کہ اس کا کوئی متعین روپ نہیں ہے۔ اعلیٰ ناول ادب کی وہ صنف ہے جو سلاست کے ساتھ کسی خاص طبقے کی امیدوں، آرزوؤں، ذوق وشوق اور ثقافتی پہلوؤں کو وضاحت سے منعکس کرتی ہے۔ جوں جوں کسی طبقے کی آرزوئیں، دلچسپیاں، ملک بھر کے حالات کے زیر اثر بدلتی رہتی ہیں، ویسے ویسے ناول کے مواد اور خد وخال میں بھی تبدیلیاں آتی رہتی ہیں۔ گویا ادب کی یہ صنف عوام کی زندگی کے ساتھ ساتھ چلتی رہتی ہے۔ اسی لیے ناول ادب کی انتہائی درجے کی زندگی سے بھرپور اور ہر دل عزیز صنف ہے۔

کنڑ میں ناول کی شروعات، مغربی ادب ــــ زیادہ تر انگریزی ادب کے زیر اثر، کنڑ زبان کے نشاۃ ثانیہ کے دور میں ہوئی۔ تب تک ناول، یورپ کی ساری زبانوں میں تین سو سال کی زندگی پوری کر کے اپنا ایک اہم مقام حاصل کر چکا تھا۔ پانچ چھ ملکوں کے کئی عالی مقام ادیبوں کی کاوشوں کے کامیاب نتائج کے طور پر ناول کا ہمہ جہت ارتقا ہو چکا تھا۔ کئی ناول نگار اپنے اپنے انداز میں ناول کی تکنیک کو بروئے کار لا کر انفرادیت قائم کر چکے تھے۔ اس طرح ناول ہر پہلو سے ترقی یافتہ صنف ادب کے طور پر کنڑ زبان میں اس صدی کے تیسرے دہے میں سامنے آیا۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ 1920ء سے پہلے کنڑ میں ناول لکھے ہی نہیں گئے تھے۔ لکھے گئے تھے لیکن اچھے ناول بہت کم تھے۔ نقادوں کا کہنا ہے کہ مُدّنا نے گوداوری نام کا ناول صرف آدھا لکھا تھا۔ کیپو نارائن کے ناول 'مُدرا منجوش' میں ناولوں جیسی طرز بیان اور زبان کی سادگی نظر آتی ہے۔ گل واڈی اناّرائے نے 1899ء میں ایک سماجی ناول لکھا تھا۔ اس عہد کے آغاز میں شائع ہونے والے طبع زاد ناولوں میں بولار بابو رائے کا 'واگدیوی'، ایم۔ ایس۔ پوٹنا کا 'ماڈدو نوبھارایا'، کیررو واسدیواچاریہ کا 'اندیرے'، اور شریمتی ترو ملاما کی تخلیقات قابل ذکر ہیں۔ ان میں سے پہلے ناول میں ویدک سماج کے انحطاط کی نقاشی ہے۔ دوسرے میں میسور کے عوام کی زندگی کی حقیقی ترجمانی ملتی ہے۔ 'اندیرے' میں پڑھی لکھی سماج کی خیالی تصویر ہے اور ترو ملاما کی تخلیقات میں سماج کا تذکرہ ملتا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان پر مغربی ادب کی چھاپ ہے۔

اصل میں کنڑ ناول پر مغربی ناول کے اثرات بنگالی اور مراٹھی ناولوں کے وسیلے سے آئے۔ سر والٹر سکاٹ کی طرز پر لکھے گئے بنکم چندر کے بنگالی ناولوں کا بی۔ وینکٹ آچاریہ نے کنڑ میں ترجمہ کیا۔ ان میں اہم تھے، 'وش ورکش'، 'آنند مٹھ'، 'دیوی چودھرانی'، جو آج بھی ہر دل عزیز ہیں۔ اسی طرح آپٹے کے مراٹھی ناول، 'ایشوری سوتر'، مراٹھوں کا ابھیودیہ، کمدنی وغیرہ کا گلگ ناتھ نے کنڑ میں ترجمہ کیا جن کو پڑھ کر لطف اندوز ہونے والے قاری آج بھی ہیں۔ گنگا ناتھ نے 'مادھو کرودن بلاس' نام کا ایک طبع زاد ناول بھی لکھا۔ لیکن وہ ان کے ترجمہ کیے ہوئے ناولوں کی سطح تک نہیں پہنچتا۔ مختصر یہ کہ ان دونوں مترجموں نے کنڑ ناول کے خالی آغوش کو مستعار ناولوں سے بھر دینے کی کوشش کی۔ اس سے کنڑ کے قارئین کو پتہ چلا کہ ناول پڑھنے کا لطف کیا ہوتا ہے۔ انھوں نے اپنے ناولوں کے ذریعے لوگوں میں ادبی ذوق پیدا کیا اور کنڑ نثر کو نئے تیور عطا کیے۔

کنڑ کی نشاۃ ثانیہ کا ڈنکا بجانے کا سہرہ آچاریہ بی۔ایم۔ شرو کنٹھیا کے سر جاتا ہے۔ ان کی سربراہی میں جس کام کا آغاز ہوا وہ آج بھی چل رہا ہے۔ مغربی ادب کا ترجمہ، تتبع، اور مزید یہ کہ اس کے زیر اثر تحریک پاکر بنیادی نقطۂ نگاہ سے طبع زاد ادب کی تخلیق کرنا انھیں کی حوصلہ افزائی سے ہوا۔ یہ حقیقت ادب کی ہر صنف میں دکھائی دیتی ہے لیکن ہم یہاں محض ناول پر ہی بات چیت کریں گے۔

1920ء سے 1947ء تک، ناول کے تخلیقی دَور کو عُبوری دَور اور اس کے بعد کے دَور کو ارتقائی دَور کہا جا سکتا ہے۔ اس عرصے کے تخلیق شدہ ناولوں کو مستحکم طور پر اس طرح تقسیم کیا جا سکتا ہے: پورانک، تاریخی، سماجی، علاقائی، گھریلو، تعریفی، مسائل آمیز، تخیّلی، نفسیاتی اور سیاسی وغیرہ۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ایک ناول میں محض ایک ہی موضوع چلتا ہے۔ ایسا تو ممکن ہی نہیں۔ بہت سے اعلا ناولوں میں یہ تمام موضوعات یا ان میں سے کچھ موضوعات کی خوبیاں اور خامیاں پوری طرح ملتی ہیں۔

نشاۃ ثانیہ کے دور سے پہلے تاریخی (ترجمہ شدہ) ناول زیادہ تھے۔ اس عبوری دَور میں اس موضوع پر بہت کم ناول لکھے گئے۔ قابل ذکر صرف تین ہیں: دیوڈو نرسنگھ شاستری کا 'میوز' اور آنند کند کے 'راج یوگی' اور 'اشانتی پَرو'۔ میوز میں تصوراتی رنگ زیادہ ہوتے ہوئے بھی یہ انوکھی اور خوبصورت تخلیق ہے۔ آنند کند کے ناولوں میں وجے نگر کی سیاسی اور سماجی زندگی کی ترجمانی بڑے منطقی انداز میں کی گئی ہے۔ تعریفی انداز کے ناول بھی صرف تین ہیں: شورام کارنت کا پہلا ناول 'دیودوت'، شری رنگ کا 'وشوامتر کی سرشٹی' اور 'نا۔ کستوری کا 'گالیگو پورا'۔ پہلے ناول میں سماج کا تند و تیز تجزیہ ہے جو اساطیری انداز میں ہے۔ دوسرے ناول میں پلاٹ کا ارتقا اور کردار نگاری کا کرشمہ بروئے کار ہے۔ غرضیکہ جگہ جگہ ہنسی کی پھلجڑیاں چھوٹتی ہیں۔ تیسرے ناول میں غیر فطری رویّوں کے تخریبی پہلو اور فرد اور سماج کے تضادات دکھائے گئے ہیں۔ مزاح ہی اس کی جان ہے۔ مزاح کا اہم ناول کستوری کا 'چکر درشٹی' ہے۔ اس ناول میں فرد کی عظمت پیش کی گئی ہے۔ اس میں نئی تکنیک سے استفادہ کیا گیا ہے۔ نئی تکنیک کو اپنا کر لکھا گیا ایک اور ناول ہے: 'انترنگ'، جس میں دیوڈو نے پہلی بار نفسیات کا فنی استعمال کیا ہے اسی طرح کی موضوعاتی نوعیت کے ایک اور ناول کا ذکر یہاں کیا جا سکتا ہے: کارنت کا 'سونے سنسارا'، حقیقت آمیز ناول ہے اور ان کا 'بے ٹدجیو' علاقائی نوعیت کا ہے۔ شری رنگ کا 'بھرمینن بھوت'، جاسوسی ناول ہے۔ رسکر نگ کے 'بالری' اور کارنت کے

مسائل آمیز اور تصوراتی ہیں۔ 'سدرشن' ایک خوبصورت گھریلو ناول ہے 'بڈگ ڈے بیلے' سیاسی ہے۔ ماستی وینکٹیش آئینگر کا 'سبنّا' ایک چھوٹا ناول ہے لیکن اس میں دیرپا انسانی اقدار کے ساتھ ساتھ زندگی کا مکمل بیان ملتا ہے۔ یہ ناول ایک گلوکار کی زندگی کی دل پذیر کہانی ہے۔

گلوکار کی زندگی کی بات چلی ہے تو 'سندھیا راگ' کا ذکر ضروری ہے۔ یہ شاید اے۔ این۔ کرشنا راؤ کا سب سے اچھا ناول ہے۔ اس سے پہلے موصوف نے 'اودے راگ' نام کے ایک ناول میں ایک نقاش کی زندگی کی تصویرکشی کی ہے۔ اس کے بعد انھوں نے 'ساہتیہ رتن' میں ادیب کی زندگی اور 'نٹ سار و بھوم' میں نٹ کے جیون کی ترجمانی کی ہے۔ ان سب ناولوں میں تخلیق کار کا مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ فن کار کو اپنے فن کے عروج کے لیے سماج کے ساتھ کس قدر کشمکش کرنی پڑتی ہے۔ لیکن ان ناولوں میں غصّے اور حقائق کی اوٹ میں موصوف نے ہوسناک زندگی کا مریضانہ اظہار کیا ہے۔

کنڑ ناول کے میدان میں شروع سے اب تک لگاتار اونچی سطح کو مدنظر رکھتے ہوئے لکھنے والوں میں شورام کارنت کا نام قابل ذکر ہے۔ پینتالیس سال میں کوئی تیس پینتیس ناول لکھنا ان کی ثابت قدمی کا ایک ثبوت ہے۔ 1947ء سے پہلے انھوں نے صرف سات آٹھ ناول لکھے تھے۔ ان کے پہلے ناول 'سولے سنسارا' میں بیوہ کا دکھ، 'نرسمان سمادھی' میں بے لذت ازدواجیت اور 'چومن ڈڈی' میں غریبی اور چھوت چھات کے مسائل کی نقاشی کی گئی ہے۔ 'بےٹّد جیو' ضخامت میں چھوٹا ہونے پر بھی ایک خوبصورت علاقائی ناول ہے۔ حسب معمول پوچھ تاچھ کے جذبات کو پیدا کر کے کرداروں کے باہمی میل جول اور روابط کے تحت فطری نقاشی پیش کرنا اس ناول کی خصوصیت ہے۔ 1947ء میں شائع شدہ 'مرلی منگے' آج بھی ان کا عظیم ترین ناول تسلیم کیا جاتا ہے جو ان کی صلاحیت کی ارتقائی تکمیل کا آئینہ دار ہے۔ تین پشتوں کی زندگی کی ترجمانی، بامعنی فطرت نگاری، باضابطہ پھیلاؤ، زوردار کردار تراشی اور علاقائی اسلوب بیان کی سربلندی وغیرہ جیسی متعدد خوبیوں کی بنا پر 'مرلی منگے' کا شمار کنڑ کے عظیم ناولوں میں کیا جاتا ہے۔ اس ناول کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں قدرت کے ہاتھوں فنا و بقا کے دونوں اختیارات انسانی زندگی کے پیرائے میں اظہار پذیر ہوئے ہیں۔

بالکل اسی معیار اور اسی انداز کا دوسرا ناول ہے 'کونیپو (کے۔ وی۔ پوٹپّا) کا 'کانور و ہوگڑتی'۔ اس میں علاقائی لب و لہجہ حاوی ہے۔ ہارڈی کے 'ری ٹرن آف دی

نے تُو" کی یاد دلانے والے اس ناول میں علاقائی ترجمانی بھی آفاقی سطح تک پہنچ گئی ہے۔ اس میں ایگڈن اور ہیتھ جس طرح محض کہانی کے پس منظر میں نہ رہ کر کرداروں کی زندگی آمیز نقاشی میں مددگار ثابت ہوتے ہیں، اُسی طرح اِس ناول میں بھی 'ملے ناڈو' کہانی کا محلِ وقوع نہ ہو کر بھی کرداروں کی زندگی کا ایک حصّہ ہو گیا ہے۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ کویمپو میں چھپے ہوئے بنیادی شاعر نے اپنے وقت کی زندگی کے فلسفے کو ہی اس نثری کلاسیک میں ظاہر کیا ہے۔

کنڑ کا ایک اور ضخیم ناول ہے 'سمر سوے جیون' جس کا پہلا حصّہ 'اجوڈو' کے عنوان سے آزادی سے پہلے شائع ہوا تھا۔ جس طرح کارنت، نے مغربی کاراولی کو اور کویمپو نے ملے ناڈو کی نقاشی کی ہے اسی طرح ونایک (وی۔ کے۔ گوکاک) نے شمالی کرناٹک کے ماحول میں اس ناول کی ابتدا کی ہے۔ کانورُو کے ہوئیا کی طرح 'دھارواڑ' کا نرہری بھی آدرش کردار ہے۔ یہ ناول بھی اس بات کو خصوصی انداز میں دکھاتا ہے کہ دراصل دو نظریوں کا ٹکراؤ کس طرح گھریلو زندگی کو زہریلا بنا دیتا ہے۔ اسے مکمل کرنے میں ناول نگار کو بیس سال لگے۔ اس سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ ونائیک کے یہاں زندگی کے تجربات، صلاحیت، زاویۂ نگاہ اور زندگی کے فلسفے کا ارتقا کس طرح ہوا۔

کنڑ ناول کے عبوری دور میں دو ضخیم ناول اور بلند معیار کے کئی دوسرے ناول لکھے گئے۔ عام طور پر اس دور میں سب طرح کے موضوعاتی مواد والے ناول لکھے گئے جن میں کہانی کے مواد کی رنگارنگی کے ساتھ تکنیک کی رنگارنگی بھی دیکھنے کو ملتی ہے۔ نقادوں کے خیال کے مطابق اس دور میں صرف اسّی 80 نوّے 90 ناول لکھے گئے ہوں گے، جو تعداد کے لحاظ سے تو زیادہ نہیں ہیں لیکن اہمیت اور تاثر کے نقطۂ نظر سے ہندستان کی کسی زبان کے مقابلے میں پیچھے نہیں ہیں۔ مغربی ہواؤں کے زیرِ اثر معرضِ وجود میں آنے والا ناول کنڑ سرزمین میں اچھی طرح پھولنے اور پھلنے لگا۔

ملک آزاد ہوا۔ کرناٹک کی نئی تنظیم وجود میں آئی۔ کنڑ عوام بیدار ہوئے۔ شاعرانہ آواز بلند ہوئی کہ کنڑ کے لیے دستِ احتجاج اٹھاؤ۔ پھر کیا تھا۔ دیر کرناٹکی ایک ہوئے۔ یکساں مقاصد کی تحریک سے تحریر میں روانی آئی۔ کئی ناول تخلیق ہوئے۔ اس یادگار عہد میں تخلیق شدہ ادب کی قدر و قیمت وقت ہی کر پائے گا۔

ونایک پہلے سے لکھ رہے تھے۔ 1934ء میں شروع کیا گیا 'اجوڈو' نام کا ناول 1951ء میں پورا ہوا۔ تب اس کا نام بدل کر 'سمر سوے جیون' ہو چکا تھا۔ اس کا آغاز

انتشار سے ہوا لیکن اس کا انجام یکسانیت ہیں۔ اس سے کنڑ ناول کی شناخت ملتی ہے۔ کوئمپو نے اپنا دوسرا ناول 'ملے گلی مدمگلو' شائع کیا۔

ان چھبیس سال میں کارنت نے لگ بھگ اتنے ہی ناول لکھے ہیں۔ وہ کسی فرقے سے وابستہ نہیں رہے اور نہ ہی انھوں نے کسی فرقے کو پیدا کیا۔ ان کا ہر ناول مواد اور فنی اعتبار سے الگ انداز کا ہے۔ سائنسی زاویہ نگاہ کے ساتھ انھوں نے زندگی کے ہر پہلو کا تجزیہ کرکے دیکھا ہے۔ ان کا اعتقاد ہے کہ ادب کی تخلیق سچے تجربات کے بل بوتے پر ہی کرنی چاہئے اسی لیے انھوں نے ملک کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک سیاحت کی ہے۔ ان کے پاس تجربے اور خیالات کی دولت ہے۔ آدرش وادی ہوتے ہوئے بھی وہ حقیقت کے قائل ہیں۔ ان کے کئی ناول جیسے 'کڈیرکوسو' 'لگیے دو تیدھ' 'ہتلاتائی' 'سنیا سیہ بدک' 'گوگپ ڈیدمن' 'چگیرِ دکنسو' 'مرولن کرے' 'سکھشے' 'بکیجے کانسو گلو' 'آل نرال' 'الی دامیلے' آج بھی پڑھے لکھے اور عام قارئین دونوں میں ہر دل عزیز ہیں۔ اتنا ہی نہیں، ایک برگزیدہ نقاد کا کہنا ہے کہ وہ (کارنت) کنڑ کے ایسے عظیم ناول نگار ہیں جن پر ہندستان ناز کر سکتا ہے۔

اس عظیم دور میں کئی لکھنے والوں نے خوب لکھا۔ ان میں کچھ ناول جیسے 'منگل سوتر' 'گرہ لکشمی' وغیرہ ضرب المثل ناول ہیں۔ کئی ناولوں میں جیسے 'شو سنتان' 'نگن ستیہ' 'رسنچ گتلو' میں انسان کے ادھورے زوال کی ترجمانی ملتی ہے۔ ایک طرح کی انفرادیت ان ناولوں میں سب طرف چھائی رہتی ہے۔ انھی کے نقش قدم پر چلنے والے تا۔را۔سبا راؤ نے اپنے تمام ناولوں میں دیشیا کی زندگی، نسوانی آزادی، گھریلو زندگی کا انتشار وغیرہ جیسے مسائل کی ترجمانی کی ہے۔ ان کے تاریخی ناول: 'ہنس گیتے' 'کمبنی کوئیلو' 'رکت راتری' 'ترگو یان' بہت ہر دل عزیز ہیں۔ ان کی کہانی اور کردار نگاری میں ماضی کو حال میں پیش کرنے کا انوکھا تصور ملتا ہے اور انداز بیان کچھ ڈرامائی رہتا ہے۔ تاریخی ناولوں میں وقت کے مطابق، وضع قطع اور لباس کی نقاشی میں آگہی اور وثوق کی جھلک نظر آتی ہے۔ مختصر یہ کہ چتر درگ کے نائکوں کے دور کو کامیابی سے پیش کرنے کی ان میں غیر معمولی صلاحیت ہے۔

تاریخی ناول لکھنے کی کوشش کئی اور ناول نگاروں نے بھی کی۔ کرناٹک کے ماضی کی سرگذشت کی نقاشی کرنا ہی ان کا مقصد رہا ہے۔ یہ کہنا ممکن نہیں ہے کہ اس کے لیے ضروری تحقیق اور تخیلی قوت سب میں یکساں ہے۔ یہاں اہم ناول نگاروں کا ہی ذکر کیا جا رہا ہے۔ ان میں برگزیدہ ماستی جی ہیں۔ ان کے دو ناول ہیں: 'چینن بسو نائیک' اور 'چِک ویر راجندر'۔ ان

کے مطالعے سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ ان میں اپنے لکھے کو تنقیدی نظر سے دیکھنے کی صلاحیت ہے۔ اپنے کلچر سے جو موہ انھیں ہے، وہ دوسرے لکھنے والوں میں کمیاب ہے۔ گذری ہوئی زندگی اور کلچر کو زندگی سے بھرپور انداز میں پیش کرنے میں ماستی جی بے حد منفرد ہیں۔ شاید اسی معیار کا ایک اور ناول کے۔ وی۔ آئیر کا 'شانتلا' ہے (سیمبے تن ہلی رام رائے کے سوتی گند ھاورتے کا بھی یہاں ذکر کیا جا سکتا ہے)۔ آئیر کا رُوپ درشتی، تاریخی اور پورانک نوعیت کے بیچ کی تخلیق ہے۔ پورانک ناول لکھنے والے صرف دیوڈو نرسنگھ شاستری ہیں ان کے تین ناول ہیں: 'مہا براہمن'، 'مہا کھشتریہ' اور 'مہا درشن' ان میں انھوں نے قبل از تاریخ واقعات سے پلاٹ لیے ہیں۔ دراصل وہ ماضی اور حال کو آپس میں ملانے والے فن کار ہیں۔

ماضی اور حال کو آپس میں ملانے کی کوشش کرنے والے کچھ اور ناول نگاروں میں کوٹی شری نواس رائے اہم ہیں جنھوں نے تاریخ کو تاریخ کے چوکھٹے میں رکھتے ہوئے سچائی اور قارئین کی دلچسپی کے مد نظر دلچسپ کہانیوں کو خوبصورت ناولوں کے سانچے میں ڈھالا ہے۔ ٹیپو سلطان کو لے کر انھوں نے پلاٹوں کی ایک مالا پیش کی ہے۔ اسی موضوع پر لکھے ہوئے ویر کیسری کا 'ذولت' نام کا ناول اور ایم۔ این۔ مورتی کے تین ناول 'سندھان'، 'سنو دھان' اور 'سنہار' قابلِ ذکر ہیں۔

بی۔ پٹوس میا کا ناول 'کرانتی کلیان' خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ یہ 6 حصوں میں شائع ہوا ہے اور اس میں بارہویں صدی کے کرناٹک کی زندگی کی پوری عکاسی ملتی ہے۔ یہ ناول اس بات کی اعلا مثال ہے کہ ادب میں کلچر، سیاسیات، مذہب، سماج اور حکومت کی عکاسی کس طرح ہو سکتی ہے۔

اس کے برعکس کچھ اور ناول لکھے گئے جن کی کہانی کا مواد بہت ہی محدود فضا میں رہتا ہے۔ کارنت کا 'کڈیر کو سو' مغربی کاراولی کے محض کڈیر کی زندگی کی نقاشی کرتا ہے۔ گنیتی کے 'کن کاویری' میں کوڈگو کی زندگی کی عکاسی ہے۔ اسی طرح بھارتی سُوت کے 'ہلیا بانو'، 'چگرو ہاسیگے' میں کیرل کے پڑوسی پردیش کے ایک عجیب قبیلے کی نقاشی ہوئی ہے۔ بندو ما دھوتے بلی بیٹھ میں گڈریے کی زندگی کی تصویر پیش کی ہے۔ اسی طرح میرجی اناراے نے 'نسرگ' میں شمالی کرناٹک کے سرحدی دیہات کی عکاسی کی ہے۔ وی۔ ایم انعام دار نے 'کن من سنے'، 'کدی ٹھنتے' اور 'باڈی دھنو' میں پڑھے لکھے قارئین کے لیے تعلیم یافتہ ماحول کے مسائل پیش کیے ہیں۔ گورور رام سوامی آئینگر نے 'نمورن رسکرو' میں ایک گاؤں کے کئی لوگوں کی نقاشی کو بڑے

تفریحی انداز سے پیش کیا ہے۔ یہ پکوک بیپرزکی یاد دلاتا ہے اور دلچسپ ناولوں میں آگے آگے ہے۔ گورُور کی طرح ہی پرانی پیڑھی کے ایک مشہور ادیب شری رنگ (آدیہ رنگاچاریہ) ہیں۔ ان کا مزاج دل کو چھونے والا نہ ہو کر دماغ کو چھوتا ہے۔ وہ سبھی پرانوں کو عصری زندگی سے ملا کر دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں 'وشوامتر کی سرشٹی' اسی رویّے کا نتیجہ ہے۔ شری رنگ نے مغربی ادب اور سنسکرت کا گہرا مطالعہ کیا ہے۔ ان کے ناول کا کنڑ ادب میں خاص مقام ہے۔ ان میں تحلیل نفسی کی جدت ہے۔ یہ حقیقت ان کے 'پرشارتھ' 'انادی' 'پراکرتی' 'پرش' 'کمارسنبھو' وغیرہ میں نمایاں ہوتی ہے۔ فطرت کے کھیل کو انسان سمجھ نہیں پاتا۔ وہ ابدی ہے۔ اس کی ابدیت کے رُوبرو انسان کے علم کی محدودیت کو ابھار کر دکھانا ہی ان ناولوں کا مقصد رہا ہے۔

فطرت کی ابدیت، انسان کی بے ثباتی اور ان دونوں کے حوالے سے انسانی گراوٹ کے ہر پہلو کو کہانی کا مواد بنا کر راؤبہادر نے اپنے 'گراماین' میں ایک رامائن ہی لکھ ڈالی ہے۔

حال کے لکھنے والوں میں ایس۔ایل۔ بھیرپّا کا 'ونش ورکش' زندگی کے ایک بڑے کہانی مواد پر مبنی ہے۔ زندگی سے عقیدت اور اقدار کے خلفشار میں پھنس کر فرد کس طرح تلملاتا ہے، اس حقیقت کو بے ساختہ اور خوبصورت انداز سے پیش کیا گیا ہے۔ ندی، گرو اور رشی کی بنیاد کو ڈھونڈنا نہیں چاہیئے۔ یہاں یہ تلخ صداقت دیکھنے کو ملتی ہے کہ امن کی بنیاد کتنی کھوکھلی ہے۔ ان کے اور بھی اعلا ناول ہیں: 'گرہ بھنگ' 'مت دان' 'جل پات' 'دورس ردرو' اور 'نائرنیرلو'۔ آخری ناول میں بھیرپّا نے حال میں پنر جنم پر منظر عام پر آنے والے تحقیقی مضامین کی بنا پر یہ دکھانے کی کامیاب کوشش کی ہے کہ کچھ لوگوں کو پنر جنم کی یادیں رہ جاتی ہیں تو سماج پر اس کا کیا اثر پڑتا ہے۔

نفسیات پر ناول کی بنیاد رکھنے والوں میں شریمتی انوسُویا تریوینی پیش رو ہیں۔ ان کے ابے دیکن 'کنّو' 'دور دیٹ' 'انجد یا گلو' 'شرپنجر' وغیرہ ناول مثال کے طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان کے دوسرے ناول 'ہردے گیت' 'تادرے کول' 'ہنڑلے جگری داگ' 'وسنت گان' 'نیلی موڈ' بھی نہایت ہر دل عزیز ہیں۔ موصوفہ کی ہر دل عزیزی کا سبب اس کا متنوع اسلوب اور زاویۂ نظر ہے۔ وہ زندگی کو بے چین نگاہوں سے دیکھ کر بڑے جذباتی مگر لطیف اور مزاحیہ انداز میں اس کی ترجمانی کرتی ہیں۔ ان کے ناولوں میں گھریلو ماحول کی تصویریں ہمارے آس پاس کے درمیانے درجے کے کسی بھی گھر کی ہو سکتی ہیں۔ اسی طرح نسوانی آنکھوں سے دیکھ کر

اپنے ناولوں میں گھریلو زندگی کی عکاسی کرنے والوں میں، وانی، ایم۔ کے جیالکشمی، ایم۔ کے اندرا اور انوپما نرنجن کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

نرنجن، کرشن مورتی پورانک اور لیب راج کٹی منی، یہ تینوں ہی زوردار لکھنے والے ہیں۔ انھوں نے بہت سا ادب تخلیق کیا ہے۔ مغرب کے غصیلے نوجوانوں (ANGRY YOUNGMEN) کی طرح انھوں نے سماج پر نکتہ چینی کی ہے۔ ان کی تخلیقات میں زندگی میں نظر آنے والے جھوٹ، بے انصافی، غلط حکمتِ عملی کا مقابلہ کرکے آدرش کی طرف بڑھنے کا حوصلہ نمایاں ہوتا ہے۔ لیکن ان کا یہ سماج موہ ہی ان کے فن کے لیے ایک صدمہ ثابت ہوا ہے ان کی اعلا تخلیقات ہیں ـــــ کٹی منی کے 'جوالامکھیہ میلے' اور 'منومتوہیینے' نرنجن کے 'بن شنکری' اور 'رنگمن وٹھاڑ' پرانک کے 'موتیونے' اور 'بیورن بیلے' قابلِ تذکرہ ہیں۔ بے انصافی اور غلط حکمت عملی کے نتیجے کی آشوتی نے 'بردسری' میں فنی انداز میں تردید کی ہے اور 'ہمبل' میں آدرش کی راہوں کی مشکلات کو خوبصورت طریقے سے نمایاں کیا ہے۔

ادھر کے کچھ مشہور ناول نگار یہ ہیں: 'بھگن مندر' کے تخلیق کار ہیمنت، 'ہیمنت گان' کے گانے والے ویاس رائے بلسال 'مکتی' کے لکھنے والے شانتی ناتھ دیسائی 'مرو داری گلو' (تین راہیں) کے خالق لیشونت چتیال 'گنگو آگنگامائی' کے خالق شنکر موکاشی اور 'سنسکار' کے خالق یو۔آر۔ اننت مورتی ـــ ان تخلیق کاروں کی قدر و قیمت کا تعین ممکن نہیں ہے۔

مختصر یہ ہے کہ کنڑ میں ناول کا ادب بہت بھرپور ہے۔ شاید یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ہندستان کی کسی بھی زبان میں ناول کے ادب کے مقابلے میں یہ کم نہیں ہے۔

'نسرگ' یعنی درد کے رشتے میرجی انّارائے کا پہلا ناول ہونے کے باوجود ان کا سب سے اہم ناول ہے۔ بیلگاؤں ضلع کے شمالی حصّے کے ایک گاؤں کی زندگی اور اس میں جین سماج کی عکاسی اس ناول میں پہلی بار ہوئی ہے۔ مکمل تصویر کے حقیقی اور حسبِ معمول قدرتی ہونے کا سبب ان کے علاقائی اسلوب بیان میں ہے۔ روزمرہ کی زندگی کی زبان میں انھوں نے ایک چھوٹے سے ماحول میں ایک خاص فضا کو تخلیق کیا ہے۔ اس فضا میں رونپذیر ہونے والی ایک سچائی ہے: سماج کے بناوٹی بندھن اور مشیئت کے قدرتی رنگ ڈھنگ میں باہمی ٹکراؤ جس میں مشیئت کی جیت ہوتی ہے۔

اس ناول میں کئی جگہوں پر اشارتی انداز میں اور کئی دوسری جگہوں پر براہ راست یہی بات کہی گئی ہے۔ مشیئت کے توانا اثرات میں پھنس کر شادی کی رسم درِوایت کے

خلاف انت اور تارا کا ملن ان میں سے ایک ہے۔ وہ جتنا اشارتی انداز میں ظاہر ہوا ہے اتنا ہی براہِ راست بھی ہے۔ ناول نگار کے الفاظ ہیں: "نسرگ کا چکر اپنے اصول کے مطابق آگے بڑھتا جاتا ہے"

اس پردیش کے رسم و رواج، تقاریب و تیوہار اور زندگی کے ارتقا اور اصولوں کی وسیع اور بھرپور عکاسی کی وجہ سے اس علاقائی ناول میں کہانی کا بہاؤ رک سا جاتا ہے۔ اس ماحول میں پھنس کر دکھ اٹھانے والے انت اور تارا اس کہانی کے مرکزی کردار ہیں۔ ان دونوں کے درمیان میں مشیئت کی کارفرمائی اور گہری محبت ہے مگر وہ سماج کی محدود اور لامحدود بدعنوانیوں سے ٹکرا کر چور چور ہو جاتے ہیں۔ اس ناول کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کا بچپن کا پیار آخر میں موت کی آغوش میں سو جاتا ہے۔ یہ ناول اس بات کا ثبوت ہے کہ زندگی کی بنیادی قوتوں کے ساتھ اگر کسی طرح کی بے انصافی کی جائے تو بربادی ناگزیر ہے۔ اس ناول کا دوسرا کردار انت آدرش وادی نہیں ہے، وہ تو شادی کے سلسلے میں ناکام ہونے کے بعد ناسازگار زندگی میں بھٹکنے والا ایک فرد ہے۔

اٹارائے کے دوسرے ناولوں میں بھی دیہاتی زندگی کی تصویریں اور ماحول دیکھنے کو ملتے ہیں۔ لیکن ان میں سیاسی اور سماجی مسائل بھی بروئے کار رہتے ہیں۔ 'راشٹر پُرش'، 'پرتی سرکار'، 'اشوک چکر'، 'بھسمائر'، 'راہان ماستر' اگرچہ ان کی بہترین تخلیقات ہیں مگر ان میں کوئی بھی 'نسرگ' کے معیار کی تخلیق نہیں ہے۔

سی۔ڈی۔گووندراؤ

(۱)

گرمی کا موسم تھا چیت کے تین چوتھائی دن بیت چکے تھے۔ شام قریب ہونے کی وجہ سے دھوپ تو اتنی تیز نہ رہی تھی مگر گرمی کم نہیں ہوئی تھی۔ پسینہ لگاتار جاری تھا۔

ایسی ہی ایک شام کو مگدم کے گھر کے آنگن میں کچھ بچے کھیل رہے تھے۔ کھیل زوروں پر تھا۔ چھوٹے بچے گھیرا بنائے کھڑے تھے۔ ان کے درمیان کھڑی تارکا انھیں قد کی مناسبت سے کھڑا کر رہی تھی۔ گھیرے کے باہر اس کی سہیلی سمتی کھیل کو مزید آگے بڑھانے کے انتظار میں کھڑی تھی۔

تارکا کا کام ختم ہو گیا تو بولی "اب سبھی ہاتھ بڑھاؤ تاکہ کھیل شروع کریں"۔

دونوں سہیلیوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑ لیے۔ ایک نے گھیرے کے باہر سے اور دوسری نے اندر سے گانا شروع کیا:

اڑا کبوتر
تیل لگ گیا
بلّی کو دودھ نہیں

کتّے کو ٹکڑے نہیں۔ اڑا کبوتر! اڑا کبوتر! گیت کو دہراتے ہوئے دونوں گھومنے لگیں۔ بیچ بیچ میں کسی نہ کسی لڑکے کے سر پر باری باری ہاتھ رکھتے ہوئے وہ گاتیں:

موتی سی ماں دیں گے، بیٹھو
سونے سی بہو دیں گے، بیٹھو
گانے سی بہن دیں گے، بیٹھو

اس طرح نئی انوکھی چیزیں دینے کے وعدے کر کر کے وہ باری باری ایک ایک لڑکے

کو بیٹھاتی گئیں۔

شادی کی دھوم دھام کل ہی ختم ہو گئی تھی۔ پنڈال کا بڑا حصہ کھول دیا گیا تھا۔ پھر بھی بیاہ شادی والے اس گھر میں چھوٹے موٹے کاموں کی کمی نہیں تھی۔ مگدّم کی گلی میں آج بھی بیاہ کے سلسلے میں اکھٹے کیے گئے سامان کو لوٹایا جا رہا تھا۔

گلی والوں کی آج شام اس گھر میں دعوت تھی۔ اندر ضیافت کا اہتمام کیا جا رہا تھا۔ ایک کونے میں لکڑی کے بڑے تخت پوش پر پانچ چھ آدمی بیٹھے کھانے کے انتظار میں بیاہ ہی کے بارے میں بات چیت کر رہے تھے۔

ایک بولا "کچھ بھی ہو تارکا اچھے گھر گئی' یہی کافی ہے۔

دوسرے نے کہا" دولہا لڑکی کے جوڑ کا نہیں ہے۔ گھوڑی پر بیٹھاتے ہوئے گھوڑی کی پیٹھ پر موٹی گدی لگا رہے تھے تاکہ لڑکے کا قد بڑا دکھائی دے۔" اور تارکا کی ہوشیاری دیکھیے' ایک نظر دیکھتے ہی سب بھانپ گئی۔ گھوڑی کی رسم سے لے کر گھر لوٹنے تک اس نے منھ اونچا نہ کیا۔ آخر ایک سیانی اور ہنر مند ماں کی بیٹی ہے" ایک بزرگ نے تارکا کی سمجھ داری کی تعریف کی۔

"ارے بھائی خون کا رشتہ ہے۔ مل نے بیٹی دے کر بہن کا گھر اپنا لیا۔ یہی تو ہوا"۔

"ارے بھائی وہ تو پہلے ہی سے اپنا تھا۔ چھوٹی بہن کا گھر کوئی پرایا تو نہیں ہوتا"۔

'جانے بھی دو بھیا۔ اگر وہ چاہتے تو باہر کے لوگ اس لڑکے کو چار سو کا نذرانہ بھی پیش کرتے اور منتیں کر کے لڑکی بھی دیتے۔'

"انھوں نے کیا نہیں دیا۔ نقد روپے ہی نہیں دیے مگر داماد کو سونا تو دیا ہی ہے۔ بات ایک ہی ہے۔ بیٹی کی شادی پر مل نے اپنی حیثیت سے بڑھ چڑھ کر خرچ کیا ہے۔ بلا وجہ کسی کے بارے میں اس قسم کی بات نہ کہنا چاہیے"۔ ایک نوجوان نے مل کی حمایت کرتے ہوئے کہا۔

"میرا مطلب یہ نہیں تھا۔ خرچ کیا چیز ہے۔ ہر آدمی خرچ کرتا ہے۔ لڑکی کی شادی پر تو خرچ کرنا ہی پڑتا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ گھر کی عورتوں کی مرضی دہا لڑکی دینے کی نہ تھی"۔

"میری اکلوتی بچی ہے۔ تم اپنی بہن کی محبت کے جوش میں بغیر سوچے سمجھے لڑکی کو اس کے گھر دینا چاہتے ہو۔ کل کو لڑکی خوش نہ رہ سکی تو دیکھنا۔ اسی گاؤں بلکہ پڑوس میں ہی تو ہے۔ روز صبح اٹھتے ہی بچی روتی دکھائی دے گی تو مجھ سے سہا نہ جائے گا۔ لڑکی سے کچھ گر جائے' بگڑ جائے

تو اسے سمجھ سکنے والی ساس ہونی چاہیے۔ منھ پھٹ عورت ہے۔ تمھاری بہن ہے۔ اسی سے میں بات چھپاکر یا گھما پھرا کر نہیں کہہ رہی۔" یہ بات رتنا نے پتی سے کہی تھی۔ مگر مل نے بے چاری کی کسی بات پر کان نہ دھرے اور اپنے ہی من کی کر ڈالی۔

یہ بات وہاں بیٹھے لوگوں میں سے اکثر کو اچھی نہ لگی۔ انھوں نے اپنا دھیان بچوں کے کھیل کی طرف لگا لیا۔

ایک لڑکا کہہ رہا تھا: موتی ایسی بیوی دیں گے...... تبھی اس نے دیکھا کہ سب بڑے بوڑھے اسی کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ وہ جھینپ کر، شرما کر ایک طرف بیٹھ گیا۔ سب لوگ کھیل کھلا کر ہنس پڑے۔ باقی بچے بھی اس ہنسی میں شریک ہو گئے۔ لڑکے نے شرم سے سر جھکا لیا۔ کھیل آگے بڑھا۔

تارکا اور سمتی نے گاتے گاتے دو ایک چکر اور لگائے۔ کچھ دیر بعد انھوں نے اور لڑکے کے سر پر ہاتھ رکھا۔ تب اچانک ایک حادثہ ہو گیا۔ تارکا کی شادی میں آئے ہوئے رشتہ داروں میں اننت نام کا ایک آٹھ برس کا چھوکرا بھی تھا وہ تارکا کے سگے ماموں کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اس نے ایک بڑھیا زری دار ٹوپی پہنی ہوئی تھی جسے وہ سنبھال کر رکھتا تھا۔ گاؤں کے لڑکوں کے لیے ہی نہیں، بڑی بوڑھی عورتوں کے لیے بھی وہ ٹوپی دلچسپی کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ شادی میں آئی ہوئی سبھی عورتوں میں "ٹوپی کتنی اچھی ہے" کا ہی چرچا تھا۔ تارکا کو بھی بڑا ناز تھا کہ "ہمارے اننت کے پاس کتنی اچھی ٹوپی ہے!"

سمتی کا اننت کے سر پر ہاتھ رکھنا ہی تھا کہ تارکا غصے میں چلا اٹھی۔ "بس ہٹو بھی میرا ہاتھ چھوڑو۔ تم نے ہمارے اننت کی ٹوپی مروڑ دی' یہ کہتے ہوئے اس نے جھٹک کر سمتی کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا اور ٹوپی کے مڑے ہوئے حصے کو درست کرنے لگی۔

سمتی بولی۔ اتنا سا مڑ جانے سے کیا ہو گیا جی'

' رہنے دے۔ میرے ماما جی نے شادی میں آنے کے لیے دس روپے میں خریدی تھی۔ مگر تمھیں کیا پتا؟'

اننت تارکا کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی ٹوپی ہی کو دیکھے جا رہا تھا۔ اس کا منھ اتر گیا تھا۔ آنکھوں کی کوریں بھیگ گئی تھیں۔ تارکا نے جب اس کی طرف دیکھا تو وہ دھیرے دھیرے رونے لگا

"کوئی بات نہیں۔ آ میرا راجا بھیا" کہہ کر اسے تسلی دیتے ہوئے گود میں اٹھا کر تارکا پھر سے ناچنے لگی اور "میرا پیارا چندا' پیارا راج دلارا" گنگناتے ہوئے اس کی آنکھیں پونچھنے لگی۔

کھیل وہیں رُک گیا۔ چھوٹے لڑکوں کا گول گھیرا ٹوٹ گیا۔ کئی لڑکوں کو سمتی پر یہ سوچ کر غصہ آیا کہ اس نے کھیل بیچ میں ہی خراب کر دیا اور کچھ "کھیل گیا کولہا پور" کہہ کر بڑبڑائے۔ بےچاری سمتی بے حوصلہ سی ہو کر تخت پر بیٹھے لوگوں کی طرف بڑھی۔

"لڑکے کو اٹھا کر گر پڑو گی" کہتے ہوئے اننت کی ماں سُندر بائی نے تارکا کو اندر سے جھڑکا۔

اتنے میں ایک کونے میں سے آتی ہوئی رتن بائی بولی "اُتار دے نہ بیٹا۔ جیسے سکھ سے آیا ہے ویسے ہی واپس گھر پہنچ جائے۔ کہیں گرنے گرانے سے چاند سے مکھڑے پر چوٹ نہ آ جائے۔" پھر اندر جاتے ہوئے ہنستی ہوئی بولی "دیکھ سندرا' تارکا کو اننت سے کتنا پیار ہے۔ ادھر جب بھی کسی کے بچے کو گود میں اٹھانے لگتی ہے اور بچے کے گر جانے کے ڈر سے وہ لوگ اسے اٹھانے نہیں دیتے تو چڑھ کر کہہ دیتی ہے۔ "تم اپنے بچے کھلانے نہیں دیتے تو کیا ہوا' اپنے گھر میں بھی لڑکا ہے۔ میرے سگے ماما جی کا لڑکا۔ میں اسے لا کر گود میں کھلاؤں گی۔"

تخت پر بیٹھے ایک بوڑھے نے کہا "رتنا تمھاری بیٹی اس لڑکے کو اٹھا کر گر پڑے گی۔ اسے تو اپنا بھی ہوش نہیں۔"

پھر مڑ کر تارکا کو ڈانٹ لگائی۔ "دیکھو تو کیسے ناچ رہی ہے۔ اور اسے بھی تو دیکھو اتنا بڑا اونٹ ہو گیا ہے مگر کیسے مزے سے گودی میں چڑھا بیٹھا ہے۔ اتر۔ اتر۔"

تارکا نے اننت کو گودی سے اتار دیا۔ دونوں تخت کی طرف بڑھے ہی تھے کہ اس پر بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے ایک نے پھبتی کسی "ایسے اُدھم مچاؤ گی تو کل پھر بھرما کیسے چپ رہے گا۔ خیر ناچ لو جتنا ناچنا ہے۔ چار ہی دن کی تو بات ہے۔ بعد میں پتی کے گھر بھیج دیں گے تب دیکھیں گے کیسے ادھم مچاتی ہو۔"

"کیوں وہ کیا کرے گا۔ ابھی تو بےچاری بچی ہے۔ اس طرح کا شور شرابا اس کا حق ہے۔ جب تک گونے کے لائق نہیں ہو جاتی' اس کا رعب نہیں چلے گا۔" اندر سے رتنا بولی۔

"ابھی تمھاری لڑکی بچی ہی ہے نا ؟"

"کتنی بھی بڑی ہو جائے ہمارے لیے تو بچی ہی ہے۔ جب تک اس کے اپنا ایک بچّہ نہ ہو جائے" سندری بائی جواباً مسکرائیں۔

"یہ کون سا دَور ہے۔ دو ہی سال کی تو بات ہے۔ ابھی سے سونا اکٹھا کرے رتنا" قدرے حق جتاتے ہوئے بھیپا نے کہا۔

"سونا کس لیے ؟" سندر بائی نے پوچھا۔

"داماد کے لیے، تارکا کے گونے کے لیے۔ پانچ تولے کی پہنچی لیے بغیر بھرما بیدی سے نہ اٹھے گا، اتنا دھیان رکھنا۔"

"باپ رے، بھیپا بھی چوگلے کے حمایتی نکلے۔ چاہے جو بھی ہو تم تو اسی کی طرف سے بولو گے۔ ہمارے گھر کو کنگال کر دیا۔ دیکھتی ہوں تم سب لوگوں نے مل کر ہی ایسا کیا ہے۔ بیٹھے بٹھائے زبان چلانے میں کسی کا کیا جاتا ہے۔"

"گونے کا موقع آنے دو۔ ہمیں جو دینا ہو گا دیں گے۔ آپ لوگوں کی سفارش کی ضرورت نہیں۔ جانے بیچ والوں کو بلا وجہ مداخلت کرنے میں کیا مزہ آتا ہے۔" غصّے اور مذاق کے ملے جلے لہجہ میں ٹوکتے ہوئے رتنوا نے کہا۔

"ارے جانے دو رتنوا۔ ان پر کیوں غصّہ کر رہی ہو۔ آؤ تارا اپنے پتی کا نام تو بتاؤ بیٹی۔ شادی کے شور شرابے میں ہمیں سنائی ہی نہیں دیا" کہتے ہوئے ایک مخلص بوڑھے نے ہاتھ پکڑ کر اسے اپنی طرف کھینچا۔

"ہاں تو بھئی سنا تو میں نے بھی نہیں" کہتے ہوئے ایک نوجوان نے اس بزرگ کی تائید کی۔

"اب اس بے چاری کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو۔ اٹھیے کھانا کھانے چلیے۔ رسوئی ٹھنڈی ہو رہی ہے" کہہ کر رتنوا نے سب کو کھانے کے لیے بلایا۔

ایک ایک کر کے سب لوگ تخت سے اٹھے اور ہاتھ پاؤں دھو کر اندر چلے گئے۔

اس طرح خالی ہوئے تخت پر اب بچّے اکٹھے ہونے لگے۔ پانچ چھ بچوں کے بیٹھتے ہی تخت بھر گیا۔ اننت ابھی نیچے ہی کھڑا تھا۔ اس کے لیے جگہ نہ بچی تھی۔ دو ایک لڑکوں کو ایک طرف دھکیلتے ہوئے "ذرا اس طرف سرکو، ہمارے اننت کو بھی بیٹھنے دو" تارکا ذرا

ناراضگی کے لہجے میں بولی۔

"بس رہنے بھی دو۔ تخت تمہارا ہے اس لیے اتنا اکڑو مت" سُمتی نے منھ لٹکا کر تارکا سے کہا۔ پھر دوسرے بچّوں کو مخاطب کرتے ہوئے بولی: "چلو جب یہ اتنا غصّہ کرتی ہے تو ہم یہاں کیوں رہیں۔ گوڑ کا آنگن بہت بڑا ہے۔ چلو وہیں چل کر کھیلیں گے"۔

اتنے میں اندر سے انمت کی ماں سندری بائی نے پکارا "تارا کھانا کھانے آجا بیٹی۔ انمت کو بھی ساتھ لے آ۔ سارے بچّے کھانا کھالیں جبھی ہمارا کام نبٹا سمجھو"۔

بیاہ میں آئے رشتہ داروں کے چار پانچ بچّے 'تارکا' انمت وغیرہ سب کھانے کے لیے اندر چلے گئے۔

"چلو ہم بھی اپنے گھر چلیں" کہہ کر سُمتی بھی چل دی۔ گلی کے باقی بچّے بھی اس کے پیچھے پیچھے ہو لیے۔ جاتے جاتے اُن میں کئی طرح کی باتیں ہونے لگیں۔ ایک لڑکی بولی: "سُمتی بے چاری سیدھی ہے"۔

ایک اور چھوٹا لڑکا بولا" ان کا گھر تھا۔ اسی لیے اس نے اسے چھوڑ دیا"۔

"باپ رے! اس نگوڑی ٹوپی کو ذرا سا ہاتھ لگ گیا' کیسے غصّے سے بھڑک اٹھی تھی"۔ ایک اور لڑکی تارکا کی بُرائی کرتے ہوئے بولی۔

"لڑکا اتنا بڑا ہو گیا ہے۔ ابھی بھی اسے گود میں اٹھائے پھرتی ہے اور چار دن گذرنے دو تب اٹھائے گی تو پتہ چلے گا"۔ سُمتی مٹک کر تارکا کا قصور دکھاتے ہوئے بولی۔

"کب تک اٹھائے پھرے گی۔ آنے دو بدھ وار سسرال والے لینے آرہے ہیں۔ سسرال جانے پر پتہ چلے گا اسے۔ جمبو ا ایسی ساس کو خوش رکھنا کوئی آسان کام نہیں" ہاتھ مٹکاتے ہوئے ایک دوسری بڑی لڑکی بولی۔

"اتنی دُور جانے کی کیا بات ہے۔ آج شام کو ہی پتہ چل جائے گا۔ کان کے بندے گم کر دیے ہیں۔ میں تو ابھی بتانے والی تھی اس کے گھر والوں کو مگر جھگڑے کے ڈر سے چپ ہو گئی"۔ سُمتی نے دکھانا چاہا کہ وہ کتنی اچھی لڑکی ہے۔ گفتگو کا یہ سلسلہ جاری ہی تھا کہ سامنے سے بھرما آگیا۔ سب بچّوں نے ہنستے ہنستے شرارت سے آتے گھیر لیا۔

"تارا کو کب لینے آؤ گے؟" جھنڈ میں سے ایک لڑکی نے پوچھا۔

"کیوں؟"

"فضول میں ہم لوگوں سے جھگڑا کرتی ہے۔ اسے ڈھیل نہیں دینا، ہاں!"

"تم لوگوں سے جھگڑا ہوگیا" کہتے ہوئے بھرمتا ہنس کر آگے بڑھ گیا۔

بچوں نے راستہ چھوڑا۔ انھیں بھرمتا کی بات جچی نہیں۔ ہو ونا چوگولے 'مرمتا' کے پتا کا نام تھا۔ چوگولے دوسرے محلے میں رہتے تھے۔ مگدم پہلے ہی سے ان کے رشتہ دار تھے۔ ذرا غریب تو تھے مگر رہن سہن اور کھانے پینے کے لیے ان کے پاس زمین بھی تھی اور مکان بھی۔ چوگولے امیر تھے۔ آٹھ دس ہل کی کھیتی تھی۔ گاؤں میں ایک دو مکان بھی تھے اور مان مریادا بھی۔ ان کے کسی بیاہ شادی میں نہ پہنچنے پر بھی گاؤں والے اُن کے گھر شگن کی مٹھائی اور پان سپاری وغیرہ پہنچا دیتے تھے۔

رات کو سوتے وقت آنگن میں ایک بستر پر آٹھ دس بچے لیٹے تھے۔ تارکا کے پاس اننت لیٹا تھا۔ بچے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ ابھی انھیں نیند نہیں آئی تھی۔ کئی طرح کی گپیں چل رہی تھیں۔ اننت اپنے اسکول اور گاؤں کے بارے میں بڑی سنجیدگی اور توصلے سے باتیں بتا رہا تھا۔ تارکا کو ان باتوں میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اننت کے دوسری طرف لیٹی وہ اپنے سے بڑی ایک لڑکی سے سسرال کے برتاؤ کے بارے میں اس کے خیالات جاننا چاہتی تھی۔ اپنے جنم سے آج تک وہ کہیں باہر نہیں گئی تھی۔ اسی ایک گھر میں پلی بڑھی تھی۔ نئے گھر جانے کی بات اُسے بڑی پُراسرار لگ رہی تھی۔ اس بارے میں سب کچھ جان لینے کے لیے اس کا دل بڑا بے تاب تھا۔ اننت کی بات کو بیچ ہی میں ٹوک کر اس نے کہا "اننت ذرا اس طرف ہو کر لیٹو تو بھیا میں دیدی سے ذرا بات کر لوں۔"

اپنی بات کے کاٹے جانے پر اننت چڑ گیا اور بولا "نہیں جاتے، جانا ہے تو تم ہی جاؤ۔"

اننت تم بڑے سمجھ دار ہو۔ تھوڑی دیر کے لیے ذرا سا سرک جاؤ نا بھیا، پھر آجانا۔ میری بات نہیں مانو گے؟"

"اُوں ہوں۔ تم میری بات کیوں نہیں سنتی ہو؟" آنکھیں گھما کر اننت نے کہا۔

تارکا نے بہت سمجھایا بجھایا، التجا کی مگر اننت نہ مانا۔ آخر کار وہ خود ہی اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ مگر اننت نے تب بھی اسے جانے نہ دیا۔ پہلے اس کا پلو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔ پھر ہاتھ پکڑ لیا۔ جب وہ نہ مانی اور ہاتھ چھڑا کر چلی گئی تو اننت اور چڑ گیا۔ اس نے

طے کر لیا کہ وہ ان لوگوں کو باتیں کرنے نہیں دے گا۔ وہ اپنی کتاب کی رٹی ہوئی نظمیں زور زور سے دوہرانے لگا۔ تارکا کے قریب جا کر ان لوگوں کی باتوں میں خلل ڈالنے کی بھی اس نے کوشش کی۔ اس شور کو سن کر اندر سے اس کی ماں کی آواز آئی۔ "چپ چاپ سو جا اننت۔" مگر اننت ضد سے باز نہ آیا۔ نہ چپ ہی ہوا۔ تارکا سے مزید سہا نہیں گیا تو ایک دم برافروختہ سی ہو کر اننت کو ایک طرف دھکیلتے ہوئے بولی: "ہٹو یہاں سے" اس کے لہجے میں برہمی تھی۔

"میں نہیں جاؤں گا۔"

"کیوں؟"

"میری مرضی۔ تم کیوں پوچھتی ہو؟"

تارکا اس کی بانہہ پکڑ کر کھینچ کر لے گئی اور دھکا دے کر غصے سے بولی "تھوڑی بات کرنا چاہتی تھی۔ پتا نہیں کہاں سے آ گیا ہے بگڑا ہوا کہیں کا۔"

اننت نے اب جواب نہیں دیا۔ غصے سے گال پھلا کر بستر پر چپ چاپ بیٹھ گیا۔

"یہیں بیٹھا رہ" تارکا نے حکم دیا۔

"جو چاہے کر لو۔ مگر میں تمھیں بات نہیں کرنے دوں گا" بڑے فیصلہ کن انداز میں اننت گرجا۔

"جو چاہے کرے" کہہ کر تارکا لوٹ کر اپنی جگہ پر آ کر سو گئی۔ اننت وہیں تھوڑی دیر بیٹھا رہا۔ وہ من ہی من میں غصے سے کھول رہا تھا۔ وہ چھوٹا ضرور تھا مگر اس کی ضد بڑی تھی۔ وہیں دھرتی پر بیٹھ کر زور زور سے رونے لگا۔

"کیوں اننت، کیا ہوا بیٹے! اندر آ جاؤ" رتن بائی نے اندر سے آواز دی۔

جیسے ہی اننت کو لگا کہ اس کے رونے کا اثر ہوا ہے، اس کے رونے کی آواز اور اونچی اور تیکھی ہو گئی۔ رتنوا باہر آئی اور اسے گود میں اٹھاتے ہوئے پیار سے پچکارتے ہوئے پوچھنے لگی۔ "کیا ہوا الو بیٹے، روتے کیوں ہو؟"

وہ ہچکیاں لیتے ہوئے بولا "تاری نے مارا ہے۔"

رتنوا جھوٹا غصہ دکھاتے ہوئے بولی "کیوں مارا میرے بیٹے کو۔ بڑی اکڑ آ گئی ہے اسے!"

وہ رونا بند کر کے خوش ہو کر بولا "اس نے اپنے کان کا بُندا گم کر دیا ہے۔ میں نے کہا آپ سے کہہ دوں گا۔ اسی لیے مارا ہے۔"

"اچھا تو بُندا کھو دیا ہے" رتنوا نے تارکا کی طرف گھوم کر پوچھا۔ "کہاں کھو دیا؟"

تارکا نے کچھ جواب نہ دیا۔ چپ چاپ آنکھوں میں آنسو بھرے لیٹی رہی۔

"ابھی کل ہی تو بنوایا تھا۔ اسے ملا کر تین جوڑے کھو چکی ہے۔ ایک کے بعد ایک گم کرتی جاتی ہو۔ تجھے اپنی ہوش ہے کہ نہیں؟ ویسے یہ ایک چھوٹی چیز ہے۔ گم ہو گئی ہے تو اور بھی بنوا سکتے ہیں۔ مگر پھر ایسے ہی کھو دیا تو کہاں سے لائیں گے۔ اتنی بڑی ہو گئی ہو مگر عقل پھر بھی نہیں آئی۔ کہاں کھویا؟ کب کھویا؟ یہ تجھی بتانا چاہیئے تھا۔ ڈھونڈ تو لیتے۔"

اننت نے رتنوا کی بات کی تائید کرتے ہوئے کہا: "جہاں بھینس باندھتے ہیں نا' وہیں۔ میں نے جب کہا کہ بتا دوں گا تو مارنے آئی۔"

"نالائق کہیں کی" کہتے ہوئے' ہاتھ اٹھا کر وہ تارکا کو مارنے کے لیے اس کی طرف بڑھی ہی تھی کہ اندر سے سندر بائی دوڑتی ہوئی آئی۔

"بس بہت ہو گیا۔ کیوں ڈانٹ رہی ہو بے چاری کو۔ گھر میں چار بچے آئے ہیں چیزیں کس کی نہیں کھوتیں۔ تم پاگل ہو گئی ہو کیا؟" اس نے رتنوا کو سمجھایا۔

"یہ بھی کوئی بات ہے۔ بڑی ہو گئی۔ شادی ہو گئی ہے۔ کل اپنے پتی کے گھر جانا ہے۔ اب بھی کھیل —— کچھ تو سمجھنا چاہیئے اسے۔ روٹی پانی کرنا سیکھنا چاہیئے۔ رسوئی میں رہنا چاہیئے۔ سب چھوڑ چھاڑ کر بچوں سے چمٹی رہتی ہے۔ آج ایک کھویا ہے' کل دوسرا کھو دے گی۔ ایسے ہی کھوتی رہے گی تو اس نے کیا سمجھ رکھا ہے' بنوا کر دینے والے بڑے امیر ہیں!"

"بس اب رہنے بھی دو بچے تو چیزیں گم کرتے ہی رہتے ہیں۔ اس کا کیا کیا جائے۔ تم اس بے چاری کو اتنا کچھ کہہ رہی ہو۔ چھوٹا سا حقیر بُندا گم ہو جانے پر اتنا بگڑ رہی ہو۔ پچھلے سال ہمارے اننت کی شادی پر گوڑ کے گھر سے انگوٹھی منگوا کر پہنائی تھی۔ وہ بھی اس نے کھو دی۔ رات کا وقت تھا۔ چھوٹے بچے کے ہاتھ سے نہ جانے کہاں گر گئی۔ گیس بتی لے کر صبح ہونے تک ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گئے پر نہیں ملی۔ آخر انھیں نئی انگوٹھی بنوا کر دینی پڑی۔ اس کے لیے کیا کیا جا سکتا ہے۔" سندر بائی نے رتن بائی کا حوصلہ بندھانے

کے لیے پوری کہانی کہہ ڈالی۔

"ٹھیک ہے یہ تو بچہ تھا۔ گم کر سکتا تھا۔ پر یہ تو اب بڑی ہو گئی ہے۔ ایک ایک بات پتے کی کہتی ہے۔ یہ بھی سونا گم کر دے، بُندے گم کر دے تو کون تھپڑ نہیں لگائے گا۔"

رتنا نے غصّے سے بھرپور آواز میں دہرایا۔

تارکا وہیں بستر پر لیٹی سسک سسک کر رو رہی تھی۔ اس دکھ سے بھی زیادہ اس کے من میں انت کے لیے غصّہ تھا۔

2

اگلی صبح بڑی دیر تک تارکا چادر تانے سوتی رہی۔ اس کی ماں نے ایک دو بار اسے جگانے کی کوشش کی مگر وہ نہ اٹھی۔ سندر بائی نے کہا: "سونے دو بے چاری کو۔ جب چاہے گی اٹھ جائے گی۔"

سب لوگ اپنے اپنے کاموں میں لگ گئے۔ تھوڑا دن چڑھ جانے پر سمتی نے آکر تارکا کو پکارا۔

"ابھی بستر ہی میں پڑی ہے۔" یہ کہہ کر رتنا چپ ہو گئی۔ پھر تھوڑی دیر بعد ہی بلونا روک کر بولی "ہاں تو سمتی تارکا کا بُندا کیسے کھو گیا! تم لوگ بھی ایسے ہی چیزیں کھوتے رہتے ہو کیا؟"

سمتی تھوڑی دیر ایسے ہی چپ چاپ کھڑی رہی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ بُندے کے لیے بے چاری کو ماں نے ڈانٹا ہو گا۔ وہ چاہتی تو دو ایک باتیں اپنی طرف سے جوڑ کر اسے اور ڈانٹ بھی پلوا سکتی تھی مگر آج اس کے لیے اس کا دل آمادہ نہیں ہوا۔ وہیں تھوڑی دیر کھمبے کی طرح جمی کھڑی رہی، پھر دھیرے دھیرے قدم بڑھاتے ہوئے تارکا کے بستر کے پاس گئی اور اس کی چادر ہٹا دی۔

تارکا نے سر ہلا کر انکار کر دیا۔
سمتی نے جان بوجھ کر اسے زور سے بلایا "تارکا!"
تارکا اب مجبور ہو کر اٹھ بیٹھی۔ بعد میں سمتی نے دبی آواز میں بتایا "میں گولیاں اور چوڑیوں کے ٹکڑے لائی ہوں۔ پچھواڑے میں گھر بنا کر کھیلیں گے۔ آج اندری نے بھی آنے کو کہا ہے۔ تم بھی چلو نا!"
پچھواڑے ایک چھوٹا سا نیم کا پیڑ تھا جس کی چھایا میں کوڑا کرکٹ ہٹا کر زمین کو صاف کر دیا گیا تھا۔ آج وہیں گھر بنانے کا فیصلہ ہوا تھا۔
محلے کی چار پانچ لڑکیاں بھی آئی تھیں۔
اتنے میں اننت بھی آگیا۔ تارکا نے ایک بار اس کی طرف تیوری چڑھا کر دیکھا۔ پھر دوسری طرف منھ پھیر کر بڑبڑائی "اکڑو کہیں کا۔ کل شکایت کر کے ڈانٹ پڑوائی، اب پھر آیا ہے یہاں۔ دیکھیں کس سے کھیلتا ہے۔" پھر سمتی کو اس نے آنکھ کے اشارے سے بلایا اور کان میں کچھ کہا۔
اننت نے پوچھا "دیدی۔ اے دیدی۔ میں کھیلنے آجاؤں؟"
تارکا نے کوئی جواب نہ دیا۔ سمتی بولی "لڑکیوں کے کھیل میں تمھارا کیا کام؟" اس کا لہجہ قدرے سخت تھا۔
"کیوں؟ میں کیوں نہیں آؤں؟"
"نہیں، ہم تجھے نہیں کھلائیں گے۔"
"تو مجھے نہیں کھلاؤ گی؟" اننت نے آنکھیں لال کرتے ہوئے پوچھا۔
"نہیں" تارکا نے تنک کر جواب دیا۔
"میں تو کھیلوں گا" کہہ کر اننت وہیں جم کر بیٹھ گیا۔
"جاؤ یہاں سے" سمتی سختی سے بولی۔
"نہیں، تم لوگ جاؤ ہمارے پچھواڑے سے"۔
سمتی چپ ہو گئی اور تارکا کے منھ کی طرف دیکھنے لگی۔
"کس کا پچھواڑہ ہے" پھر خود ہی جواب دیتے ہوئے تارکا نے بڑے فخر سے کہا۔
"ہمارا ہے۔"

تھوڑی دیر تک کوئی کچھ نہ بولا۔ پاس کے چٹّے سے ایک گلہری باہر آئی اور بھاگ گئی۔ ہوا بند تھی۔ سب پیڑ پودے خاموش کھڑے تھے۔ سورج آہستہ آہستہ اوپر اُٹھ رہا تھا۔ دُھواں گھر کی کھپریل سے نکل کر دھیرے دھیرے اوپر جا رہا تھا۔

"اٹھو یہاں سے" تارکّا نے حکم دیا۔

"میں یہیں بیٹھوں گا۔ تم لوگ چاہو تو چلی جاؤ" اننت نے ضد نہ چھوڑی تھوڑی دیر تو تارکّا چپ چاپ بیٹھی رہی، پھر کچھ سوچ کر بولی "سمتی چلو۔ ہم اس دیوار کی چھاؤں میں گھر بنائیں گے۔" یہ کہہ کر وہ چل پڑی۔

"ہاں وہاں ایک طرف دیوار بھی ہے۔ گھر اچھی طرح بن سکتا ہے" کہتے ہوئے سمتی بھی کھیل کا سامان لے کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ باقی لڑکیاں لکڑی کے ٹکڑے، ڈبیاں، گولیاں، چوڑیوں کے ٹکڑے اور گڑیاں لے جانے لگیں۔ تھوڑی ہی دیر میں کھیل پھر شروع ہو گیا۔ اننت بڑی متانت سے اُدھر دیکھ رہا تھا۔ اس کا من انھیں کی طرف کھنچ رہا تھا مگر اسے پتا تھا کہ اب وہاں جانے پر کوئی اسے کھلائے گا نہیں مگر کھیلے بغیر اس سے رہا نہیں جا رہا تھا۔ اسے جماہی آئی۔ انگڑائی لے کر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور دھیرے دھیرے لڑکیوں کے جھنڈ کی طرف بڑھا۔ پھر ان سب کو مخاطب کرتے ہوئے شرارت بھرے لہجے میں بولا۔

"میں یہاں بھی آ گیا۔"

بڑے تحمل اور سنجیدگی سے تارکّا بولی "تم یہاں نہیں آؤ گے۔" مگر اننت ان سنی کر کے ان کے پاس چلا ہی گیا۔ سمتی نے چڑ کر کہا "دیکھو اننت جھگڑا ہو جائے گا۔"

"ہو جانے دو۔ کیا ہو جائے گا؟" سمتی کی تذلیل کرتے ہوئے اننت بولا۔ سمتی کو غصہ آ گیا۔ وہ اننت کو روکنے گئی۔ اننت نے اس کے ہاتھ کو دانتوں سے کاٹ لیا۔ سمتی نے غصے میں آ کر اس کو دھکا دے دیا۔ اننت کا سر دیوار سے ٹکرا گیا۔ ماتھے پر ذرا سی چوٹ بھی آ گئی۔ وہ آگ ببولا ہو اٹھا۔ غصہ اور بے بسی سے اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے ہونٹ پھڑکنے لگے۔ منھ لال ہو گیا۔ مزید بنا کچھ بولے دھیرے سے اٹھ کر گھر کی طرف چل دیا۔ تھوڑی دور جا کر اس نے ایک بار پیچھے گھوم کر دیکھا، پھر زور زور سے روتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

تارکّا نے آواز دی "اننت اننت!"

مگر اننت سُنی ان سُنی کر کے بڑھتا ہی گیا۔
تارکا نے پھر پکارا "آجا کھیل لے۔"
مگر اننت نے کوئی جواب نہ دیا۔ تارکا کچھ ڈری اور سمتی کی طرف گھوم کر بولی "تم روز کوئی نہ کوئی ٹنٹا کھڑا کر دیتی ہو اور مجھے گھر میں ڈانٹ پڑتی ہے۔"
"میں نے کیا کر دیا۔ تم ہی پہلے کہہ رہی تھیں۔"
"میں نے کہا تھا کھیلنے کو مت بلاؤ یہی تو۔ ایسے دھکا دینے کو تھوڑے ہی کہا تھا۔"
"رہنے دے۔ تیرا تو ہمیشہ یہی حال ہے۔ کل ٹوپی مر جانے والی بات کہہ کر کھیل بگاڑ دیا تھا اور آج" سمتی بولتے بولتے رک گئی۔
تارکا رو کر بولی "جانے دو۔"
اس کا من بھی دکھی ہو گیا تھا۔
اننت روتا ہوا گھر میں چلا گیا۔
رتنوا نے پوچھا "کیا ہوا رے؟"
"دیدی نے کھلایا نہیں" اننت نے کہا۔
اس کا رونا اس بات کے لیے نہ تھا۔ وہ جانتا تھا کہ سمتی کے دھکا دینے والی بات کہہ دینے سے تارکا کو ڈانٹ پڑے گی۔ رتنوا نے دلاسہ دیتے ہوئے کہا "آ تجھے کھانے کو دیتی ہوں۔ تو ان کے پاس کھیلنے کو جا ہی مت۔ ان کا کوئی کیا کرے۔ پاگل لڑکیاں ہیں۔" ایسا کہتے ہوئے وہ اسے اندر لے گئی اور ایک پتل میں لڈو، گجیا وغیرہ رکھ دیں۔ یہی نہیں۔ اسے دلاسہ دینے کے لیے تھوڑا زیادہ ہی کھانے کو دے دیا۔
اتنے میں سندر بائی کسی کام سے اندر آئی اور دیکھ کر بولی "اتنا کیوں دیا۔ کیا یہ اتنا کھا پائے گا؟ بے کار ادھر ادھر پھینک کر برباد کرے گا۔"
"جانے دو کھائے گا۔ صبح سے کچھ نہیں کھایا" کہہ کر رتنوا باہر چلی گئی۔
"یہ سب مت کھا بیٹا۔ سب تیل کے ہیں۔ پتا نہیں کب کے بنے ہوں گے۔ تجھے پہلے ہی سے کھانسی ہے" کہہ کر اور اپنے بکس کا تالا کھول کر اپنے گاؤں سے لائے ہوئے گھی کے لڈو اسے دیے۔ اننت تھوڑی دیر تک وہیں بیٹھا رہا۔ اس نے تھوڑا کھایا بھی مگر سندر بائی کے باہر جاتے ہی، پتل کو سمیٹ کر قمیض کی جھولی میں بھر لیا۔ ادھر

اُدھر جھانکا۔ دروازے کی اوٹ سے کمرے میں بھی نگاہ ڈالی۔ گھر کے اندر کوئی نہ تھا۔ وہ دھیرے دھیرے دروازے تک آیا۔ باہر دیکھا۔ جب اطمنان ہو گیا کہ کوئی نہیں دیکھ رہا تو بھاگ کر پچھواڑے پہنچا۔

"یہ دیکھو۔ کھانے کا سامان لایا ہوں" جھولی کھول کر اننت نے بڑے فخر سے سب کو دکھایا۔

اننت کو دیکھ کر تارکا کو بڑی خوشی ہوئی۔ اب تک لڑکیاں چار چار پھیرے کر چکی تھیں اور پانچ چھ لڑکیاں کھیلنے کا گھر بھی بنا چکی تھیں۔

تارکا کی طرف دیکھتے ہوئے سمتی بولی" اننت کھانے کا سامان لایا ہے کیا؟ یہ اچھا ہوا۔ اب ہم شادی کا کھیل کھیلیں گے۔ کیوں تارکا؟"

تارکا کچھ بھی نہیں بولی۔ اس کا چہرہ البتہ سمتی کی رائے سے متفق تھا۔ ادھر اننت ایک گجیا کو کاٹ کر کھا رہا تھا۔

بچے بولے؟" کل تارکا کی شادی ہوئی تھی نا۔ آج ویسا ہی کھیل کھیلیں گے۔" سمتی بولی" ابھی تارکا کے بدن پر ہلدی لگی ہوئی ہے۔ اس لیے اب بھی وہی دلہن بنے۔" پھر اننت کی طرف دیکھ کر پوچھا" اننت تم بولو۔ تم تارکا کے پتی بن جاؤ۔"

اب تارکا چپ نہ رہ سکی شرما کر نامنظوری کے طور پر بولی" اری جا بھی۔ مجھے نہیں چاہیئے۔ میں تیار نہیں۔ کیا میری شادی نہیں ہوئی؟ یہ کیسے میرا پتی! کیا بے کار سی بات ہے۔"

"شادی ہو گئی تو کیا ہوا۔ کھیل میں وہ تمھارا پتی بن بھی گیا تو کیا۔ کوئی تمھیں پتنی نہیں مانے گا۔ یہ تو محض کھیل ہے۔"

"مجھے نہیں چاہیئے۔ چاہے تو اندری اور وہ دونوں بن جائیں۔"

"یہ اتنا اچھا نہیں دِکھے گا" پھر اننت کو پکارتے ہوئے بولی" آؤ اننت" اب اننت میں کچھ اکڑ آگئی۔ اس نے سوچا کہ اس کے کھانے کا سامان لانے کی وجہ سے ہی اسے کھیل میں بلایا جا رہا ہے۔ وہ چپ چاپ بیٹھ گیا۔ سمتی ناراض ہو کر پھر کھیل میں مشغول ہو گئی۔ دوسری لڑکیاں بھی اسی کی طرح کھیل میں جٹ گئیں۔ اننت نے سوچا تھا کہ اسے دوبارہ بلانے پر جانا چاہیئے مگر کسی نے اسے دوبارہ نہ بلایا۔ اب اس کا من کھیل کی طرف کھنچ رہا تھا۔ آخر میں بولا" کھانے کو دیتا ہوں۔ آؤ"

لڑکیوں نے ایک بار گھوم کر اس کی طرف دیکھا، پھر کھیل میں کھو گئیں۔ ایک چھوٹی بچی کھانے کی امید سے اس کے پاس آئی۔ اننت کا مقصد پورا نہ ہوا۔ مگر اس نے لڑکی کو پاس بیٹھنے کو کہا اور کھانے کو کچھ دے کر پوچھا" میں تمھیں ایک کہانی سناؤں؟"

لڑکی بولی" ہوں۔"

اننت اسے اسکول کے ماسٹروں سے سیکھی ہوئی کہانیاں ایک ایک کر کے سنانے لگا۔ وہ کہانی سنانے میں بڑا ہوشیار تھا۔ اسکول میں انسپکٹروں کے آنے پر ماسٹر لوگ اسی کو کہانی سنانے کے لیے پیش کیا کرتے تھے۔ اس کے کہنے کے انداز میں مٹھاس تھی۔ پیارا سا مسکراتا ہوا چہرہ جب پورے باؤ بھاؤ کے ساتھ کہانی سناتا تو کیسا بھی آدمی کیوں نہ ہو اس سے ضرور متاثر ہوتا تھا۔ گاؤں کے بچوں کو ایسی کہانیاں بہت بھاتی تھیں کیوں کہ انھیں ایسی کہانیاں سننے کا موقع کبھی نہ ملتا تھا۔ اننت جب کبھی ان بچوں کو کہانیاں سناتا تو وہ اسے بڑے مگن ہو کر سنا کرتے تھے۔

اننت بندر کی کہانی بڑے چٹخارے لے کر سنانے لگا۔ کھیلتی ہوئی لڑکیوں کا من بھی دھیرے دھیرے اس کی طرف کھنچنے لگا۔

ایک کہانی ختم کر کے اس نے دوسری کہانی شروع کر دی۔ ایک ایک کر کے سبھی لڑکیاں کہانی سننے کے لیے اس کے طرف کھنچی چلی آنے لگیں۔ کہانی بلا روک ٹوک چلتی رہی۔

اتنے میں رتنوا کی طرف سے کھانے کا بلاوا آ گیا۔ اننت اور تارکا اٹھ کر اندر گئے تو باقی لڑکیاں بھی اپنے اپنے گھروں کو چل دیں۔

اننت کے کھانے کا سامان باہر لے جانے کی وجہ سے اس کی ماں سندر بائی کو صبح ہی سے اس پر غصہ آ رہا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اس کے گھر کے اندر آنے پر وہ اسے ٹھیک کر دے گی!

اننت کے کھانے کے لیے آ کر بیٹھتے ہی وہ بولی "بوا کے گھر آ کر ایک ایک کر کے ساری بری باتیں سیکھنے لگے ہو۔ گاؤں واپس چلو تو تمھیں بتاؤں گی۔"

اننت سر نیچا کیے چپ چاپ بیٹھا کھانا کھاتا رہا۔

سندر بائی نے بات آگے بڑھائی "آتے ہوئے کہتا تھا گھر میں پڑھوں گا اور کتابیں بھی لے کر آیا تھا۔ یہاں آ کر ایک دن بھی کوئی کتاب نہیں اٹھائی۔ دن بھر آوارہ گھومتا ہے۔ فیل ہوا تو پڑھائی لکھائی چھڑا کر گائے بھینس چرانے بھیج دوں گی۔"

تارکا بھی منھ نیچا کیے کھا رہی تھی۔ اس کا چہرہ بھی بری طرح اتر گیا تھا۔ آنکھیں بھری ہوئی تھیں۔ نوالہ گلے سے اتر نہیں رہا تھا۔ اننت کا دل اتنا کومل نہیں تھا۔ وہ بڑی متانت سے کھانا کھائے جا رہا تھا۔

"سبھی پڑھے لکھے ہوتے ہیں کیا؟ گائے چرانے میں کیا برائی ہے" رتن بائی بولی۔

"تو پھر وہی کرے۔ ہمارے چار روپے بچ جائیں گے۔ ڈوم کو دینے کی جگہ....."

اننت کا دل ماں کی یہ بات سن کر دھک سے رہ گیا۔ شاید اسے اپنے گھر کے نوکر کی یاد آئی ہو جوان کی گائے وغیرہ چراتا تھا۔ اسے اس کی پھٹی قمیض اور گندہ جسم یاد کر کے ناقابل برداشت تکلیف محسوس ہونے لگی۔

اُسے ایسا نہیں بننا چاہیئے۔ یہ سوچ کر اس نے جلدی جلدی کھانا ختم کیا اور گھر کے بیچ والے کمرے سے کتاب لے کر باہر نکل گیا۔ تارکا کھانا ختم کر کے باہر برآمدے میں آئی تو وہ وہاں نہیں تھا۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ پچھواڑے جا کر بھی دیکھ آئی۔ اننت وہاں بھی نہ تھا۔ گھر بھر کا پورا چکر کاٹ کر ڈھونڈھا تو بھی وہ اسے نہ ملا۔ آخر ہار کر وہ کھمبے سے ٹیک لگا کر چپ چاپ بیٹھ گئی۔

اننت کہاں ہو سکتا ہے۔ اسی سوچ وچار میں تھوڑا وقت اور گزرا۔ پھر اٹھ کر وہ اندر والے کمرے میں گئی جہاں سب عورتیں اب کھانا کھا رہی تھیں۔

سندر بائی نے اس سے کہا۔ "آؤ تارا تھوڑا اور کھالو۔"

"نہیں" کہکر تارکا باہر چلی گئی۔

"اب کیا کھائے گی یہ۔۔ بے چاری اننت کو ڈھونڈ رہی ہے۔" رتن بائی نے کہا۔

تارکا پھر آنگن میں آئی۔ اب وہ کیا کرے۔ جب اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تو وہ وہیں پاس رکھی جوار کی بوریوں کے پاس کمبل بچھا کر لیٹ گئی اور کروٹیں بدلنے لگی۔ ایکا ایک بوریوں کے پیچھے سے اسے کسی کی گنگناہٹ سنائی دی۔

تارکا خوشی سے جھٹ سے اٹھ کر کھڑی ہوئی۔ اننت بیٹھا کتاب پڑھ رہا تھا۔

"اننت" خوشی سے بھری آواز میں اس نے پکارا۔

اننت نے تارکا کی طرف مسکرا کر دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "کیوں؟"

"چل کھیلنے چلیں۔"

"نہیں، ماں ڈانٹتی ہے۔"

"تم ان کے سامنے ایسا کیوں کرتے ہو؟ کھانے کو دیا تو تم سب کچھ لے کر باہر چلے گئے۔ اسی لیے ڈانٹ پڑی۔"

"تم نے اپنے ساتھ کھلایا نہیں۔ کھانے کی چیزیں لانے پر کھلاؤ گی یہی سوچ کر لے آیا تھا۔"

اننت گہری سانس بھر کر بولا۔

تارکا کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔ پیار سے اننت کا ہاتھ پکڑ کر بولی "اب کبھی تمھیں چھوڑ کر نہیں کھیلوں گی۔"

اننت نے سر ہلایا۔

3

اسی طرح دو تین دن اور گزر گئے۔ شادی میں آئے ہوئے بہت سے رشتہ دار لوٹ گئے۔ سندر بائی کو بھی آئے ہوئے ایک مہینہ ہو گیا تھا۔ اب وہ بھی لوٹ جانے کے لیے اتاؤلی ہو چلی تھی۔

ایک دن رتن بائی نے پتی کو بلا کر کہا "سندرا ابھی جانے کی جلدی کر رہی ہے۔ میں نے اور چار دن رک کر تارا کی وداعی کر کے جانے کو کہا تو بولی لڑکے کو سکول جانا ہے۔ اس کی پڑھائی پچھڑ جائے گی گھر میں بھی کام پڑے ہیں۔ اس لیے جانا ہی چاہتی ہے ـــــ سوچتی ہوں جانا ہی ہے تو کیوں نہ کل ہی چلی جائے ـــــ دن بھی اچھا ہے۔ ایک ساڑھی لانی ہو گی۔ اس کے لیے، بازار جانا ہو گا۔"

کل بولا "میں کھیت میں جا کر گاڑی بان سے گاڑی بھجواتا ہوں۔ بازار جا کر جو چاہو خرید لینا۔ ساڑھی اسی کی مرضی کی دینا۔"

بیچ والے کمرے سے سندر بائی نے کہا "بازار وزار کچھ نہیں میں کل پو پھٹتے ہی چلی جاؤں گی۔ ایسی کیا بات ہے جو ابھی ہی دینا ضروری ہے۔ پھر کبھی آ کر لے جاؤں گی۔ پہلے ہی کتنا خرچ ہو گیا ہے تم لوگوں کا۔ اب اور......" سندر بائی جانتی تھی کہ کچھ بھی ہو وہ لوگ اسے ایسے کبھی نہیں بھیجیں گے۔

"بھئی واہ۔ شادی میں آ کر ایسے ہی چلی جاؤ گی۔ لوگ ہماری ہنسی نہیں اڑائیں گے؟ تارا کے کپڑوں کے ساتھ ساتھ ہی ہم نے تمہارے لیے بھی ایک ساڑھی لانے کی سوچی تھی مگر تمہیں پسند آئے گی کہ نہیں یہی سوچ کر تمہارے آنے کے بعد ہی لینے کا طے کیا۔ یہ بھی سوچا تھا کہ شادی کے بعد تم کچھ روز ٹھہرو گی ہی۔ گھر کی گاڑی ہے جب من ہو گا جا کر لے آئیں گے۔" رتنا نے زور دے کر کہا۔

سندر بائی چپ ہو گئی۔ برآمدے میں کھڑا انت اندر دوڑا ہوا آیا اور بڑے لاڈ سے بولا "میں بھی بازار چلوں گا۔ بیل گاڑی ہے۔ بیلوں کے گلے میں گھنگرو ہیں۔ بڑی پیاری آواز ہو گی۔ بڑا اچھا لگے گا۔"

"تم کیوں جاتے ہو اتنی دھوپ میں۔ گھر میں تم اور تارا کا کھیلنا۔"

رتنا بولی "گاڑی ہے، چلنے دو۔ کیوں نہ چلے۔ اس کا ہم پر بوجھ تھوڑا ہی رہے گا۔" اس کا اتنا کہنا تھا کہ انت "میں گاڑی میں بیٹھ کر بازار جاؤں گا" کہتا ہوا خوشی سے تالیاں بجاتا، کودتا، پھدکتا باہر چلا گیا۔

آنگن میں بیٹھی تارکا نے پوچھا "کون کون جارہا ہے رے؟"

"میں"

"تم کس کے ساتھ جارہے ہو؟"

"ابھی گاڑی کھیت سے آرہی ہے۔ میں، بُوا، ماں سب جارہے ہیں"

"کس نے کہا ہے؟"

"ماں نے"

"تم نہ جانا"

اننت چپ رہا۔

"ہم دوپہر کو گھر بنا کر اچھے اچھے کھیل کھیلیں گے"

"نہیں۔ تم بھی چاہو تو ہمارے ساتھ بازار چلو" اننت بولا۔

"میں نہیں جاسکتی۔ میرے بدن پر ہلدی جو لگی ہوئی ہے"

اننت اس وجہ کو ٹھیک طرح نہ سمجھ سکا۔ بولا "نہیں جاسکتی ہو تو رہنے دو۔ میں تو جارہا ہوں"

"کل تو تم جا ہی رہے ہو۔ کم از کم آج تو مل کر کھیل لیں" یہ بات کہتے وقت تارکا کے لہجہ کی عاجزی کو بھانپ کر کوئی بھی بازار جانے سے رک جاتا مگر اننت کو اس بات کا قطعی کوئی دھیان نہ تھا۔ وہ قصبے میں پیدا ہوا اور پلا بڑھا تھا۔ وہاں کے بچوں کی طرح ہی عارضی دوستی اس کی فطرت تھی۔ گاؤں کے معصوم بھولے بھالے بچوں کی نرم و لطیف دوستی کا اسے قطعی کوئی تجربہ نہ تھا اس لیے اس نے "میں تو جاؤں گا، میں نے ابھی وہ گاؤں نہیں دیکھا" کہہ کر جانے کا فیصلہ کر دیا۔

"تو جاؤ" تارکا خفا ہوتے ہوئے بولی۔

پھر بھی اس نے سوچا کہ ماں سے کہہ کر اننت کو کسی طرح گھر ہی پر روک لینا چاہیئے۔ اس نے کوشش بھی کی مگر کسی نے اس کی نہ سنی۔ وہ لوگ کھا پی کر تیار ہو کر بازار چلے گئے۔

گاڑی دروازے پر ہی کھڑی تھی۔ اننت سب سے پہلے ہی گاڑی میں بیٹھ گیا تھا۔

تارکا منہ لٹکائے ان منی سی گھر کی سیڑھیوں پر کھڑی ان لوگوں کو دیکھ رہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اسے ہر صورت میں گھر ہی پر رکنا ہے۔

گاڑی میں بیٹھتے ہوئے سندر بائی نے ایک بار تارکا کا اداس چہرہ دیکھا تو بولی: "اکیلی بے چاری کا وقت نہیں کٹے گا۔ ستی بھی کل اپنے گاؤں چلی گئی۔ اننت تم گھر پر کیوں نہیں رہ جاتے"

تارکا سوچتی تھی کہ اننت کا رک جانا اس کے لیے ضروری ہے مگر ابھیمان نے اسے کچھ کہنے نہ دیا۔

گاڑی چل پڑی۔ آنکھوں سے اوجھل ہونے تک وہ ویسے ہی کھڑی اسے ایک ٹک دیکھتی رہی۔ پھر مجبور، بے سہارا سی ہو کر گھر کے اندر چلی گئی۔

گھر میں کوئی نہ تھا۔ چار چھ دن اس کی شادی کے شور شرابے میں کیسے گزر گئے اس کا کچھ پتا بھی نہ چلا تھا۔ اب ایکدم گھر میں کسی ایک کے بھی نہ رہنے سے اسے سب کچھ بے مطلب اور اکھڑا اکھڑا سا لگنے لگا۔ آنکھوں میں آنسو چھلک آئے۔ دھیرے دھیرے اس کے سوچ وچار شوہر کے گھر کی جانب پلٹنے لگے۔

کل بدھوار کو سسرال جانا ہوگا۔ وہ لوگ اسے لینے آئیں گے۔ بچپن میں تو گئی تھی۔ تب اور بات تھی۔ اب وہیں جا کر رہنا ہوگا۔ ماں اور بابو کو چھوڑ کر کیسے رہوں گی اس پرائے گھر میں۔ لڑکی کا جنم ہی خراب ہوتا ہے۔ جنم کا گھر چھوڑ کر دوسری جگہ جا کر رہنا پڑتا ہے۔

خیالوں کی اس بوچھار نے اس کے سر پر بوجھ سا دھر دیا اور وہ بے مطلب گھر میں ادھر ادھر چکر کاٹنے لگی۔ کوئی کام کرنے کو نہ تھا۔ آج سہیلیاں بھی نہیں آئی تھیں۔ شنتی بھی کل سسرال چلی گئی تھی۔ وہ تارکا ہی کی عمر کی تھی مگر اس کی شادی تارکا سے پہلے ہی ہو گئی تھی۔ وہ ایک دو بار سسرال ہو آئی تھی۔ کل جانے سے پہلے وہ اپنے من کی ساری باتیں تارکا کو بتا گئی تھی۔ اپنی ساس کی حکومت اور ستانے کی ساری باتیں اس نے تارکا کو بتائی تھیں۔ وہ سب یاد کر کے اور اسی ڈھنگ سے اپنے بارے میں بھی سوچ کر تارکا ایکا ایک رو پڑی۔

اس طرح کچھ وقت کٹ گیا۔

ساتھ کھیلنے کو کوئی نہ تھا۔ کرنے کو کوئی کام ہی نہ تھا۔ ادھر ادھر سے ڈھونڈھ کر اننت کی برسوں کی پھٹی ململ کی قمیض کو اس نے ہاتھ میں لے لیا۔ اندر جا کر سوئی دھاگہ بھی ڈھونڈھ لائی اور دہلیز پر بیٹھ کر قمیض سینے لگی۔ اس کا چھوٹا یا بڑا اپنا کوئی بھائی نہ تھا۔ اننت کا کام کرنے میں اسے بڑا سکھ ملتا تھا۔

دوپہر کو وقت کاٹنے کے لیے پڑوس کی ایک بڑھیا آگئی۔ اس نے پوچھا "کیا کر رہی ہے ری تارا؟"

تارکا منہ اونچا کر کے بولی: "آؤ چاچی! گوا نانی۔ کل کھیت میں اننت کی قمیض پھٹ گئی تھی، اسی کو سی رہی ہوں۔"

"اری میری بٹیا۔ تو کب سینا پرونا سیکھ گئی؟" بیٹھتے اور ادھر ادھر کا جائزہ لیتے ہوئے بڑھیا نے پوچھا۔ "ادھر کسی نے پیشاب ویشاب تو نہیں کیا؟"

تارکا من ہی من "آئی بڑی صفائی والی" کہہ کر بولی "نہیں۔ یہاں کون آئے گا دروازے پر" کہہ کر چپ ہو گئی۔

بڑھیا آرام سے دیوار کی چھایا میں بیٹھ گئی۔ پھر گھر کے اندر جھانک کر بولی: "گھر میں کوئی دکھائی نہیں دیتا؟"

"سبھی بازار گئے ہیں۔"

"اب پھر سے بازار کیوں؟"

"کل میری مامی اپنے گاؤں لوٹ رہی ہے۔"

"سندرا کل جا رہی ہے اور چار دن ٹھہر کر جا سکتی تھی۔ تمھیں بھیج کر۔"

"اننت کو پاٹھ شالا گئے بہت دن ہو گئے اس لیے جانا چاہتی ہیں" تارکا نے بڑھیا کی بات پر زیادہ دھیان نہ دیتے ہوئے جواب دیا۔

"ابھی لڑکا چھوٹا ہے۔ ابھی ایسی کون سی پڑھائی کرتا ہے۔ کبھی کبھی تو آتی ہے کیا چار روز بعد نہیں جا سکتی تھی۔ اب کیا بار بار آئے گی؟"

تارکا کو بڑھیا کی یہ باتیں اچھی نہیں لگیں۔

"تم ٹھیک کہتی ہو نانی مگر ہمارے اننت کو سکول کا بڑا خیال رہتا ہے۔ چھوٹا ہے تو بھی تیسری جماعت میں پڑھتا ہے۔ یہاں کے لڑکوں کے بارے میں تو تم جانتی ہو۔ اونٹ کے اونٹ ہو کر بھی پہلی ہی میں پڑے رہتے ہیں"

بڑھیا چڑھا کر اننت کی تعریف کرتے ہوئے وہ بولی "یہاں کے سکول کی کیا بات کرتی ہو — وہ تو باقاعدہ قصبہ ہے۔ ایک لڑکے کو دیکھ کر ہی دوسرا سیکھ جاتا ہے وہاں۔"

"ہمارا اننت بہت پڑھے گا۔ تحصیلدار بنے گا۔" تحصیلدار کیا ہوتا ہے یہ نہ جانتے ہوئے بھی تارا نے بڑے غرور سے کہا۔

"بننے دو بٹیا! سندرا کا بھاگ کھل جائے گا۔ ایک ہی لڑکا ہے نا اس کا۔ لڑکے کے بعد کچھ نہیں ہوا نا؟" گاؤں کی اس بڑھیا نے لڑکی کی بات کو سچ ہی سمجھا۔

"نہیں۔ اس کے بعد ایک لڑکی ہوئی تھی مگر مر گئی۔ اس کے بعد پانچ چھ سال گزر گئے، ابھی تک کچھ نہیں ہوا۔" اس کی آواز میں خفیف سا دکھ تھا۔

"جانے دو۔ اور ہو جائیں گے۔ ابھی کیا میاں بیوی بوڑھے ہو گئے؟" پھر تھوڑا رک کر "مندر تو جایا کرتی ہے نا سندرا؟"

اس کا وشواس تھا کہ دھرم کرم سے سب کچھ مل جاتا ہے۔ اسی لیے بڑھیا چاگلوا نے پوچھا تھا۔

اس طرح کی باتیں دیر تک جاری رہیں۔ پھر بڑھیا چلی گئی۔ کچھ دیر بعد تارکا نے بھی شام کا کھانا بنانے کی تیاری شروع کر دی۔ اس طرح وقت کٹ گیا۔ سب لوگ بازار سے لوٹے تو بھاگ کر تارکا

برآمدے میں آگئی۔

"چھونامت، دور رہو، بازار سے ہو کر آئے ہیں" اس کی ماں بولی۔ لوگوں نے کپڑے بدلے۔ تارکا نے اندر سے سب کو دوسرے دھلے ہوئے کپڑے لاکر دیے۔ اننت نے بھی قمیض اتار دی۔ تارکا نے دوپہر میں ٹھیک کی ہوئی اس کی قمیض بڑے چاؤ سے لاکر دی۔ اننت نے قمیض دیکھی۔ تارکا کے ہاتھ کی سلائی جو قدرے موٹی تھی، اسے جچی نہیں۔ وہ صرف مشین کی مہین سلائی سے واقف تھا۔ ہاتھ کی سلائی دیکھ کر اسے حیرانی ہی ہوئی ہوگی۔ ماں کو دکھا کر ہنستے ہوئے بولا "کیسی سی ہے دیکھو!"

"ہاتھ کی سلائی ایسی ہی ہوتی ہے۔ کس نے سی؟" پھر تارا کی طرف گھوم کر خوشی سے بولی "تارا تم نے سی کیا؟" کہتے ہوئے اسے پیار سے اپنے ساتھ چپکا لیا۔

تارا نے بجھے ہوئے لہجے میں کہا "ہاں!"

سندرا نے تارکا کا سر پیار سے سہلاتے ہوئے، اس کی سلی قمیض کو ہاتھ میں لے کر، دوبارہ جانچ پڑتال کرتے ہوئے کہا "کتنی اچھی سی ہے!" پھر پیار سے نظر اتارنے کو انگلیاں چٹکائیں اور رتنا کی طرف دیکھ کر بولی "تو چنتا کر رہی تھی نا! کہ بٹیا ساس کے گھر میں کیسے گزارا کرے گی اسے اپنی عقل ہی نہیں۔ بنا کہے کچھ کر کے ہی نہیں دیتی۔ بت کی طرح کھڑی رہتی ہے۔ اب بتاؤ، اسے یہ قمیض سینے کے لیے کس نے کہا تھا۔ اس نے یہ سب اپنے آپ کیا کہ نہیں۔ ہمیں تو خواب میں بھی یہ خیال نہ تھا کہ قمیض سینا ہے۔ اسی نے تو اپنے آپ سوئی دھاگہ ڈھونڈھ کر سی۔ بڑی ہونے پر عقل اپنے آپ آجاتی ہے" کہہ کر وہ اننت کو قمیض پہنانے لگی۔

اننت اپنا بازو چھڑاتے ہوئے دور ہٹ کر بولا "ایسی سلی ہوئی قمیض پہن کر سکول جاؤں تو سب ہنسیں گے۔ ہی ہی۔ ہی ہی!"

تارکا کے چہرے پر اداسی کی لہر سی دوڑ گئی جسے سندرا بائی دیکھے بنا نہ رہی۔ کچھ چڑھ کر بولی "رہنے دے رے! سکول کے لڑکے ہنسیں گے۔ اس میں ہنسنے کی کیا بات؟ ایسی قمیض پہننا وہ کیا جانیں؟" تارکا کی پیٹھ پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے تسلی دینے کے لہجے میں بولی "اور چار سال بعد پیدا ہوتی تو اپنے بیٹے اننت کے لیے تجھے لے جاتی!"

تب رتنا بولی "ہاں اننت کے لیے کیسے لے جاتی؟ اپنے میکہ کی لڑکی چھوڑ کر ایک ہی رات میں بنا کسی کو خبر یا پتہ دیے فٹافٹ اننت کی شادی کر ڈالی۔ یہ شادی تھی یا کھیل؟"

سندرا اکڑ گئی۔ "میکے سے لانے کی میری کوئی ہٹ نہیں تھی بھئی! رشتے میں نہ کرتے تو "یہ نہیں آیا وہ نہیں آیا" کہہ کر سب میری جان نہ کھاتے کیا! پھر باہر سے کہاں سے لاتے جب کہ لڑکی گھر ہی میں تھی۔ اپنے آپ لے آئے اور چار پھیرے دلوا دیے۔ اس میں میرا ہاتھ قطعی نہیں تھا۔"

شام کا کھانا ہوگیا۔ پتہ نہیں کیوں کھانا جلدی سے ختم کرکے اننت باہر دہلیز پر آکر کھڑا ہوگیا۔ تارکا کھانا کھاکر باہر آئی تو شرارت سے اس کا راستہ روک کر اکڑ کے کھڑا ہوگیا۔

تارکا بولی "راستہ چھوڑو نا!"

اننت ویسے ہی کھڑا رہا' ہی ہی کرکے ہنستا ہوا۔

تارکا اس کا مطلب سمجھ گئی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر ہٹاتے ہوئے بولی "ہٹو راستہ چھوڑو"

"نہیں۔ پہلے اپنے میاں کا نام بتاؤ۔ بعد میں ہٹوں گا"

"اس کے میاں کا نام پوچھتے ہو۔ تم بتاؤ نا اپنی بیوی کا نام" اپنی بیٹی کی طرف داری کرتے ہوئے رتنوا بولی۔

"ہاں اننت تم بھی اپنی بیوی کا نام بتاؤ بیٹا! میں نے بھی بہت دنوں سے سنا نہیں" سندرا نے بیٹے کے منھ سے اس کی بیوی کا نام سننے کے شوق میں کہا۔

"میرا کیا؟ میری شادی ہوئے تو بہت دن ہوگئے۔ پہلے اسے بتانے دو بعد میں' میں بتاؤں گا" اننت کی بات کے ڈھنگ سے تارکا سمجھ گئی کہ وہ بعد میں بھی نہیں بتائے گا۔ پھر بھی ماں اور مائی کے مجبور کرنے پر ذرا شرماتی ہوئی بولی۔

دو لڑی موتی کی مالا
آٹھ لڑی موتی کی کنٹھی
اونٹ پر بیٹھا پروئے
ہاتھی پر بیٹھ کر دان کرے
پالکی میں بیٹھ کر پاسہ کھیلے
پلنگ پر بیٹھا بٹیا کھلاوے
چاول کی بوری پر بیٹھا حساب بلاوے
حساب نہ ملے تو بہن بلاوے
بھرم میں پڑ کے۔

"تم بھی ایک پہیلی بولو۔ ہاں اس سے بھی اچھی ہونی چاہیئے" سندرا بائی نے بیٹے کو سمجھایا۔

"مجھے نہیں معلوم۔ پہیلی تو یہ ہے کہ اس کالی لڑکی سے میں نے شادی نہیں کی' ہاہاہا کہہ کر ہنستا ہوا اننت باہر بھاگ گیا۔

ایک بھولے بالک کی بات تھی یہ۔ پھر بھی سندروا کو ایسا لگا جیسے کسی نے اس کی چھاتی داغ دی ہو۔

4

اننت اس رات صبح ہونے تک اپنے گھر لوٹنے کے خواب ہی دیکھتا رہا۔ رات کو جب نیند کھلی تو اسے ایسا لگا کہ وہ اپنا پور میں سویا ہے یا دوستوں کے ساتھ سکول جا رہا ہے۔ چندور میں رہتے رہتے وہ بور ہو گیا تھا۔ شروع کے چار دن یہ گاؤں اسے اس لیے اچھا لگا تھا کہ یہاں سبھی اس سے پیار سے بات کرتے تھے۔ تب اس نے سوچا تھا کہ اپنے قصبے سے یہ گاؤں ہی اچھا ہے۔ مگر جوں جوں وقت گزرتا گیا اس کا من پھر اپنے ہی قصبے کی طرف کھنچنے لگا۔ یہاں کھیلنے کے لیے دوست احباب نہ تھے۔ نہ وہ بڑا اسکول ہی تھا۔ لے دے کے کھیلنا ہو تو گھر میں تارکا کے ساتھ یا باہر گلی کے لڑکوں کے ساتھ ہی۔

دوسرے دن صبح سویرے اُٹھ کر، بستر پر بیٹھے بیٹھے ہی اس نے اپنے چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔ گاؤں جانے کی کوئی تیاری اسے دکھائی نہ دی۔ من ہی من شک و شبہہ پالتے ہوئے اس نے ماں کو پکارا۔

اس کی ماں نے درمیان والے کمرے سے پوچھا "کیوں آج اتنی جلدی کیوں اٹھ گئے؟"

"گھر کب چلنا ہے؟"

سندرا بائی نے کوئی جواب نہ دیا۔ بیٹے کو اپنے گاؤں لوٹنے کے لیے آتاؤلا دیکھ کر وہ مسکرائی۔

بیٹے نے چلا کر پوچھا "ماں؟"

"اب کہیں نہیں جانا۔ یہیں ہمارے گھر گائے چرانے کے لیے رہو" رتن بائی نے ہنستے ہوئے کہا۔

اننت منھ چھوٹا بنا کر اور شال اوڑھ کر پھر سو گیا۔ گاؤں جانے کا پروگرام ملتوی ہو جانے کی وجہ سے وہ چھٹپٹا رہا تھا۔ نہ چل سکنے کے لیے اسے ماں پر بھی غصّہ آ رہا تھا۔ غصّے کے ساتھ ساتھ وہ قدرے روہانسا بھی ہو اٹھا۔ ایکایک اسے لگا گویا اپنے باپ اور قصبہ سے الگ ہوئے اسے پانچ چھ سال ہو گئے ہوں۔

ادھر تارکا کو یہ بات بڑی اچھی لگ رہی تھی کہ اننت کا جانا رک گیا ہے۔ برآمدے میں جب کوئی نہ تھا تو تارکا نے ہنستے ہوئے پوچھا "اننت تمہارا گاؤں لوٹنا رک گیا نا؟"

اننت نے حیران ہو کر پوچھا "کیوں۔ دیر کیوں کر رہی ہے ماں؟"

"بدھوار کو جائیں گی۔ مجھے رخصت کرنے کے بعد"

"نہیں۔ ہم آج ہی جانے والے ہیں۔ ماں کبھی نہیں رک سکتی۔"

"کس کے ساتھ جاؤ گے؟"

"ماں کے ساتھ"

"وہ تو مہینے سے ہیں، بدھو!" کہہ کر تارا نے منھ بنایا۔

اننت کا منھ کالا پڑ گیا۔ اب اسے پتہ چلا کہ ماں صبح ہنس کر کیوں چپ ہو گئی تھی۔ مگر پھر بھی اسے تارکا کی دی ہوئی خبر پر یقین نہ آیا۔ بستر سے اٹھ کر آہستہ سے درمیان والے کمرے میں گیا۔ ایک کونے میں سندرا بائی بیٹھی تھی۔ اس نے اسے شک کی نظر سے دیکھا۔ اتنے میں ماں بولی " اِدھر چھونا نہیں۔ ساڑھی رکھی ہے۔"

اب اسے معلوم ہوا۔ دبی آواز میں 'نہیں' کہہ کر وہ لوٹ گیا۔ بعد میں اکتا کر اس نے ہاتھ منھ دھویا اور کھیلنے کے لیے باہر نکل گیا۔

اننت چار دن کا حساب لگا رہا تھا۔ اب اننت اور تارکا اس گھر میں دو ہی جنے رہ گئے تھے۔ تارکا شادی والی لڑکی ہونے کی وجہ سے باہر نہیں جا سکتی تھی۔ گھر کا پچھواڑہ اور برآمدہ بس یہی دو ان کے کھیلنے کی جگہیں تھیں۔ گھر بنانا، گاڑی بنانا وغیرہ بس یہی دو کھیل وہ کھیلتے تھے۔ کبھی کبھی اننت اپنے سکول میں سیکھے ہوئے کھیل، لطیفے اور پہیلیاں وغیرہ سمجھا سمجھا کر اسے بتاتا۔ تارکا کو کچھ بھی سمجھ میں نہ آتا مگر وہ بڑے انہماک سے اس کی باتیں سنتی۔ کبھی کھیلوں سے اکتا کر اننت تارکا کو اپنی سکول کی کتاب پڑھ کر سناتا، اسے بتاتا کہ اس کتاب میں شاعری بھی ہے۔ اننت کی بے پناہ ہوشیاری کو دیکھ کر تارکا من ہی من خوش ہوتی۔ کبھی کبھی وہ کچھ شعر گا کر بھی سناتا۔ وہ کبھی حیرانی سے پوچھتی " اننت تم اتنے چھوٹے چھوٹے الفاظ کیسے پڑھ لیتے ہو؟" یہ سن کر اننت ہنس کر بڑے غرور سے کہتا " یہ کیا چھوٹے ہیں۔ چھٹی جماعت کی کتابوں کے الفاظ ان سے بھی چھوٹے ہوتے ہیں۔ انھیں دیکھ کر پتہ نہیں تو کیا کہے گی؟"

سکول کی پڑھائی کو بڑا مشکل کام سمجھ کر بے چاری تارکا چپ ہو جاتی۔ اس کا من اننت کی ہوشیاری اور سمجھ داری کا قائل ہو کر اور بھی مسرور ہوتا۔ اننت کی پڑھائی، بات چیت اور کھیلوں کے بارے میں وہ اپنے باپ کو خوب بڑھا چڑھا کر بتاتی۔ شام کو مل جب کھیت سے گھر لوٹتا تو اسے یہی کہانیاں سننے کو ملتیں۔

ایک دن دوپہر کے وقت، تارکا کو پاس بٹھا کر رتنوا اور سندرا بائی نے ساس کے گھر کیسے رہنا چاہیے، سسر سے کیا سلوک کرنا چاہیے، جیسے موضوع پر دو ایک گھنٹے بھرپور مشورے دیے۔ ان کے مشورے سن کر اسے ساس کا گھر ایک بھوت کے گھر جیسا لگا ہو گا کیوں کہ ان سب باتوں پر مناسب طریقے سے غور کر سکنے کی سوجھ بوجھ اور عقل اس میں نہ تھی۔ جو بھی ہو، سامنے بیٹھی ان دو بزرگ عورتوں نے جو کچھ بھی کہا اس پر وہ برابر

ہوں' ہاں' ہوں' کرتی رہی۔ اس کا من اس وقت وہاں نہ تھا۔ وہ تو اننت کے ساتھ باہر کھیل رہا تھا۔

باہر کھیلنے کے لیے کوئی دوسرا ساتھی نہ پا کر اننت باڑے میں گائے کے بچھڑے سے کھیلنے لگا۔ بیچ بیچ میں ڈر کر دروازے کی طرف بھی دیکھ لیتا کیوں کہ اسے علم تھا کہ اُسے اس طرح جانوروں سے کھیلتے دیکھ کر ماں ڈانٹے گی۔ اس نے ڈانٹ پھٹکار سے بچنے کے لیے ایک ترکیب بھی سوچ رکھی تھی۔ احتیاطاً اس نے قریب ہی اپنی چند ایک کتابیں بھی رکھ لی تھیں تاکہ اندر سے سندرا بائی آتی دکھائی دے تو وہ جھٹ سے پڑھنے کا ناٹک شروع کر دے۔ کسی کے قریب نہ ہونے کی صورت میں وہ بچھڑے کی سواری کرتا' اس کی پونچھ پکڑتا اور اس کے گلے سے لٹکتا وغیرہ قسم قسم کے کھیل کھیلتا۔ وہ چھوٹا سا بچھڑا اس کے لیے ایک کھلونا تھا۔ اس طرح دیر تک کھیلتے کھیلتے اس کی پیٹھ پر سوار ہو کر ذرا مزہ لینے کے لیے جیسے ہی اس نے بچھڑے کے کان مروڑے بچھڑا جسم جھٹکا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اننت دھپ سے زمین پر گر پڑا۔ چوٹ لگی۔ آں آں کر کے وہ رونے لگا۔

اندر سے بھاگتی ہوئی رتنوا باہر آئی اور "کیا کر لیا۔ بچھڑے نے پاؤں رکھ دیا؟" کہتے ہوئے اس نے اننت کو گود میں اٹھا لیا۔ اتنے پر بھی اننت ہاتھ میں کتاب اٹھانا نہ بھولا تھا۔ آنسو پونچھتے ہوئے "اندر بیٹھ کر پڑھنا چاہیے تھا بیٹا۔ یہاں کیوں آئے تھے" کہتے ہوئے رتنوا اسے اپنی گود میں اٹھا کر اندر لے گئی۔

اس شور کو سن کر تارکا دوڑی دوڑی باہر آئی۔ سندرا بائی نے غصے سے چلا کر کہا: "اسے یہاں کیوں لا رہی ہو۔ وہیں گئو کے پاؤں میں پڑا رہنے دینا تھا۔ بچھڑے کے ساتھ مت کھیل' سمجھاتے سمجھاتے میں تھک گئی پھر بھی وہیں گھسا رہتا ہے رات دن۔"

مگر بیٹے کا پاؤں تو کہیں نہیں کچل گیا ہے' یہ بھی دیکھے جانچے بغیر وہ نہ رہ سکی۔ قریب آ کر سب غور سے دیکھا۔ رتنوا نے پچکارتے ہوئے اسے ایک لڈو دیا جسے ہاتھ میں لے کر وہ پھر کھیلنے کے لیے باہر بھاگ گیا۔

تیل کا لڈو بیٹا کہیں کھا نہ لے' یہ سوچ کر سندرا نے اسے بلاتے ہوئے کہا "اننت اننت ادھر آ بیٹا۔ باہر نہ جانا" مگر جب اس نے دیکھا کہ اننت ویسے ہی بھاگا جا رہا ہے تو سخت آواز میں ڈانٹ کر چلائی "اننتیا! میں کیا کہہ رہی ہوں' سمجھا کہ نہیں؟ بچوں کو کیسے رہنا چاہیے۔ آنکھ کے اشارے کو سمجھنے والے بچے بھی بچے ہوتے ہیں' نہیں تو کیا کریں ہم ایسوں کو لے کر۔" بڑبڑاتے ہوئے اندر جا کر ایک گھی کا لڈو اس نے اپنے بکس میں سے نکالا اور رتنوا سے آنکھ بچاتے ہوئے' ساڑھی میں چھپا کر باہر آ کر اننت کو پکڑا دیا۔ اور اس کے ہاتھ کا لڈو لے کر تارکا کو دے دیا۔

دوسرے دن تارکا اور اننت حسبِ معمول کھیل رہے تھے۔ دن چڑھے کوئی دو گھنٹے ہو رہے تھے۔ برآمدے میں دھوپ پھیل رہی تھی جس سے بچوں کا من اور بھی خوش تھا۔ کھیل بھی مزے سے

چل رہا تھا۔ اتنے میں تارکا کا سسر آگیا۔ آتے ہی بولا "رتنا' کل صبح ہم تارکا کو رخصت کرا کر لے جائیں گے۔ بعد میں اس کے لیے کوئی اچھا مہورت نہیں ہے۔"

رتنو اگھرا ادھونا چھوڑ کر اور ہاتھ دھو کر' ساڑھی سے پونچھتے ہوئے جلدی سے باہر آئی۔ الگنی سے ایک کمبل کھینچ کر نیچے بچھاتے ہوئے اس نے سمدھی سے کہا "آؤ بیٹھو نا" پھر تارکا کی طرف تیوری چڑھا کر بولی "وہم نے بھی پنڈت سے پوچھ لیا ہے۔ کل کا دن اچھا ہے۔ آکر لے جانا۔ ہم بھی اسی کی تیاری میں لگے ہیں۔"

اتنے میں تارکا پچھواڑے بھاگ گئی۔ اننت کچھ بھی نہ سمجھتے ہوئے چپ چاپ درمیان والے کمرے میں چلا گیا۔ تارکا کا سسر کمبل پر بیٹھتے ہوئے بولا:

"تو یہ کہو کہ تم لوگ بھی تیاری کر رہے ہو" پھر کچھ رک کر بولا "تارکا پہلی بار جا رہی ہے ساتھ کون جائے گا؟ سندرا چلے گی؟"

"نہیں میں بھی کل ہی گھر جا رہی ہوں۔ ادھر گھر میں کئی دقتیں ہیں۔ آدھے مہینے کے قریب ہو چلا ہے۔ تم جانو....." اندر سے سندروا بولی۔

"میں خود دو چار دن آتی جاتی رہوں گی۔ کوئی نیا گھر تو ہے نہیں۔ کیسے رہ پائے گی' ایسا کیوں سوچتے ہو" رتنا بولی۔

"سب کا دیکھا بھالا گھر ہے۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ مگر ریت رواج کی بات تو ہے نا!" یہ کہہ کر ہوتا اٹھنے لگا۔

"نا نا ابھی کچھ دیر تو بیٹھو۔ چائے تو پی کر جاؤ" رتنا بولی۔

"ابھی پی ہے۔ اس وقت نہیں چاہیئے۔ کھیت کی طرف جا رہا ہوں۔ بتا کر آنے کو اس نے کہا تھا۔ بس اسی لیے چلا آیا تھا۔ اور بیٹھوں گا تو دیر ہو جائے گی۔ اب میں چلتا ہوں۔"

سندروا بیچ میں ہی بول پڑی "نئے نئے سمدھی بنے ہو' چائے تو پی کر جاؤ" سندروا کی آواز میں قدرے مذاق کی چاشنی تھی۔

"ہماری تو کوئی نئی رشتہ داری نہیں ہوئی ہے بھئی! سب کچھ پہلے جیسا ہی ہے؟"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اب بہو بھی تو لے لی ہے۔ پہلے سالے کے گھر آتے تھے۔ اب کا رشتہ تو کچھ اور ہی ہے۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے بہن۔ تب بھی سمدھی کا گھر تھا' اب بھی سمدھی کا گھر ہے۔ لڑکی دینے سے گھر تو نہیں بدل گیا۔" یہ کہہ کر ہوتا اٹھ کر چلنے لگا۔

"چل کیوں دیے؟ چائے کا پانی میں نے اندر چولہے پر چڑھا دیا ہے۔ پی کر جاؤ نا!" زور دیتے

ہوئے رتنوا نے گزارش کی۔ پھر اندر جا کر کپڑوں کی گٹھری اٹھا لائی اور بازار سے خریدے ہوئے ساڑھی، بلاؤز وغیرہ دکھانے لگی۔ ہوتا نے سب دیکھا۔ اپنی سمجھ کے مطابق کپڑوں کے دام بھی بتائے۔ کپڑے دکھاتے دکھاتے رتنوا اس دوران اندر جا کر چائے بھی تیار کر لائی۔

ہوتا چائے پیتے ہوئے بولا "سندرا اگر لڑکی کے ساتھ آتی تو ہم بھی ساڑھی پہنا کر بھیجتے۔ اب تم لوگ فضول میں خرچ پر خرچ کیے جا رہے ہو۔"

"میں بھی یہی بات کہہ رہی تھی۔ پر ان لوگوں نے میری سُنی ہی نہیں۔"

تارکا کے ساتھ جا کر اور پانچ چھ دن ان کے گھر رہ کر ایک ساڑھی جٹا کر لے آنے والی بات سندرا کو اچھی لگی۔

"یہی بات سوچ کر ہم بھی اس کے لیے ساڑھی نہیں لائے تھے۔ مگر جب یہ پرسوں ہی لوٹ جانے کے لیے تیار ہو گئی۔۔۔۔" رتنوا کی بات کاٹتے ہوئے سندروا نے کہا "یہ ساڑھی اور بھی کسی وقت دی جا سکتی ہے۔" مگر اس کے من میں یہ بھی تھا کہ یہ لوگ پھر نہ جانے کب یہ ساڑھی دیں گے۔

غالباً اس کے من ہی کی بات کو سمجھ کر رتنوا بولی "ایسی شادی بار بار نہیں ہوتی ساڑھی تمھارے نام سے آئی ہے، تم ہی پہن کر جاؤ۔ وہ لوگ جو پہنائیں وہ چاہو تو یہاں چھوڑ جانا۔"

چار دن مزید رک کر ایک دم سے دو ساڑھیاں بنا لینے کا جو ارادہ سندروا کے من میں پیدا ہوا تھا، رتنوا کی اس بات سے درہم برہم ہو گیا۔ بولی "ہم کل ہی جا رہے ہیں۔ آپ لوگ ناحق تکلف کر رہے ہیں۔"

وہیں باہر کھڑا اننت اس ڈر سے پریشان ہو رہا تھا کہ کہیں اور چار دن یہاں نہ رہنا پڑ جائے۔ مگر ماں کی بات سن اور سمجھ کر کہ ایسی کوئی بات نہیں وہ خوشی سے اچھلنے کودنے لگا۔

کچھ دیر بعد چائے پی کر ہوتا چلا گیا۔

بعد میں رتنوا نے تارکا کو بلا کر خوب ڈانٹا۔ "سسر کے گھر آنے پر جھٹ سے اٹھ کر اس کے لیے کمبل نہیں بچھانا تھا کیا؟ ایسے کھیلتے رہی جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ کل کو ساس کے گھر بھی ایسے ہی رہے گی کیا؟"

یہ جان کر کہ ماں محض اس لیے اس قدر غصے سے تلملا رہی تھی تارکا کا من بے حد اداس ہو گیا اور وہ گھر کے ایک کونے میں جا کر چپ چاپ بیٹھ گئی۔ اس کے بھولے اور نا تجربہ کار ذہن میں کئی طرح کے سوال اٹھنے لگے۔

"ساس کے گھر کیسے رہنا ہوگا۔ پورے ایک مہینے سے یہ لوگ سمجھا رہے ہیں مگر سمجھ میں اب تک بھی کچھ نہیں آیا۔ جانے کب، کون سی غلطی وہاں کر بیٹھوں۔ کون جانے۔" اسی طرح دیر تک الجھن میں رہ کر اس نے بالآخر ماں کے پاس جا کر پوچھا "کل تم سب لوگوں کو چھوڑ کر اکیلی میں وہاں کیسے رہ پاؤں گی، ماں؟"

"یہ سب رسمی باتیں ہیں۔ وہاں دو تین بار ہی جاؤ گی تو ماں باپ سب کو بھول جاؤ گی۔ شوہر کے ساتھ گھل مل جاؤ گی۔ من میں چاہے سوچ ہی رہی ہو گی کہ کب صبح ہو اور کب جلدی سے وہاں پہنچوں" سندروا منھ بنا کر بولی۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی اور کچھ ہنسی بھی۔

مامی کی بات کا مطلب نہ سمجھ کر تارکا بولی "ماں کو چھوڑ کر میں ایک دن بھی کبھی باہر نہیں رہی۔"

"اس میں کیا بات ہے۔ ایک ہی گاؤں تو ہے، روز صبح ہوتے ہی اپنی ماں کو دیکھ سکو گی۔ اگر کسی دوسرے گاؤں گئی ہوتی تو دوسری بات تھی۔ ایک بار جاتی تو چھ چھ مہینے تک نہ پلٹتی۔ تمھی ہی کو لو کل گئی مگر اب پتہ نہیں کبھی واپس آئے گی یا پھر دیوالی پر۔ میکہ کہاں، سسرال کہاں؟" سندروا نے سمجھایا۔

"تم ٹھیک کہتی ہو مامی۔ تمھی بڑی ہمت والی ہے۔ میری تو اپنے ہی گاؤں میں یہ حالت ہو رہی ہے۔"

"ہاں ایک بات اور سمجھ لو۔ ایک ہی گاؤں سمجھ کر بار بار گھر نہیں آنا چاہیئے۔ یہاں کی بات وہاں مت کہنا اور وہاں کی یہاں مت کہنا۔ یاد رکھنا بیٹی کہ وہ سسرال ہے خبردار! جو کبھی بھولے سے بھی دونوں میں جھگڑا کرا دو۔"

تارکا زیادہ وہاں نہ بیٹھ سکی۔ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ سسرال اسے ایک ایسی پہیلی سا لگا جس کا حل اس کے بس کی بات نہ تھی۔

سندروا نے اور سمجھاتے ہوئے کہنا شروع کیا "اب تم چھوٹی نہیں ہو تمھیں ہر روز صبح اٹھنا پڑتا ہے۔ یہ ٹھیک نہیں ہے۔ سسرال میں ساس کے جاگنے سے بھی پہلے اٹھ کر چکی پیسنے بیٹھ جانا ہو گا۔ ساس خود پیس رہی ہو اور منع بھی کرے تب بھی پیسنے بیٹھ جانا۔ بے کار اور خالی کبھی نہ بیٹھنا۔ یہاں ماں کے تھوڑا سا بھی کچھ کہنے پر تم منھ پھلا کر بیٹھ جاتی ہو، وہاں یہ سب نہ چلے گا۔ یہاں کی طرح وہاں اپنے آپ کبھی کچھ لے کر نہیں کھانا۔ ساس جتنا دے اتنا ہی کھانا۔" اسی طرح کی باتیں سمجھاتے سمجھاتے سندروا آخر چپ ہو گئی۔

وہ دن تارکا نے بڑی بے حوصلگی اور بے دلی سے کسی طرح گزارا۔ دوپہر کو اننت کے ساتھ بھی کھیلی۔ شام تک، جوار صاف کرنے، پچھواڑے سے ایندھن لانے اور گھر کے ایسے ہی دوسرے کاموں میں جٹی رہی۔ اس دوران کتنی ہی بار اننت نے اسے ساتھ کھیلنے کے لیے بلایا مگر چاہتے ہوئے بھی وہ نہ گئی۔ اننت کی ماں نے بیٹے کو بلا کر کہا "کل ہمیں گاؤں لوٹ جانا ہے۔ جاؤ اپنی کتاب پڑھو۔"

یہ سن کر اننت کو بے حد خوشی ہوئی۔ اسی خوشی کی لہر میں اس نے کھیلنا بھی چھوڑ دیا اور پڑھنا بھی۔

اس شام تارکا نے اننت سے دیر تک کتنی ہی باتیں کیں مگر اننت سنی ان سنی کر کے ہوں، ہوں، کرتا رہا۔ آخر میں تارکا نے پوچھا "اننتا! کل جاؤ گے تو پھر کب آؤ گے؟"

"کیوں؟"

"پھر بھی کبھی آنا" وہ بس اتنا ہی کہہ سکی۔ کیوں آنا یہ نہ سمجھا سکی۔

"چھٹیوں میں پتا جی سے پوچھ کر آؤں گا' لیکن بہت دن نہ رہ سکوں گا" ذرا رک کر اس نے خود ہی کہا۔

"چار دن رہ کر جایا جا سکتا ہے؟" تارکا نے اننت کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ اس کی آواز میں درد بھرا تھا۔

اگلے دن صبح سویرے ہی ہونا رخصت کرانے آگیا۔ تارکا کو سسرال جانے کے لیے تیار ہونا پڑا گلی کی سب عورتیں بھی اسے رخصت کرنے کے لیے اکٹھی ہو گئیں۔ تارکا نے نئی ساڑھی پہنی۔ پڑوس کے پانچ گھروں میں گئی اور رواج کے مطابق سہاگنوں نے چاول اور پھل اس کی گود میں ڈالے۔ سندرا بائی نے اندر سے جاکر اسے کچھ کھانے کو دینا چاہا مگر تارکا کے گلے سے کچھ نہ اتر سکا۔ بڑی مشکل سے ایک دو لقمے کسی طرح نگل کر بے چاری باہر آگئی۔ بعد میں ماں کے کہنے پر پوجا کی جگہ جاکر نمسکار بھی کر آئی۔ ماں باپ اور دوسرے بڑے بزرگوں کو بھی اس نے نمسکار کیا۔ وہاں جمع ہوئے چھوٹے بڑے سب لوگ تارکا کی خوبیوں کا چرچا کرنے لگے جنھیں سن کر تارکا کا چہرہ لال ہو گیا۔ آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ بھاری بھاری قدم رکھتی ہوئی گھر سے باہر آئی۔

باقی سب عورتیں بھی گروہ بنا کر اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگیں۔ آگے آگے اس کا سسر تھا۔ پانچ سہاگنیں کیلے کے گچھے تھالیوں میں سجا کے ساتھ ساتھ چلیں۔ پانچ چھ قدم چلنے کے بعد سندرا بائی بولی "پانی لو اور کلا کرلو۔"

تارکا نے ماں کے ہاتھ سے لوٹا لے کر کلا کیا۔ عورتوں کے جھنڈ میں سے کسی نے کہا "اسی گاؤں میں تو ہو۔ روز ماں باپ کو دیکھ سکوگی۔ ناحق آنسو کیوں بہاتی ہو؟"

رتنو کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ دوسری عورتوں کی آنکھیں بھی بھر آئیں۔ ماں نے بھی اپنی دھوتی کے پلّو سے آنکھیں پونچھیں۔ اب تارکا کے رکے ہوئے آنسوؤں کی دھاریں بھی پھوٹ پڑیں۔ وہ ماں سے لپٹ کر سسکیاں بھر بھر رونے لگی۔ ان سب کو اس طرح روتا دیکھ کر اننت کی آنکھوں سے آنسو چھلکے بغیر نہ رہ سکے۔ ہونا پیچھے مڑ کر بڑے ہی کرخت اور پھوہڑ انداز میں بولا "وہاں تمھیں پھانسی چڑھانے نہیں لے جا رہے ہیں۔ چلو۔"

"بیٹی سسرال ہنستے ہنستے جانا چاہیے۔ تم نے سنا نہیں کرتی کے پیچھے سیتا ماں کیسے جنگل چلی گئی تھی" دور کھڑی ہوئی بیوہ چانگلو نے نصیحت دی۔

تارکا آگے بڑھی۔ عورتیں بھی چار قدم تک ساتھ چلیں۔ تارکا نے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں انھیں رکنے کو کہا۔ وہ ایک ایک کرکے رکتی گئیں۔

ہونا گٹھری اٹھا کر پانچ چھ قدم اور آگے بڑھا۔ پھل لے کر کچھ عورتیں بھی آگے بڑھتی گئیں۔ چند قدم اور آگے چل کر تارکا اننت سے مخاطب ہوئی "اننت آ' ساتھ چل' پھر لوٹ آنا۔"

اننت کچھ دیر یوں ہی کھڑا کچھ سوچتا رہا۔ تب اس کی ماں نے بھی کہا "دیدی کے ساتھ جانا!" اننت

دوڑ کر تارکا کے ساتھ ہولیا۔ کچھ دیر تک نند، بھابھی، تارکا کو جاتے دیکھتی رہیں۔ تارکا نے بھی آنکھ سے اوجھل ہونے تک کوئی دس بار مڑ کر پیچھے دیکھا ہوگا۔ اس کے آنکھوں سے اوجھل ہونے کے بعد وہ دونوں بھی بھاری من اور لمبی سانس لے کر گھر کو مڑیں۔

رتنوا آنسو پونچھتے ہوئے بولی "ماں کا گھر چھوڑ کر وہ کبھی باہر نہیں گئی۔"

ایک عورت تسلی دیتے ہوئے بولی "اری، کوئی بات نہیں۔ وہ کوئی پرایا گھر تھوڑے ہی ہے۔ بڑی کی بڑی ہوشیار ہے۔ اننت پر کیسے جان چھڑکتی ہے۔ ذرا رک کر اسے ساتھ لے ہی لیا۔" سندرا بائی نے اپنے ان چند دنوں کے قیام پر جو محسوس کیا تھا اس کی بنا پر کہا "وہاں جانے پر بھی لڑکی پر کوئی انگلی نہیں اٹھا سکتا۔ سب کے ساتھ مل جل کر رہنے والی ہے ہماری بیٹی۔ دوسرے بھی تو سنبھل کر چلنے والے ہونے چاہئیں۔ وہ تو سونا ہے ہی۔"

"ارے رہنے دو بہن۔ کیسے نہیں چاہیں گے! اپنی بہو اور اپنا بیٹا! وہ ذرا منھ پھٹ ضرور ہے مگر کل جین مندر میں آنے دو، میں اسے سمجھا دوں گی کہ اب بہو بیٹے کام لائق ہو گئے ہیں۔ تم پوجا پاٹ میں من لگاؤ" چانگوا بڑھیا نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

سب لوگ اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ اننت ایک ہی گھنٹے میں گھر بھاگ آیا۔ سندرا بائی نے پوچھا "کیوں اننت اتنی جلدی آگیا؟" پھر اپنے آپ ہی بڑبڑائی "یہ لڑکا دوسروں کے گھر ایک منٹ بھی نہیں رکتا۔"

"دیدی اندر چلی گئی۔ میں وہاں رہ کر کیا کرتا؟"

"کیا وہاں بھر منا نہیں تھا؟"

"وہ تھا۔ جوار کی بوری پر بیٹھا تھا! اس نے مجھ سے بات تک نہیں کی" اننت نے ہاتھ مٹکا کر منھ بناتے ہوئے جواب دیا۔

"کتنا حرامی ہے یہ!"

اننت کی آواز سن کر رتنوا نے اندر سے دوڑ کر آتے ہوئے پوچھا "آرتی اتارنے کون آیا تھا؟"

"تمنوا مامی ہی آئی تھی" یہ کہہ کر اننت بچھڑے کو پکڑنے بھاگا جسے ملّی نے ابھی کھولا تھا۔

اسی دن، دن ڈھلے سندروا کو بھیجنے کے لیے ملّی تارکا کو بلانے گیا۔ تارکا ساس سے پوچھ کر گھر آئی۔ اس کے پہنچنے تک گاڑی تیار کھڑی تھی۔

اننت گاؤں جانے کے شوق میں گاڑی میں بیٹھ گیا۔ سندروا ابھی اندر ہی تھی۔ تارکا کو دیکھتے ہی سندرا بائی "کچھ کھا تو لے" کہتے ہی اسے اندر لے گئی اور گھر کے لیے تیار کیے ہوئے دیسی گھی کے لڈو اسے کھانے کو دیے اور تارکا نے کھانے سے پہلے ایک بار پھر اننت کو یاد کیا۔

لیکن جب سندر وا نے اصرار کیا کہ "اس کا کیا ہے۔ وہ تو کھاتا ہی رہتا ہے"۔ تو تارکا جلدی جلدی تھوڑا بہت کھا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

مل اس خیال سے کہ گاؤں پہنچتے پہنچتے اندھیرا ہو جائے گا' جلدی کر رہا تھا۔ اس لیے سندر بائی جلدی جلدی پانچ چھ لوگوں سے مل کر گاڑی میں سوار ہو گئی۔ ابھی گاڑی چلنے کو ہی تھی کہ تارکا اپنا جی ہلکا کرنے کے خیال سے بول اٹھی "صبح کھانا کھا کر آنے کو کہا تو اننت بھاگ آیا"۔

سندر وا' رتنوا کی طرف دیکھتے ہوئے آرام سے بیٹھ کر بولی "تمہارے ساس کے سامنے وہ کیا کھانے جاتا؟" پھر پھیکی سی ہنسی ہنس کر وہ خاموش ہو گئی۔ اس کے چہرے سے لگ رہا تھا کہ جیسے کہہ رہی ہو کہ تارکا کی سمجھ میں یہ بات کیوں نہیں آئی۔ پھر بات برابر کرتے ہوئے بولی "کچھ بھی ہو۔ وہ ساس کا گھر تھا۔ یہ بہو تھی بے چاری کیسے اسے بلا کر کھانا کھلاتی۔ اس کے کہنے سے کیا؟ یہ تو "چو" اکو چاہیے تھا کہ بچے کو پکڑ کر کھانا کھلاتی یہ بے چاری کیا کرتی۔ ابھی ایک پاؤں گھر کے اندر ہے اور ایک باہر۔ میں بھی تو اسی کی بات کہہ رہی تھی۔ بال سفید ہو گئے تو کیا۔ آخر ریت رواج بھی تو کچھ ہوتے ہیں"۔

حالانکہ بات بظاہر سکون سے کہی گئی تھی۔ لیکن تھی بڑی تیکھی اور اس سے تارکا کے دل کو بہت تکلیف پہنچی۔ اس کے اندر کہیں درد کی ایک تیز لہر سی اٹھی۔ یہ درد کس لیے اور کیوں اٹھا۔ اس کی وجہ اس کی سمجھ میں نہ آئی اور اس نے اپنا دل دوسری باتوں میں لگانے کی کوشش بھی کی۔ اسے بھولنا بھی چاہا لیکن پھر بھی وہ اسی درد کے سایے میں ہی ساس کے گھر پہنچی۔

5

دوسرے دن انھوں نے سارے گاؤں میں کیلے بانٹے۔ بہو کے گھر آنے کی خوشی میں چوا نے کیلے کم پڑ جانے پر خود ہی بارہ آنے کے کیلے اور خرید کر سبھی گھروں میں تقسیم کیے۔ لے دے کے ایک ہی تو بیٹا ہے۔ تیج تہواروں میں سارے گھروں سے ہمارے یہاں کیلے آتے ہیں۔ ایک کو چھوڑ کر دوسرے کو کیوں بانٹوں۔ میرے کون سی پانچ سات بہوئیں آئیں گی۔ تب بانٹ لوں گی۔ اکا تائی کی خوشی کا ٹھکانا ہی نہ تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ چلو ساتھ کھیلنے کو بھابھی مل گئی۔ تارکا جس دن گھر آئی' اسی دن ماں نے دن ڈھلے اسے

کیلے کھانے کو دیے تو اس نے ماں سے پوچھا: "ماں! تارکا کو کیلے نہیں دو گی؟"

"ایک لگاؤں گی۔ تارکا کہہ کر بولتی ہے۔ وہ کیا تیرے برابر کی ہے۔ بھابھی کہا کر! اور اگر ایسا کہنے میں تجھے شرم آتی ہے تو دیدی کہا کر۔ دوبارہ تجھے ایسے کہتے سنا تو زبان کھینچ لوں گی۔" چموّا ہاتھ اٹھا کر غصے سے بولی۔

تائی اکا منھ لٹکا کر خاموشی سے ایک طرف چلی گئی۔ چموّا نے تارکا کو بھی بلا کر کیلے دیے۔ کیلے لے کر تارکا برآمدے میں چلی گئی۔ اکا تائی بھی اس کے پیچھے پیچھے برآمدے میں پہنچی اور دونوں نے ساتھ مل کر کیلے کھائے۔ بعد میں اکا تائی نے تارکا کو اپنے کھلونے دکھائے۔ حالانکہ اندر ہی اندر کھیلنے کا شوق امڈ آ رہا تھا لیکن اس نے اپنے آپ کو روکا۔ اس کی ماں اور ماسی کی نصیحتوں نے اسے ذہنی سطح پر بالغ بنا دیا تھا اور وہ اپنے آپ کو سمجھا رہی تھی کہ وہ سسرال میں کھیلنے نہیں آئی۔ سارے کھلونے دکھانے کے بعد اکا تائی نے تارکا کے منھ کی طرف شوق سے دیکھتے ہوئے پوچھا "کل ہم دونوں کھیلیں گے؟" تارکا خاموش رہی۔ باہر سے ایندھن اندر لے جاتی ہوئی چموّا بولی "کھیلنے کے لیے کیا وہ تیرے جیسی چھوٹی ہے۔ اسے گھر میں کھانا دانا نہیں پکانا کیا! کل جب تیری شادی ہو جائے گی تو پتہ چلے گا۔" تارکا اس کی بات ختم ہونے سے پہلے ہی باورچی خانے میں پہنچ گئی۔ اس نے ساس سے نرم لہجے میں پوچھا: "ماں! شام کو کیا پکے گا؟"

"چاول کے لیے پانی چڑھا دیا ہے۔ جلدی سے تین پاؤ چاول صاف کر کے لے آ۔ چولہے پر ہاتھ منھ دھونے کے لیے پانی رکھو۔ اب تمھارے سسر آتے ہوں گے۔ کھانے کی تیاری ہونی چاہیے۔" چموّا نے حکم چلایا۔

تارکا نے سب باتیں غور سے سنیں۔ جلدی جلدی دال چاول پکائے۔ ہاتھ پیر دھونے کا پانی بھی گرم کر دیا۔ اتنے میں ہوتا شام کا کھانا کھانے آ گیا۔ تارکا نے ہاتھ پیر دھونے کو پانی دیا۔ اس کے ہاتھ پاؤں دھو کر آنے تک تھالی اور پٹرا رکھ کر برآمدے میں بیٹھی چموّا کو 'ماں' کہہ کر پکارا۔

"کیوں! تم ہی پروس دو نا!" چموّا وہیں سے بولی۔

"لڑکی کا ہاتھ چھینکے تک نہیں پہنچ پاتا۔ تمھیں آ جاؤ نا! وہاں بیٹھی بیٹھی کیا کر رہی ہو؟" ہوتا نے اسے بلایا۔

"روٹی کی ٹوکری چھینکے پر ہے کیا؟" چموّا اندر آتے ہوئے بولی "کل بستی کے جین مندر میں پوجا ہے نا۔ اس کے لیے سامان بھی تو جمع کرنا ہے۔ اسی لیے ایک مٹھی دال چن رہی تھی۔ میں وہاں کوئی خالی تھوڑا ہی بیٹھی تھی" کہتے ہوئے اس نے ہاتھ دھو کر ٹوکری اتاری اور ہوتا کے لیے کھانا پروسا۔

"تو کل پوجا ہے؟ پوجا میں ایک گچھا کیلے کا دے دینا" ہوتا روٹی کا ٹکڑا توڑتے ہوئے بولا۔

اتنے میں تارکا نے ساس کا ادھورا کام پورا کیا اور دیے جلانے کے لیے بتیاں تیار کرنے لگی۔

دوسرے دن دوپہر تک بستی میں پوجا کر کے ساس اور بہو واپس آ رہی تھیں کہ کسی نے پیچھے سے چموّا

کو پکارا۔ چموا نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ بستی کی طرف سے چانگلوا تیزی سے چلی آرہی تھی۔ ہاتھ میں پوجا کی چھوٹی سی تھالی تھی جس میں چاندی کے دو دیپ رکھے تھے۔ اس نے پاس آکر پوچھا "کیوں چرن امرت نہیں لیا؟"

"ایسا بھلا کیوں ہوتا؟ میں بھلا پوجا کر اکر چرن امرت لیے بغیر کیسے آجاتی۔ گھر میں کام بہت ہے۔ وہ انتظار کر رہے ہوں گے۔" پھر بہو کی طرف دیکھ کر بولی "تم آگے آگے چل کر ان کو کھانا دو۔ میں آتی ہوں۔"

ستار کا پرد س دے گی؟" چانگلوا نے پوچھا۔

"پرو سے گی کیوں نہیں۔ لڑکی ہشیار ہے۔" چموا بولی۔

"ابھی الڑھ بچی ہے۔ کھیلنے کھانے کی عمر ہے۔ ابھی کیا سمجھ ہے اسے؟" پھر کچھ رک کر بات بدلتے ہوئے بوڑھی نے پوچھا "آج کی پوجا تمہاری طرف سے تھی؟ اس خاص پوجا کے لیے گنے کا رس بڑا شبھ ہوتا ہے۔"

"سچ!" بات کاٹ کر بوڑھی بولی "یہ بات ہے؟"

"ہاں۔ اس دن شری یانس راجا نے آدی ناتھ سوامی کو گنے کا رس پینے کو دیا تھا۔ اسی لیے میں نے اپنے ماما کے یہاں کہلا بھیجا تھا کہ کسی طرح ایک گھڑا گنے کا تازہ رس بھیج دیں۔ ان کے یہاں کولہو لگا ہوا ہے۔" کچھ رک کر چاروں طرف دیکھ کر چار قدم چلتے ہوئے بولی "ان بے وقوف لوگوں کو یہ سب باتیں کیا معلوم؟ ماما جی نے جواب نہیں بھیجا۔" پھر گال پر انگلی رکھ کر بولی "اب کیا کیا جا سکتا ہے یہی سوچ تمہارے بھیا کل مرجی گئے تھے ان کے ہاتھ پانچ چھ آم منگوائے تھے سکھرنی کی پوجا (انرس) کے لیے بھگوان کی پوجا کے بغیر میں سکھرنی کھا بھی کیسے سکتی تھی؟" پھر آسمان کی طرف دیکھ کر بولی "کیا بھگوان کی آنکھیں نہیں۔ آج صبح ہی ماما نے گنے کا رس بھجوایا۔ دل سے بھگتی کی جائے تو بھگوان سب کچھ کرا دیتا ہے۔"

چموا نے پوچھا "سکھرنی کس نے دی تھی؟"

"بھگوان کے نام پر آئے ہوئے پھلوں کو کیوں رکھوں۔ ان سے ایک لوٹا بھر رس نکلا تھا وہ میں نے دے دیا۔ اس کے علاوہ گوڈ صاحب نے بھی دیا تھا۔"

اتنے میں دونوں کے راستے الگ الگ ہو گئے۔ چموا اپنے گھر کی طرف جاتے ہوئے بولی "جاؤ بہن دھوپ ہو گئی ہے۔ ابھی جا کر کھانا کھانا ہے۔ گرمی کے دن میں کچھ دیر ہو جائے تو لقمہ نہیں اٹھایا جاتا۔ ایک ایک نوالہ نگلنے کے لیے ایک ایک گھونٹ پانی چاہیئے۔"

"کل شکروار کو میرا بھی برت تھا" چانگلوا نے بتایا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے کہہ رہی ہو کہ ایک ہی دن میں تم لوگوں کا یہ حال ہے تو میرا کیا حال ہونا چاہیئے۔

چموا مڑ کر بولی "کتنے برت رکھتی ہو تم۔ بڑی ہمت ہے۔ ہفتے میں تین چار دن تو تمہارے برت

ہو ہی جاتے ہیں۔"

"کھا پی کر اس جسم کا کیا کرنا ہے۔ کبھی نہ کبھی تو اسے ختم ہونا ہی ہے۔ عورت کا جسم بھی بالکل مٹی جیسا ہے اور اب کس کام کا ہے کھانا پینا بھی" چانگلوا نے اپنے برت رکھنے کی وجہ بتائی۔ اس کا گلا خشک تھا ہونٹ بھی خشک تھے۔ اس نے کچھ رک کر گلا صاف کر کے پوچھا "تارا! اشٹمی، چتر دشی کا برت رکھتی ہے کیا؟"

"اس نے برت لے رکھا ہے اب تک کرتی آ رہی ہے۔ لیکن چیت میں کیسے نبھا پائیں گے۔ کھیت پر جانا اور اندھیرا ہونے پر واپسی ہوتی ہے اور اس برت میں پانی تک چھان کر پینا پڑتا ہے۔ دھلے کپڑے پہن کر کھانا کھانا ہوتا ہے کھیت میں مٹی کے گھڑے سے پانی پینا ہوتا ہے۔ ٹھنڈا، گرم جیسا ملے ویسا کھانا پڑتا ہے۔ اس لیے ہمارے گھر میں یہ سب چل نہیں سکے گا۔" چموا نے یہ بات اس طرح کہی جیسے تارا کے مائکے کی رسموں پر طنز کر رہی ہو۔

چانگلوا اسے سمجھا کر بولی "کچھ بھی ہو۔ تم جیت گئیں چما۔ آٹھ دن میں شادی کر کے بہو کو گھر لے آئیں اور پھر کھیتی کرنے والے تم لوگوں کو اشٹمی، چتر دشی سے کیا غرض؟" چانگلوا کو نہ چاہتے ہوئے بھی چموا کے سامنے یہ بات کہنی پڑی۔

چموا پھر اس کے پاس لوٹ کر آئی اور فخر سے بولی "اس میں جیتنے کی کیا بات ہے؟ لڑکی تو سدا سے ہماری ہی تھی۔ اس کی اچھل کود سے کیا ہوتا ہے۔ کہیں میرا بھائی اس کی سنتا؟"

"وہ تو ٹھیک ہے پر ..... اس کی بات کو دل میں رکھ کر لڑکی کو تنگ مت کرنا۔"

"اری پگلی! کیا مجھے اتنی سمجھ نہیں ہے؟" پھر ماتھا سکوڑ کر بولی "میں رتنوا کی طرح کان کی کچی نہیں ہوں۔ اس کی بات لے کر مجھے کیا کرنا ہے۔ اپنے رشتے میں سے لائی ہوں تو اسے ایسے رکھوں گی کہ رتنوا بھی دیکھتی رہ جائے گی۔ بھلا میں اپنی بہو کو دکھ کیوں دینے لگی" اور پھر "ارے دیر ہو گئی" کہتے ہوئے وہاں سے چلی گئی۔

چموا، رتنا بائی کے دل کے بارے میں جانتی تھی۔ شادی سے قبل ہی اسے معلوم تھا کہ اس کی بھابھی کا خیال ہے کہ اکلوتی بیٹی ہے اپنے رشتہ داروں میں ہی دیں گے تو سکھ سے نہیں رہ پائے گی۔ کچھ کہتے سنتے بن نہیں پڑے گا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی چموا کو یہ فکر تھی کہ اگر لڑکی باہر بیاہی گئی تو آئندہ میکے سے اس کا کوئی رشتہ نہیں رہ جائے گا۔ اس کے علاوہ اس کے دل میں ایک زبردست خواہش یہ بھی تھی کہ بھیا کے کوئی لڑکا نہیں ہے۔ ایک ہی لڑکی ہے اس لیے جب بھی ہو بھیا کی زمین جائیداد بیٹی کو ہی ملے گی۔ وہ کیوں دوسروں کے ہاتھ لگے۔ انھیں سب وجوہات کی بنا پر وہ تارا کو اپنے بیٹے سے کچھ بڑا ہونے کے باوجود بیاہ لائی تھی۔

ایک ماہ بعد رتنوا اپنی بیٹی کو کارہنی میں تہوار کے لیے بلانے گئی تو ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد چموا بولی "لڑکی چاہے یہاں رہے یا وہاں ایک ہی بات ہے۔ چار دن یہاں رہے گی چار دن وہاں۔"

پھر آواز بدل کر بولی "گاؤں میں لڑکی دی ہے اس لیے جب جی میں آئے بلانے چلی آتی ہو۔ ویسے بلانے کوئی بھی آسکتا ہے۔ اب تم آئی ہو تو لیے جا رہی ہو لیکن اگر دوسرے گاؤں میں دی ہوتی تو ایسا کیسے چل سکتا تھا۔ اگر لڑکی دوسرے گاؤں چلی جاتی تو دکھ سکھ میں ہم لوگوں کی دیکھ بھال کرنے کون آتا۔ وہاں سے آکر وہ لوگ کیا ہمیں سنبھال سکتے تھے۔ اب یہ تو وہی بات ہوئی کہ گھی کہاں گیا؟ کھچڑی میں!"

رتنوا کے چہرے پر طنز بھری مسکراہٹ پھیل گئی جیسے وہ ان باتوں کا مطلب اچھی طرح سمجھ گئی ہو۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس کے چہرے پر تشویش کے آثار بھی صاف نظر آنے لگے۔ اس کا جی یہ سوچ کر لرز اٹھا کہ اگر اس چکر میں پڑ کر یہ لوگ بچی کو تکلیف دیں تو کیا ہوگا۔ اسے معلوم تھا کہ ان کی زمین جائیداد ایک نہ ایک دن بیٹی کو ہی ملے گی۔ لیکن وہ ابھی بوڑھے نہیں ہوئے تھے۔ ابھی سے دوسروں کے نام لکھ کر ان کے رحم و کرم پر پڑے رہنا کہاں تک ٹھیک ہوگا۔ اس نے کہا "ہمیں لوگ کہاں باہر دیکھ رہے تھے۔ اس کی پیدائش کے وقت سے ہی بھرا سے بیاہنے کے خیال میں تھے لیکن آپ لوگ اچھل کود مچا رہے تھے۔ ہمارے لڑکے کو اتنا ملتا ہے کہ اتنا ملتا۔ بس اسی بات کو دیکھ کر ہم لوگ ڈر رہے تھے۔" پھر گال پر ہاتھ رکھ کر کچھ توقف کے ساتھ بولی "ہم تو غریب لوگ ہیں۔ بس دو بل کی کھیتی ہی تو ہے ہمارے پاس۔ اس کو دوسروں کے نام کر دیا تو کس کے دروازے پر جائیں گے۔ بعد میں کوئی پانی کو نہیں پوچھتا! چیونٹیاں وہیں جاتی ہیں جہاں گڑ ہوتا ہے۔"

یہ سن کر جھموا کا منھ لٹک گیا۔ پھر بھی وہ بولی "تم بھی کیسی پاگل ہو۔ ابھی سے بڑھاپے کی فکر کرتی ہو۔ گاؤں میں لڑکی دی ہے۔ شیر جیسا داماد پایا ہے۔ اس کے علاوہ تمہارا میکہ بھی ہے۔"

"ہر ایک اپنی فکر کرتا ہے دہی سے ہاتھ سے کوا کوئی بھی نہیں مارتا بہن (دہی سے لگے چاول گرنے کے ڈر سے) میکے میں بھائی اپنا ہو تو کیا بھابھی اپنی ہوتی ہے؟ ہاتھ میں پیسے ہوں تو سبھی اپنے ہوتے ہیں' نہیں تو کوئی جھانکتا بھی نہیں۔"

باتیں یہاں آکر ختم ہو گئیں لیکن موضوع ختم نہیں ہوا۔ شام کو جب ہوتا نے گھر آکر برآمدے میں تمباکو پینے بیٹھا تو جھموا نے اپنی عادت کے مطابق بات اٹھائی۔

"رتنا لڑکی کو لینے آئی تھی......"

"ہاں شام کو کھیت پر جاتے ہوئے مل ملا تھا۔ وہاں چارے کی چوری ہو جاتی ہے اس لیے شام کو رکھوالی کرنی پڑتی ہے۔ شاید اسی وجہ سے وہ خود آئی ہوگی۔ اس میں کیا ہے۔ کوئی بھی آئے" وہیں پڑی ہوئی جھاڑو کے تنکے کو توڑ کر چلم میں رکھتے ہوئے وہ بولا۔

"میں بھی تو یہی کہہ رہی تھی لیکن رتنا کو میری بات پسند نہیں آئی۔"

"کیا؟ میری سمجھ میں نہیں آئی تمہاری بات" ہوتا چلم میں تمباکو رکھتے ہوئے بولا۔

"کچھ بھی تو نہیں۔ رتنا سے کہا تھا۔ گاؤں میں لڑکی دی ہے۔ جب چاہے بلانے آسکتی ہو۔ سکھ دکھ میں ایک دوسرے کو دیکھنا ہی پڑتا ہے۔ بڑھاپا آنے پر یہی لڑکی روٹی کھلائے گی۔"

"اچھی کیسے یہ بات؟" چلم میں آگ رکھتے ہوئے ہوتا نے یہ سوال کیا۔

"بات چلی تھی..... ان کے کوئی لڑکا تو ہے نہیں۔ جب بھی ہو سہارا تو لڑکی کا ہی ہوگا۔"

"کیسی پاگل ہے تو" ہوتا اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔ "وہ میاں بیوی اب بھی بھرپور جوان ہیں۔ ان کی جائیداد لڑکی کی کیوں ہے۔ کیا ان کے اور بچے نہیں ہوں گے۔ ان کی جائیداد ہے وہ جو چاہیں کریں۔ اس پر تمہاری نظریں کیوں؟" منہ سے دھواں چھوڑتے ہوئے ہوتا نے ڈانٹ بتائی۔

اس دن رتنا بھی بڑی بے چینی سے شوہر کی راہ دیکھ رہی تھی۔ کب وہ گھر آئے اور وہ ساری باتیں، جو لڑکی کو بلانے کے لیے جانے پر چمو اسے ہوئی تھیں، اسے بتائے۔ ادھر مل بھی کھیت سے واپس آکر کوئی خاص بات بتانے کے لیے بے چین نظر آتا تھا۔ گھر کی دہلیز پر پاؤں رکھتے ہی غصے سے بولا "چار دن سے کہہ رہا تھا کہ چارا چوری ہو جاتا ہے۔ آج دیکھا تو چوگلے کا بھیمپا صاف کیے جا رہا تھا۔ بوڑھا ہے پھر بھی چوری کرتے شرم نہیں آتی اسے۔"

ہاتھ پیر دھونے کا پانی دیتے ہوئے رتنوا نے بے دلی کے باوجود حیرت سے پوچھا: "کون؟ چوگلوں کا بوڑھا بھیمپا؟"

"بہنوئی سمجھ کر ہوتا کا لحاظ کر کے چھوڑ دیا۔ کوئی اور ہوتا تو چارے سمیت چوپال پر لے آتا۔" مل نے بھیمپا کے ساتھ کی گئی پاسداری کی وجہ بتائی۔

"چوپال میں کیوں لاتے؟ چولہے میں لے جاتے۔ وہ بڑا دھوکے باز ہے کلکرنی سے اس کی خوب چھنتی ہے۔"

"وہ کیا کرے گا؟ نہ میں کسی کا کچھ چھوتا ہوں نہ لینے جاتا ہوں۔ مجھے کسی کا ڈر نہیں۔ لیکن کیا کریں۔ گاؤں میں لڑکی دی ہے۔ وہ بھی کوئی اور نہیں۔ سمدھی لگتا ہے" مل برآمدے میں بیٹھا ہوا بولا۔

"بیٹھ کیوں رہے ہو؟ اندھیرا ہو رہا ہے کھانا کھاؤ" رتنا نے اسے کھانا کھانے کے لیے اٹھایا۔ مل نے کپڑے بدل کر کھانے کے لیے بیٹھتے ہوئے بیٹی کو دیکھ کر پوچھا "کب آئی تارا بیٹی؟ میں نہیں آسکا کیوں کہ شام کو کھیت پر بھی جانا تھا۔"

لیکن رتنا، بیٹی کے جواب دینے سے پہلے ہی، بول پڑی۔ اس نے وہ تمام باتیں، جو وہاں ہوئی تھیں، تفصیل سے بتائیں۔ تمام باتیں سن کر مل بولا "تم لوگوں کو ان باتوں سے کیا مطلب؟ ابھی تو یہ عورتوں کی بات ہے۔ کل کہیں تم لوگ مردوں کے منہ پر کالک نہ لگوا دینا۔ ایک بار دل پھٹ گیا تو بس....."

بیچ میں غصے سے گردن موڑ کر ہاتھ سے روٹی کی ٹوکری زمین پر پٹکتے ہوئے رتنا بولی: "میرا کیا جاتا ہے؟ سب انھیں کے نام کر دو۔"

"انھیں کیوں دینے جاؤں۔ کیا وہ لوگ ہماری جائیداد کے بھروسے بیٹھے ہیں۔ ان کے پاس بہت کچھ ہے۔ میں نے اتنا خرچ کر کے بیٹی کی شادی کی ہے۔ اپنی جائیداد دے کر داماد کو ساہوکار بنانے کے لیے بیٹی نہیں دی ہے۔"

رتنا خاموش تھی لیکن اس کے چہرے پر غصے کے آثار ضرور تھے۔ مل مزید کہا:

"تو کیا سب کچھ اس لیے ان کے نام کر دوں کہ میری بیٹی وہاں بڑا سکھ بھوگ رہی ہے۔ کل اس کا گونا ہو جائے۔ چار پانچ بچے ہو جائیں۔ تب پھر اگر ہو سکا تو ان میں سے کسی کو اپنے پاس لا کر رکھ لیں گے۔ جب بھی ہو سب اسی کو ملے گا۔ اب اس وقت یہ فضول کی باتیں کیوں اٹھائی جائیں۔ کیا وہ ایسی ہے؟ 'بھتیجی کو دے جاؤں گی' بھتیجی کو دے جاؤں گی' کی رٹ لگا رہی تھی:"

لیکن ان باتوں سے کسی کے دل کو تسلی نہ ہوئی۔ رتنا کا دل تو اور بھی بے چین ہو اٹھا۔ اس نے اپنے جی میں سوچا: "کچھ بھی ہو یہ پھر بھی بھائی بہن ہیں۔ میں پرائی ہوں میں کیوں بیچ میں بول کر بری بنوں۔ کل میرے پڑ جانے پر مجھی کو بھگتنا پڑے گا۔ ان کا کیا؟" اس کو اسی طرح کے خیالات پریشان کر رہے تھے کہ تارا کے یہ کہنے پر کہ "اماں! چلو ہم لوگ بھی باپو کے ساتھ کھانا کھا لیں" ماحول پرسکون چھا گیا۔

رتنا بائی کو اب بھی امید تھی کہ اس کے گھر لڑکا ہوگا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کے شوہر کو بھی اپنے دل میں یقین ہے کہ آج نہیں تو کل اس کی زندگی کے تالاب میں لڑکے کا کنول جیسا چہرہ ضرور کھلے گا۔ لیکن شوہر کی اس وقت کی باتیں سن کر اسے ایسا محسوس ہوا کہ وہ اس طرف سے مایوس ہو چکا ہے۔ اس لیے اس کا جی بھنور میں پھنسی کشتی کی طرح تھپیڑے کھانے لگا۔

لیکن مل کی ذہنی حالت ایسی نہ تھی۔ وہ سیدھا سادہ آدمی تھا۔ رات دن کھیتی باڑی میں جٹا رہتا۔ وہ بل کا یوگی تھا۔ اس کا نظریۂ زندگی صرف اتنا ہی تھا "بھگوان کی مہربانی سے لڑکی کو اچھا گھر مل گیا ہے میری قسمت میں تو بیٹا ہے نہیں۔ بیٹی ہی جلدی سے بڑی ہو کر ماں بن جائے یہی بہت ہے۔ نواسے کو لا کر پالا جا سکتا ہے۔" وہ دل ہی دل میں بھگوان سے دعا کرتا رہتا تھا کہ اس کی بیٹی جلدی سے بڑی ہو کر ایک بیٹا پیدا کرے۔ وہ اسی مبارک گھڑی کے انتظار میں تھا۔ تارا جب بھی اس کے پاس آ کر حیا سے سر جھکاتی تو اسے محسوس ہوتا کہ وہ مبارک گھڑی اب نزدیک ہی ہے۔

وہ جب بھی بہن سے ملتا تو مذاق میں بھی یہ کہنے سے نہ چوکتا "دیکھو ہماری تارا بڑھتی چلی جارہی ہے۔ لڑکے کو بھی بڑا ہونا چاہیے۔ اسے صرف کھیت کے کام میں ہی مت جھونک دینا۔ روز دو بار

دودھ پلایا کرو۔ پھر ماذرا جلدی جلدی جوان ہو جائے۔ کل کو کہیں لڑکی لڑکے سے بھاری نہ لگے۔"

پانچ چھ مہینے گزر گئے۔ ایک دن چھوا نے شوہر سے کہا "تیج تہوار سب نپٹ گئے۔ اب تو تارا کو گھر لے آئیے۔ اب میں کہاں تک کام میں پستی رہوں۔ میں نے سوچا تھا لڑکی آکر کام میں ہاتھ بٹائے گی پھر بھی آپ اسے نہیں لائے۔" ہوتا نے بھی سوچا کہ اب بہو کو وداع کروا کے لے آنا چاہیئے۔ اس روز دن ڈھلے جب وہ سمدھی کے گھر' دو تین دنوں میں ایک گھڑی کا مہورت نکلوانے کے لیے گیا تو ایک عجیب واقعہ ہوا۔ تارا اکیلی کونے میں بیٹھی تھی۔ منھ اترا ہوا تھا۔ گھر میں کوئی نہیں تھا۔ ہوتا نے پوچھا "تارا! گھر میں کوئی نہیں کیا؟"

تارا سسر کی آمد پر ہمیشہ کی طرح آسن بچھانے کے لیے جلدی سے آگے نہیں بڑھی۔ جہاں بیٹھی تھی وہیں سے بولی "نہیں' وہ لوگ کھیت گئے ہیں۔ نیا کام تھا۔۔۔۔۔" وہ حیا سے چہرہ اوپر نہ اٹھا سکی۔ ہوتا اتنے سے ہی سمجھ گیا اور "کچھ نہیں" کہہ کر گھر لوٹ گیا۔ گھر پہنچ کر اس نے بیوی سے بڑی خوشی اور شوق کے ساتھ کہا "لڑکی چوکے سے باہر معلوم ہوتی ہے"

"کب سے؟ مجھے کچھ پتہ نہیں۔ پتہ ہوتا تو بلانے ہی کیوں جاتے؟"

"سب کے کھیت پر جانے کے بعد ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ گھر میں اور کوئی نہیں تھا۔ لڑکی ایک کونے میں خاموش منھ لٹکائے بیٹھی تھی۔ اس لیے کہہ رہا ہوں۔"

"تم بھی کچھ کا کچھ مطلب نکالتے ہو۔ ابھی سے کہاں چوکے سے باہر ہوتی؟"

"ارے' اس کے ڈھنگ سے کیا پتہ نہیں چلتا مجھے؟"

"ہو بھی سکتا ہے"۔ پھر رک کر بولی "چلو یہ بھی اچھا ہوا۔ اگر چار دن بعد ہمارے گھر آنے پر چوکے سے باہر ہوتی تو بٹھانے کی ساری رسمیں ہمارے گلے پڑتیں۔ اچھا ہوا۔ وہیں ہے۔"

"وہ بے چارے کیا بٹھائیں گے۔ ان کا بھی ہاتھ تنگ ہی ہے۔ شادی کیے ابھی تین سال بھی نہیں ہوئے۔" جماہی لیتے ہوئے ہوتا بولا۔

چھوا ایک دم تیکھی ہو کر بولی "ہاتھ تنگ ہے تو کیا ہوا؟ یہ کوئی بار بار کرنا ہوتا ہے۔ اس دن کی راہ تو وہ بہت دنوں سے دیکھ رہے تھے۔"

ہوتا نے یہ سوچ کر کہ عورت ذات کی عقل کم ہوتی ہے بات آگے نہیں بڑھائی۔

شام کو کھیت سے رتنوا کی واپسی تک بیٹی مہینے سے ہو کر بیٹھی تھی۔ رتنوا نے آتے ہی سر پر سے کھانے کی ٹوکری اتاری' نہائی' پھر چولہے میں آگ جلائی۔ جھٹ پٹ جا کر آس پڑوس کی چار پانچ سہاگنوں کو نہلانے کے لیے بلا لائی۔ ہلدی کی گانٹھ پیس کر ابٹن بنایا اور تیل کی شیشی میں تھوڑا سا تیل

ڈال کر رکھ دیا۔ پانچ سہاگنوں نے مل کر تارا کو تیل لگا کر نہلایا۔ ہلدی لگائی۔ پٹری پر بیٹھا کر گیت گائے۔ اس دن گھر میں کھانا نہ پکنے کے رواج کی رو سے بوڑھی چانگلوا نے سوئیاں، کھیر اور چاول بنا کر اپنی بھتیجی کے ہاتھ بھیجے۔ دوسرے گھروں سے بھی تھالیوں میں کھانا آیا۔ یہ سب کرتے کراتے رات کے تین بج گئے۔ رتنوا بولی۔ "آج وہ کھیت گئے ہیں۔ اب کس کے ہاتھ سندیسہ بھیجوں۔ صبح ان کے آتے ہی چوگلوں کے گھر مٹھائی بھیجوں گی۔"

دھیرے سے تارا نے کہا "دن ڈھلے سسر جی آئے تھے۔"

"تب تو انھیں بھی پتہ چل گیا ہوگا۔" رتنا یہ سوچ کر بستر بچھا کر سو گئی۔ اس دن اسے بہت دیر تک نیند نہیں آئی۔ وہ سوچتی: بچی مہینے سے ہو رہی ہے۔ اگر نہ بٹھائیں تو لوگ کیا کہیں گے؟ اکلوتی بچی ہے حال ہی میں ہونے والی شادی کی وجہ سے ہاتھ خالی ہے۔ وہ لوگ یہ حالت دیکھ کر بھی تھوڑے سے خوش نہیں ہوں گے اور چمّی کا دماغ تو ہمیشہ ہی آسمان پر رہتا ہے۔ وہ بہت کچھ سوچنے پر بھی کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکی اور آخر یہ کہہ کر سو گئی کہ آخر وہ دونوں بھائی بہن ہیں۔ اپنے آپ نپٹ لیں گے۔

ادھر چموا بڑی دیر تک اس انتظار میں رہی کہ کوئی نہ کوئی کہنے آئے گا۔ لیکن نہ تو رات بھر کوئی آیا اور نہ ہی اسے نیند آئی۔ وہ منھ اندھیرے ہی اٹھ کر بھائی کے گھر گئی اور پوچھا "کل دوپہر کو لڑکی مہینے سے ہوئی، کسی کے ہاتھ ہمیں خبر بھیجنی چاہیے تھی۔"

"ہم بھی کیا کریں بہن، چیت کے دن ہیں۔ وہ روز کی طرح کھیت گئے ہوئے تھے۔ لڑکی دوپہر کو مہینے سے ہو گئی۔ سسر آ کر اسے دیکھ گئے تھے۔ ہم راستے کے کھیت میں ہی کام کر رہے تھے۔ انھیں ہمیں بتانا چاہیے تھا۔" رتنوا بولی۔

چموا جل بھن کر بولی "سبھی بڑے ہشیار رہیں۔"

رتنوا اسے آگے بولنے کا موقعہ نہ دیتے ہوئے بولی۔ "ابھی کھیت میں کہلا بھیجا تھا۔ وہ بھی کل سے وہیں تھے۔ ابھی آئے ہیں۔ پنڈت کو بلا کر مٹھائی بھیجیں گے۔"

"مٹھائی کیوں بھیجتی ہو ..... ؟ گاؤں میں خبر نہیں ہوئی کیا؟" چموا نے کہا۔ پھر کچھ رک کر تارا کی طرف گھور کر دیکھتے ہوئے بولی "لڑکی کو ایسے کیوں بٹھا رکھا ہے؟ چار عورتوں کو بلا کر نہلانے اور ہلدی لگوانے کا انتظام نہیں کر سکیں۔ کیا لڑکی مہینے سے ہوئی لگتی ہے؟"

"کل رات ہی نہلوا دیا تھا۔ تمہیں کیا معلوم نہیں ہے۔ میری بیٹی پہلی بار مہینے سے ہوئی، مجھے خوشی نہیں ہوگی؟ میرے کوئی دس بارہ بچے ہیں کہ مجھے فکر ہو کہ کیسے کروں گی؟" ذرا غصے سے رتنا بولی۔

"تو مجھ سے کس لیے چھپائے رکھا، بتایا کیوں نہیں؟" چموا ذرا حقارت سے بولی۔

"چھپانے کے لیے کیا ہے؟ وہ گھڑے کا منھ ہے۔ گاؤں میں ہونے والی کوئی بات بھلا چھپ سکتی ہے اور اگر آج چھپا بھی لیں تو کل کیا نہیں بھانا پڑے گا؟"

"اس لیے اچھی گھڑی دیکھ کر بٹھاؤ۔ باجے والوں کو بھی بلاؤ۔"

"بین بھانا اٹھانا کیا میرے ہاتھ میں ہے؟ ان کے آنے کے بعد ہی طے ہوگا کہ کیا کیا جائے۔"

"اس میں سمجھنے کی کیا بات ہے۔ جو ہوتا آیا ہے، وہ تو کرنا ہی پڑتا ہے۔ اسے کیسے چھوڑا جا سکتا ہے۔ اب اگر لڑکی ہمارے گھر میں مہینے سے ہوتی تو ہم بٹھاتے۔" چموا نے دکھاوے کے لیے کہا۔

اس کی بات اسی کے سر ڈالتے ہوئے رتنا بولی "کہیں بھی ہونے سے کیا ہوتا ہے۔ گھر تو دونوں ایک ہی ہیں۔ وہیں لے جا کر بٹھا لو۔ ہم لوگ آج کل تنگی میں ہیں۔"

چموا چڑھ کر بولی "اگر تم لوگوں سے نہیں ہو سکتا تو چھوڑو...... ہم بٹھا لیں گے۔ داماد کو کیا دو گے؟"

"لینا دینا میرے ہاتھ میں کہاں ہے بہن؟ تم دونوں سگے بھائی بہن ہو۔ ان کے آتے ہی ہاتھ پکڑ کر پوچھنا، داماد کو کیا دو گے؟"

"جب تمھارے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں ہے تو تم سے کیا بات کریں؟" کہہ کر چموا غصے میں بڑبڑاتی ہوئی باہر کی طرف چل پڑی۔

"ایسے غصہ کیوں کرتی ہو؟ جو کرنا ہے بتاؤ۔ ذرا تسلی سے کام کرو۔ مجھ پر بگڑنے سے کیا فائدہ۔ میں کیا کر سکتی ہوں۔ میں تو عورت ہوں۔" میٹھے لہجے میں بولتی ہوئی رتنا دروازے تک آئی لیکن چموا نے مڑ کر بھی نہیں دیکھا۔

6

"چوکی بنانے کی تیاری کے ساتھ ہی سب کام ہو گیا کیا؟" پوچھتے ہوئے سندر بائی نے گھر میں داخل ہو کر سر سے کھانے کی ٹوکری اتاری۔

اندر سے رتنا نے جلدی سے آکر ٹوکری پکڑتے ہوئے کہا "آؤ سندرا۔ اکیلی ہی آئی ہو؟ رامنا نہیں آیا۔ لڑکا بھی دکھائی نہیں دیتا۔" اس نے ذرا اتھلے منھ سے ایک ہی سانس میں سب کچھ پوچھ ڈالا۔

پھر کچھ رک کر پوچھا "پانی لاؤں ؟"

"ابھی نہیں۔ پیاس نہیں ہے۔ لڑکے کا نتیجہ آج نکلنے والا تھا اس لیے وہ نہیں آیا۔"

رتنوا بیچ میں ہی بول پڑی "کل شام کو گود بھرنی ہے۔ میں نے یہ بات پہلے ہی کہلا بھیجی تھی۔ ویسے بھیا شادی میں بھی نہیں آیا تھا اور اب بھی نہیں آیا" پھر ساڑھی سے آنسو پونچھ کر بولی "بھلا وہ غریبوں کے گھر کیوں آئیں گے بہن ؟"

"نہیں وہ کل صبح لڑکے کو سائیکل پر بٹھا کر ساتھ لائیں گے۔ اگر آج ہم دونوں ہی چلے آتے تو گھر اور دوکان کون سنبھالتا ؟" سندرا نے تسلی دی۔

"اب گاڑی میں نہیں آئے۔ معلوم نہیں کل کیسے آجائیں گے۔ انھیں تو ہمیشہ گھر اور دوکان ہی کی فکر رہتی ہے۔ ہماری کیا پرواہ !" رتنوا نے پھر بے اطمینانی ظاہر کی۔

رامنا رتنوا کا بڑا بھائی تھا۔ تھوڑا بہت پڑھا لکھا بھی تھا۔ اینا پور میں اس کی چھوٹی سی پرچون کی دوکان تھی۔ ساتھ ہی باپ دادا کی کچھ زمین بھی تھی۔ زمین کی فصل اور دوکان کی آمدنی سے گرہستی آرام سے چل رہی تھی۔ رتنوا اس کی اکلوتی بہن تھی۔ بھانجی کے بیاہ پر بھی وہ نہیں آسکا تھا۔ صرف بیوی اور بیٹے کو بھیج دیا تھا۔ اس بار آنے کی سوچ رہا تھا۔ جو گاڑی اسے بلانے کے لیے گئی تھی اس میں اس نے اپنی بیوی سندرا بائی کو بھیج دیا تھا۔ یہ گفتگو اس وقت کی ہے۔

"صرف دیکھنے بھر کو کل آئے گا کیا ؟ اب میں کیا کہوں ؟"

اتنے میں اندر سے آکر تارکا بولی "اننت نہیں آیا ؟"

سندرا بائی نے اسے مڑ کر دیکھا۔ اس نے تارکا کو اب سے ڈھائی سال پہلے شادی کے موقع پر ہی دیکھا تھا۔ اب اس میں وہ بچپن نہیں رہ گیا تھا۔ اس کے انگ انگ سے جوانی جھانک رہی تھی۔ پہلے اس کے جسم کا رنگ لیموں ایسا تھا۔ اب ہلدی لگنے سے چمکدار ہو گیا تھا۔ عورت ہونے کے باوجود سندرا نے اسے ایک لمحے کو غور سے دیکھا "کتنی ہلدی پوت رکھی ہے جسم پر بیٹی ؟ باہر آنے جانے کے لیے ہلکی سی لگالی ہوتی" پھر کچھ رک کر مذاق کرتے ہوئے ہنس کر بولی "تم میاں بیوی نے مل اور رتنا کو لوٹ لینے کی ٹھانی ہے کیا ؟"

تب رتنا بولی "اب تم کچھ کہہ کر جھگڑا نہ مول لے بیٹھنا بہن۔ میں پہلے ہی ایک بات کہہ کر بدنام ہو چکی ہوں" اس کا گلا خشک ہو چلا تھا۔

"کیوں کیا ہو گیا ؟" سندرا نے تعجب سے پوچھا۔

"وہ کچھ بھی نہیں۔ میں نے کہا تھا۔ ہمارے گھر میں شادی ہو گئی۔ اب تم لوگ اپنے گھر میں گونا کرو۔ داماد

کو جو دینا لینا ہوگا وہ ہم کر لیں گے۔ اب ہمارے گلے میں پھندا نہ ڈالنا۔"

سندر وا بیچ میں ہی ہاتھ مٹکا کر طنز سے بولی "ہمیشہ تم میاں بیوی ایسے ہی کہتے ہو۔ ویسے دل میں تو یہی راہ دیکھ رہے تھے کہ لڑکی کب مہینے سے ہو اور کب بٹھائیں۔"

"بٹھانے کو دل تھا تو بٹھائیں گے نہیں کیا؟ ہم چپ چاپ خرچ اٹھاتے رہتے تھے لیکن انھوں نے اپنی ضد نہیں چھوڑی۔"

"ضد کرنے کی اس میں کون سی بات ہے؟" پھر کچھ رک کر بولی "کہیں بھی بٹھائیں۔ داماد اور بیٹی کو جو دینا لینا ہے وہ تو دینا ہی ہے اس میں کیا ہے۔ اس وقت سارے گاؤں کو کھانا دیا تھا۔" پھر نندا کے دل کو ٹٹولنے کی غرض سے اس نے ایک بات چھیڑ دی "جو بھی ہو، بیٹی اور داماد ہی کو تو سب ملنا ہے آخر میں۔"

رتنوا لمبی سانس لے کر مایوسی سے بولی "اب تمھیں باقی رہ گئی تھیں یہ کہنے کو۔"

"میں نے ایسا کیا کہہ دیا ہے۔ لڑکی کے لیے تو یہ سب کرنا ہی تھا۔" سندر وا نے کہا۔ پھر تارا کی طرف دیکھ کر بولی "کیوں بیٹی تارا؟" رتنوا نے دل ہی دل میں کہا "سب ایسے ہی کہا کرتے ہیں۔ ان کے میاں نے بھی ہمارے لیے کیا کر دیا؟" پھر ماتھے پر بل ڈالتی ہوئی بولی "ہم اسی لیے کہہ رہے تھے کہ نپیت بیت جائے۔ کچھ قرض اتر جائے۔ ہاتھ میں پیسے آنے پر کچھ کرنے کے خیال سے ہم نے آگے بڑھا دیا تھا۔" اس کا دل اس وقت بات کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ پھر بھی صرف برائے گفتگو ہی اس نے بات کہی۔ "لیکن ساتھ ہی وہ یہ کہے بغیر بھی نہ رہ سکی "لینے کے لیے تو ہر آدمی آگے قدم بڑھاتا ہے۔ ایک ساڑھی دے کر دو مانگتے ہیں۔ پر ہمیں کون کچھ دیتا ہے؟"

سندر وا کے چہرے پر سیاہی کے سائے ابھر آئے، پھر بھی وہ بولی "جتنا جس کے نصیب میں ہوتا ہے اتنا ہی لیتا ہے۔ اس کے نصیب میں ہے تو اس کو ملے گا۔ آپ کی قسمت میں نہیں تھا" پھر بات بدل کر بولی "کھانا پو پھٹنے سے پہلے باندھا تھا۔ بہت دیر ہو گئی۔ ذرا اسے کھول کر رکھ دیں تو ہوا لگے۔"

"اس میں کھولنے کو کیا ہے۔ گھر میں شور مچا رکھا ہے۔ رسوئی میں کام کرنے والے نوکر کو دو نا!"

لیکن سندر وا "جو مرضی ہو سو کرو" کہتے ہوئے وہیں بچھے ہوئے کمبل پر 'باپ رے' کہتے ہوئے لڑھک سی گئی۔

رتنوا نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا "باپ رے کیوں کر رہی ہو۔ کچھ ٹھہر گیا کیا! کتنے دن چڑھ گئے؟"

سندر بائی نے حیا سے اقرار کیا "کچھ نہیں۔ ایسے ہی ٹھہر جاتا ہے کبھی کبھی، دو دو مہینے۔"

"اس بار ٹھہر جائے گا۔ پانچ چھ سال تو ہو گئے اس لڑکی کو مرے۔ ہو کر بھی نہ ہونے کے برابر رہا" یہ کہتے ہوئے وہ اندر چلی گئی لیکن پھر کچھ یاد کر کے باہر آئی اور بولی "تمھیں تو دوپہر کو چائے پینے کی عادت ہے اور آج تمھیں چائے ملی بھی نہیں ہوگی۔" رتنوا پھر اندر جا کر کام میں مصروف ایک رشتے دار لڑکی سے بولی "بیٹی ذرا دو کپ چائے تو بنا۔"

ادھر سندروا نے کچھ تکلف کے ساتھ یہ جواب تو دے دیا "نہیں ایسا تو نہیں۔ راستے میں بسیا نے میرے لاکھ منع کرنے پر بھی 'امرگنجی' ہوٹل سے ایک پیالہ چائے لا دی تھی۔" لیکن اس کا جی ایک گرم گرم پیالے کے لیے للک رہا تھا۔ اس لیے کچھ رک کر بولی: "ہوٹل کی چائے بھی کوئی چائے ہوتی ہے۔ گرم پانی جیسی۔" اتنے میں اندر سے ایک لڑکی آئی۔ اس کے ہاتھ میں ہلدی کی کٹوری تھی۔ پلنگ پر بیٹھی تارا کا ہاتھ پکڑ کر ہلدی لگاتے ہوئے بولی "اپنی مامی سے ہلدی تو لگوا لو۔"

اندر سے رتنوا بولی: "یہ اتنی روٹیاں کیوں بھر لائی۔ ایسے ہی چلی آتی۔ اتنا کچھ پکا کے لانے کی کیا ضرورت تھی" پھر کچھ رک کر بولی "ارے چاول کا آٹا بھی لائی ہو۔"

"یہ بھی وہیں پکانے کے خیال سے صاف کر کے پسوا لیا تھا۔ لیکن انھوں نے کہا اتنا سب یہاں کیوں بنا رہی ہو۔ وہاں چار چھ آدمی تو بنانے والے ہیں ہی۔ تم ایسے ہی لے جاؤ۔ وہیں بنا لینا۔ یہاں بھی تو پکانا ہی تھا۔ یہی سوچ کر لے آئی۔" سندروا نے بتایا۔

شام ہوتے ہوتے گھر میں آنے والوں کا تانتا بندھ گیا۔ پتہ ہی نہیں لگتا تھا کہ کس نے کھانا کھایا اور کس نے نہیں کھایا۔ تارا کی گود بھرنے کی رسم کل ہی پوری ہوئی تھی۔ اس لیے گاؤں کے وہ لوگ جن کے یہاں سے تارا کے لیے اب تک کھانا نہیں آیا تھا وہ اب کھانا بھیج رہے تھے۔ بلّی اپنی عادتوں کی وجہ سے سارے گاؤں کو پیارا تھا۔ چاہے کسی بھی گھر میں شادی ہو بلّی تحفے بھیجے بغیر نہ رہتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ان پانچ چھ دنوں میں لوگ اس کے گھر آٹے یا اناج کی شکل میں مسلسل توشے بھیج رہے تھے۔ بلّی کو یہ بھی معلوم تھا کہ گود بھرائی کی رسم کے وقت گاؤں کے لوگ کپڑے اور پھل وغیرہ دیے بغیر نہیں مانیں گے اس لیے دوسرے دن سارے گاؤں کی دعوت ضروری تھی اور پھر اخراجات اس کے بس کی بات نہ رہیں گے۔ اس وجہ سے بلّی چاہتا تھا کہ شوبھن (گونے) کی رسم اس کے یہاں نہ ہو۔ لیکن اس کے ان خیالات کی دوسروں کو کیا پرواہ تھی، ایسے موقعوں پر تو بڑے بڑے بزرگوں کی خواہش ہوتی ہے کہ دو دن رہ کر کھا پی کر اور اپنی ذمہ داری نپٹا کر ہی جایا جائے۔ بچوں کو اچھے کھانے کی خواہش اور عورتوں کی نئے نئے کپڑوں کی تمنا اور اسی طرح سارے گھر میں خوشی کا دور دورہ تھا۔

ہلکا سا اندھیرا ہو چلا تھا لیکن رتنوا اب تک گلی میں لوگوں کو بلا بلا کر کھانا کھلانے میں لگی ہوئی تھی۔

باہر باجے والوں کو کھانا بھیجنے کا کام بھی اسی کا تھا۔ اتنے میں شوبھن گانے والی پانچ چھ عورتیں آپہنچیں۔ ان کو بھی ان کے انکار کرنے کے باوجود اصرار کر کے کھانا کھلایا گیا۔ اسی بیچ میں ان نے باہر کام کرنے والے باسپا کو گانا سننے کی دعوت دینے کے لیے لڑکے والوں کے یہاں بھیجا۔ اس گڑبڑ میں پنڈت تونپا کو بھی اپنا کام ختم کرنے کی جلدی پڑی ہوئی تھی۔ وہ دسترخوان کی رسم کا باقی کام بھی جلدی نپٹانا چاہتا تھا۔ ادھر جوان لڑکیاں تارکا کو سجانے سنوارنے میں لگی ہوئی تھیں۔ کچھ لوگ دیابتی کے کام میں لگے ہوئے تھے لیکن تارکا کو صرف یہ فکر ستا رہی تھی کہ شوبھن میں یہ لوگ چھیڑ چھاڑ کریں گے۔ اس ادھیڑبن میں اسے یہ بھی پتہ نہ چلا کہ کون آیا، کون گیا اور کس نے کیا گایا۔

گانا ختم ہونے پر چموا نے پوچھا "کب آئی سندرا؟"

"ابھی دن ڈھلے" سندرا بولی۔ پھر کچھ رک کر اس نے پوچھا "دھوم دھام سے کام شروع کر دیا!"

"ایسے کام کوئی بار بار ہوتے ہیں۔ زندگی میں ایک آدھ ہی ایسا موقع آتا ہے۔ ایسے میں بچوں کی خوشی ہم نہ دیکھیں تو اور کون دیکھے گا؟"

"ٹھیک تو ہے بہن۔ لڑکی کے لیے کون سی ساڑھی لائی ہو؟" سندرا نے باتوں باتوں میں پوچھا۔

"ارے لڑکی کی ساڑھی کا کیا پوچھتے ہو پہلے بتاؤ داماد کے لیے کیا لائے ہو تم لوگ؟" ایک عورت نے منھ آگے کر کے پوچھا۔

"وہ مجھے نہیں معلوم کیا کیا لائے ہیں یہ لوگ۔ میں تو آج ہی آئی ہوں بہن" بجھی سی آواز میں سندرا بولی۔

"لو! پوچھنے سے کیا ہو گیا۔ اس میں ایسی کون سی بات ہو گئی۔ ساس کی طرف سے جیسی بھی ساڑھی آجائے گی، کیا وہ یہاں رہ جائے گی۔ جائے گی تو ساس کے گھر ہی۔ بھلا اپنی بہو کے لیے ایسی ویسی ساڑھی کیوں لائیں گے؟" ایک اور عورت ذرا سنجیدہ لہجے میں بولی۔

"لین دین حقوق کے مطابق ہونا چاہیئے" چموا آگے آکر بولی۔

"اس میں حق کی کیا بات ہے۔ جہاں دو برتن ہوں گے ٹکرائیں گے ہی۔ ایک دوسرے سے مل کر رہنا چاہیئے" ایک عورت نے کہا۔ پھر تارکا کی طرف اشارہ کر کے بولی "سونے کی مورت جیسی بیٹی دے رہے ہیں اس سے بڑھ کر سونا کون دے گا؟" ان باتوں سے سندروا نے بیچ بچاؤ کرنے کی تاکید کی۔

"وہ تو ہے ہی۔ لیکن چار آدمیوں کے سامنے دکھانے لائق چیز تو ہونی چاہیئے۔ کوئی بھی کیوں نہ ہو" چموا نے بات ختم کی اور پھر "اندھیرا ہونے کو ہے" کہہ کر چل پڑی۔ اس کے ساتھ آئی گانے والی عورتیں بھی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

اندھیرا ہونے کے ساتھ باہر کا شور و غل بھی کچھ کم ہوا باہر مل سب کو کل کی ذمہ داریوں سے آگاہ کر رہا

تھا۔ گانے والی عورتیں پان سپاری لے کر چل پڑیں۔ رتنا نے بھی' سب کو کل جلدی آنے کے لیے کہہ کر اپنی ذمہ داری پوری کی۔

"اچھے اچھے گانے یاد کر کے آنا۔ دوسرے گاؤں کے لوگ بھی آئیں گے۔" سندروا نے عورتوں کو سمجھایا۔ پھر تارکا کی طرف منہ کر کے بولی "تم بھی اب سو جاؤ۔ کل رات بہت دیر تک بیٹھنا پڑے گا' اپنے راجا کو دیکھنے کے لیے۔" تارکا تخت سے اترتے ہوئے' پھر بھی یہ کہے بغیر نہ رہ سکی "اننت کے بغیر گھر خالی خالی سا لگتا ہے۔"

دوسرے دن رامپا اننت کو ساتھ لے کر آ پہنچا۔ بھائی کو دیکھ کر رتنا کی آدھی فکر جاتی رہی۔ اس نے سوچا اب بھائی سب سنبھال لے گا۔ اسے منہ ہاتھ دھونے کے لیے پانی دیا۔ پھر کچھ کھانے کے لیے دے کر چائے کی پیالی لائی۔ بعد میں بیچ کے کمرے میں بیٹھ کر دونوں بھائی بہن نے آرام سے باتیں کیں۔ آخر میں رتنا نے بھائی کے سامنے کپڑوں کی ایک گٹھری لا کر رکھی اور اسے کھول کر بھائی سے اس کی قیمت کا اندازہ لگانے کے لیے کہا۔

رامپا نے کپڑا ہاتھ میں اٹھا کر اوپر نیچے دیکھ کر کہا "ستر بہتر کے درمیان کا ہو گا۔"

اس کی بتائی قیمتیں تقریباً ٹھیک ہی تھیں۔ اس لیے رتنوا نے پھر اوڑھنے کے دوپٹے دکھاتے ہوئے اس کی قیمت پندرہ روپے بتائی۔ پھر چار انگوٹھیاں نکال کر بھائی کے ہاتھ پر رکھیں۔ رامپا نے انگوٹھیاں ہاتھ میں لے کر پوچھا "یہ چار کیوں بنوائیں؟"

دو ہی بنوانے پر بڑی ہو گئی تھیں اور تین بنوانی نہیں چاہئیں' اس لیے چار بنوائیں۔" رتنا نے وجہ بتائی۔

ٹھیک ہے۔ پہلے تین دینا۔ اس پر بھی خوش نہ ہوں تو چار دے دینا۔" رامپا نے ترکیب بتائی۔

"اب تم آ گئے ہو' ہماری مشکلیں حل ہو گئیں۔ یہ سامان ہے' تم ہو' جیسے چاہو داماد کو خوش کر کے بھیجو۔"

"خوش کرنے کا کیا ہے۔ اتنا لینے پر' خوش ہو کر ناچتا ہوا نہیں جائے گا کیا؟ یہی کون سا انعامدار ہے اکڑنے کو۔"

رتنا کو بھائی کی بات سچ لگی "لیکن اس کی ماں کی امیدیں بہت زیادہ ہیں۔" کہتے ہوئے وہ اندر کھانے کے انتظام میں لگی سندرا سے بولی "بھیا کے لیے الگ کھانا پکواؤ۔ وہ یہ کھانا نہیں کھا پائے گا۔"

رامپا کچھ فخر سے بولا۔ "الگ کیوں؟ اسی سے کام چل جائے گا۔ میرا کھانا گاؤں بھر سے الگ کیوں بنے؟ شادی کے گھر میں آخر یہ سب کیا ہے؟"

"نہیں۔ کچھ گورا لوگ بھی کھانا کھانے آئیں گے۔ اندر بھی آٹھ دس آدمیوں کا کھانا پکے گا۔"

ہونا بھی' بھائیوں' رشتے داروں اور دوستوں کو سمدھی کے گھر کی دعوت کے لیے کہتا پھر رہا تھا۔ اس

کے ساتھ ان لوگوں کی طرف سے اننت گیا تھا۔ اننت چندور آیا تھا تو اس شوق سے کہ وہ تارکا سے ڈھیر ساری باتیں کرے گا اور کہانیاں سنائے گا۔ لیکن اسے مایوسی ہوئی۔ اس بار تار کا پہلے جیسی نہ تھی۔ ہمیشہ سنجیدہ سی رہتی تھی۔ یہ بات نہیں کہ وہ اننت کے ساتھ پیار بھرا سلوک نہ کرتی ہو۔ اسے اننت سے بہت پیار تھا۔ لیکن چاہتے ہوئے بھی اننت سے پہلے کی طرح منھ کھول کر بات نہ کر پاتی تھی۔ اب اس کے ماں باپ اسے "بڑی ہوگئی" کہتے تھے۔ تارکا اپنی محبت کا اظہار زیادہ باتیں کرنے کی بجائے اس کی قمیضوں میں بٹن لگا کر اندر سے نئی قمیض نکال کر اور اسے کھانا کھلا کر کرتی تھی۔

دوپہر کو بھی لوگ مل کے گھر دعوت کھانے آئے۔ ان میں صرف چوگلوں کا بھیپا نہیں تھا۔ گھی نکالتی ہوئی رتنا نے یہ بات محسوس کر لی۔ اس کے ذہن میں تشویش کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اس نے ہونا کو بلا کر پوچھا "بھیپا نہیں دکھائی دیے"۔

"وہ کھیت پر ہے۔ بعد میں آجائے گا"۔

"انھیں، جاتے ہی کھانے کے لیے بھیجیے۔ بھولیے گا نہیں"۔

ہونا یہ دیکھ کر کہ سہدھن ہر شخص کا کتنا خیال رکھتی ہے دل ہی دل میں بہت متاثر ہوا۔

ان لوگوں کے کھانے کے لیے جانے کے بعد بھرما گھر میں اکیلا تھا۔ وہ اس وقت کھانا کھانے نہیں جاسکتا تھا۔ داماد تھا نا۔ مہورت کے وقت ہی سسرال جا سکتا تھا۔ اس لیے گھر میں اکیلا بیٹھا تھا۔ تب بھیپا کھانستے ہوئے، دھیرے سے اندر آیا۔ بھیپا کو دیکھ کر بھرما نے حیرانی سے پوچھا "کیوں کاکا؟ تم کھانا کھانے نہیں گئے"

"مجھے کھیت سے آنے میں کچھ دیر ہوگئی۔ سب چلے گئے کیا؟ جانے دو"۔ اس نے نہ جانے کا سوچا سمجھا بہانا بتایا۔

بھرما اس کے دل کی بات جانے بغیر بولا "ابھی تو کھانے کے لیے لوگ بیٹھے بھی نہیں ہوں گے۔ تم بھی جاؤ"۔

"اب جانے دو۔ اسے جانے کے برابر ہی سمجھو"۔ کمبل پر بیٹھتے ہوئے اس نے اپنائیت سے پوچھا "تمھارے ماما تمھیں کیا کیا دے رہے ہیں بھیا؟"

بھرما نے مڑ کر اسی سے پوچھا "اس پر کوئی بات چیت نہیں ہوئی کیا؟"

"بات چیت نہ کرنے ہی سے کیا ہو گیا۔ پانچ چھ تولے سونا تو دے گا ہی۔ چار تولے کا کڑا اور ایک آدھ تولے کی انگوٹھی نہیں بنوائی ہو گی کیا؟" بھیپا نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ صرف چار انگوٹھیاں ہی بنوائی گئی ہیں آگ لگائی۔ "اتنا تو دیں گے ہی"۔ بھرما چپ چاپ سنتا رہا۔ بھیپا نے مزید کہا۔

"کیسے پاگل ہو تم۔ میں نے سنا ہے کپڑے بنوا لیے ہیں" بھر کچھ رک تیوریاں چڑھا کر بولا "صرف

انگوٹھیاں پہن کر دیدی (چو کی) سے نہ اٹھ جانا" پھر دھیرے سے بولا" ایسے داماد اور ایسے گھر کے لیے سات آٹھ تولے سونا کوئی زیادہ نہیں ہے۔ اگر باہر سے لڑکی لاتے تو دس تولے سونا ڈالنے کے بعد بھی ہاتھ باندھے کھڑے رہتے۔" بھیپا نے ایسی بہت سی نامعقول باتیں بھرما کو پڑھائیں۔

کاکا کی یہ باتیں سن کر بھرما بھولے نہیں سمایا۔ اس کا چہرہ کھل اٹھا۔ پہلے اس کا خیال تھا کہ اس کا گھر صرف آسودہ حال ہی ہے لیکن اب کاکا سے یہ بھی پتہ چلا اس کا گھرانہ بھی بڑا ہے۔ گاؤں میں ان کی بڑی عزت ہے۔ ماما کو بھی مناسب عزت افزائی کرنی چاہیئے اور ہو گی بھی۔ یہ اور اس قسم کے دیگر خیالات اس کے دماغ میں اُمڈ رہے تھے۔ مکار بھیپا نے اس کا اندازہ لگا کر کہا" گود بھرتے وقت میرے کہنے پر چلنا سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

اسی اثنا میں لوگ کھانا کھا کر واپس آنے لگے۔ ہوتا نے بھیپا کو دیکھتے ہی کہا" تم کھانا کھانے نہیں گئے بھم؟ میں تمھارے گھر دوبار گیا تھا۔ تم ملے نہیں۔ رتنا نے تمھیں بلایا ہے۔ جاؤ کھانا کھا آؤ۔"

" کوئی ضرورت نہیں مجھے۔ بس کھانا کھایا ہی سمجھیے۔ ابھی آیا تو یہیں بھرما سے بات کرنے بیٹھ گیا۔" جموا نے" رہنے دو۔ یہیں کھالے گا۔ بھرما کے لیے تھالی بھر کے کھانا آیا ہے۔ کیا وہ سارا کھائے گا؟" کہتے ہوئے اسے کھانے پر بلایا۔

لوگوں کے کھانے پینے میں وقت گزرنے کا خیال ہی نہیں رہا۔ اور اب لوگ، پنڈت کے یہ کہنے پر کہ" جلدی کیجیئے، اگلے دو گھنٹے میں مہورت ہے" جلدی جلدی کام نپٹا رہے تھے۔ نوکروں کا کھانا تو ہوتا رہے گا۔ باجے والوں کو کھانا کھلا کر داماد کو بلانے کے لیے تیار کرنے کی سوچ گئی مل نے نوکر کے ہاتھ گھوڑی منگوائی۔ پنڈت اور کچھ بزرگ داماد کو لینے گئے۔

اندر رتنا نے بھابھی سے بیٹی کو سجا کر بیچ پر بٹھانے کے لیے کہہ کر، نوکر کو گانے والیوں کو بلانے بھیجا۔ دو ایک آدمی بیٹھنے کے لیے دری بچھانے لگے۔ ایک پنڈت اندر گود بھرائی اور داماد کو دیے جانے والے سامان کو باہر نکال کر تخت پر رکھنے کی جلدی کرنے لگا۔ بعد میں اس نے دیوں میں تیل ڈالنے کے لیے بھی کہا۔ اس دوران پھولوں کا ہار بنا کر تارکا چپ چاپ تخت پر آکر بیٹھ گئی۔ گانے والی عورتیں بھی آگئیں۔ دو بڑی لڑکیاں آکر تارکا کے کان میں چپکے سے بتا گئیں کہ کس طرف اور کیسے بیٹھنا چاہیئے۔ راجپا زری کی پگڑی اور کوٹ پہنے سارے انتظامات کی دیکھ بھال کرتے ہوئے برآمدے میں چکر لگا رہا تھا۔ اننت سب کچھ دیکھنے کے لیے تارکا کے پاس تخت کے کونے پر آکر بیٹھ گیا۔ سندروا نے ایک بار کہا: "ادھر آؤ، تم اُدھر کہاں بیٹھنے چلے۔ اب اس کا شوہر آ رہا ہے۔" اننت کے نہ آنے پر اس نے مذاق اور دلار کے ساتھ کہا" تم جو اتنے پاس جا کر بیٹھے ہو، کیا وہ تمھاری بیوی ہے؟"

"اب بیٹھنے سے کیا ہو جائے گا؟" انتت نے ضد سے کہا۔

"اجڈ کہیں کا۔ بلانے پر بھی نہیں آتا۔" کہہ کر سندر وا خاموش ہو گئی۔ اتنے میں لوگ باجے گاجے کے ساتھ داماد کو لے آئے۔ بچے پہلے ہی اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ چکے تھے۔ بڑے بوڑھے لوگ بھی مناسب جگہوں پر بیٹھ گئے۔ بھرمیا تارکا کی بائیں جانب تخت پر جا بیٹھا۔ اس نے تھالی میں رکھے جہیز کے سامان کو غور سے دیکھا۔ ایک قریبی رشتہ دار عورت نے تارکا کی ساڑھی اور اس کی گود بھرائی کا سامان لاکر رکھا۔ اب پنڈت نے کہا۔"اندر جائیے۔ لڑکی کو ساڑھی بدلوا کر لائیے۔"

سندر وا نے آگے آکر ساڑھی ہاتھ میں لی اور روشنی میں اسے نیچے اوپر سے دیکھا اور ایک کونا نکال کر پلو کا جائزہ لیا۔ تارکا آہستہ سے اٹھ کر اندر گئی۔ بھرما نے اپنے لیے لائے گئے کپڑوں کا غور سے جائزہ لیا اور پھر پنڈت کی طرف دیکھنے لگا۔ داماد کے دل کی بات بھانپ کر پنڈت بولا "یہی نہیں۔ ابھی اور بھی چیزیں آنے والی ہیں۔ تم گھبراؤ نہیں۔"

وہیں چکر لگاتے ہوئے، رامپا نے تین انگوٹھیاں نکال کر پنڈت کے ہاتھ میں دیں۔ تو پنڈت یہ کہہ کر "دیکھنا' انگوٹھیاں بھی آگئیں۔ ایک ساتھ تین!" اور پھر وہ بھرما کو ایک انگوٹھی پہنانے لگا۔ بھرما نے انگلی نہیں دی اور پاس ہی بیٹھے بھیپا کو دیکھا۔ پنڈت مذاق کرتے ہوئے بولا۔"ابھی سے کیوں پہننے لگا۔ بیوی کے آنے کے بعد پہنے گا" پھر عورتوں کی طرف گھوم کر بولا" آپ لوگ خاموش کیوں بیٹھی ہیں۔ شوبھن کا گیت گائیں۔"

گانے کے لیے تیار عورتوں میں سے دو میٹھی دھن میں گانے لگیں اور دو سنگت دینے لگیں۔ گانا ختم ہوا۔ موسیقی میں کھوئے ہوئے لوگوں نے بھرما کی طرف نظریں گھمائیں تو دیکھا کہ تارکا بھی اس دوران اس کے پاس آکر بیٹھ گئی ہے۔ عورتیں اب دوسرا گانا شروع کرنے لگیں۔

لوگ اسی کے انتظار میں تھے۔ پنڈت نے سب کو ٹوکتے ہوئے کہا" مہورت کا وقت نکلا جا رہا ہے پہلے سب لڑکی کی گود میں پھل بھریں۔ بعد میں آپ لوگ اطمینان سے بے شک صبح تک گاتی رہنا۔ کوئی آپ کو منع نہ کرے گا۔"

چنوا نے اعتراض کیا" گود میں پھل ڈالنے سے پہلے داماد کو نذرانہ بھی تو پیش کریں۔"

پنڈت بولا"میں تو یہ سب پہلے ہی سے کہہ رہا ہوں۔ مگر مجھ سے بن نہیں پا رہا۔"

رامپا نے داماد سے چار اچھی باتیں کہہ کر چوتھی انگوٹھی بھی پیش کر دی۔

جب بھرما کا غصہ اس سے بھی کم نہیں ہوا تو رتنوا نے خود آگے بڑھ کر" یہ سب کیا اتنے میں ہی ختم ہو گیا ابھی تو بھگوان کی دیا ہے۔ بچے وچے بھی ہونے ہیں۔ پھر بھی تو دینا ہی دینا ہے۔" داماد کو مستقبل قریب کی

امید دلاتے ہوئے کہا۔

کہیں لڑکا ساس کی بات نہ مان لے' یہی سوچ کر چھوا' بولی "تب کی تب دیکھی جائے گی۔ تم اب کی بولو۔"

مَلّ بولا: "جب بھی ہو' سب کا سب ہمیشہ انھیں کا تو ہے۔"

اتنا ہونے پر بھی داماد کا غصہ نہ اترا۔ تب ایک پرانے بزرگ نے اٹھ کر بات کو وہیں نمٹانے کے انداز میں کہا "بات ختم ہو گئی۔ اب رسم پوری کرو۔"

مَلّ نے بھی کہا "بھئی اب اور غصہ نہیں کرنا چاہیے۔" پھر پنڈت جی سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا: "اب اپنا کام آگے بڑھائیے' پنڈت جی!"

جب "بھرما تیار ہو جاؤ بیٹے" کہنے پر بھی راضی نہ ہوا تو مَلّ نے سمجھایا: "اتنی سی بات کو اتنا طول نہیں دینا چاہیے۔ آدمی کو اور بھی ایسی کتنی ہی باتیں دیکھنی پڑتی ہیں۔"

مگر بھرما پر کسی بات کا کوئی اثر نہ ہوا۔

آخر میں خود ہوتا کے کہنے پر پنڈت نے تارا کی گود میں پھل ڈال کر رسم پوری کر دی۔ چھوا نے البتہ بیٹے کو گود میں پھل ڈلوانے کے لیے نہیں کہا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کے بیٹے کے لائق جہیز نہیں دیا گیا۔ جو کپڑے وغیرہ دیے جا رہے ہیں ان سے تو مشکل سے پوجا کی رسم ادا ہوتی ہے۔

7

تارا کو شوہر کے گھر آئے چھ مہینے گذر گئے تھے۔ پہلی بار آنے پر ساس نے جو پیار دکھایا تھا وہ اب نہیں رہا تھا۔ یہ سب دیکھ کر ہوتا من ہی من دکھی ہوتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ کچھ دن کے بعد بیوی کا دل پسیج جائے گا۔ مگر جوں جوں وقت گذرتا گیا اس کی آس' نا امیدی میں بدلتی گئی۔ خوب غور و فکر کے بعد ایک دن اس نے بیوی کو بلا کر سمجھایا۔ "تارا ابڑن ہو گئی ہے۔ شادی تک وہ چھوٹی لگتی تھی۔ گونے کے بعد وہ بھرپور عورت ہو گئی ہے۔ لڑکا بھی بڑا ہوتا جا رہا ہے۔"

چھوا نے اسے آگے بولنے نہیں دیا۔ تیوریاں چڑھا کر بولی "تم نے بہو کو سر پر چڑھا رکھا ہے۔ بیٹی

کے ساتھ بٹھا کر، خوب سے خوب تر کھلانے پلانے سے وہ بڑی نہیں ہو گی۔ اس کے قریب کھڑا ہونے پر لڑکا نسبتاً ذرا سا لگتا ہے"

"یہ بات اب کیوں کہہ رہی ہو؟ یہ رشتہ طے کرنے کے لیے تم سے پہلے کس نے کہا تھا۔ تب کیوں نہ کہہ دیا کہ لڑکی لڑکے سے بڑی ہے" ہوتا نے بنیادی بات اٹھاتے ہوئے کہا۔

چھوا بولی "میں نے کیا ہے اور اسے ٹھیک بھی میں ہی کر دوں گی۔ تم بہو کی اتنی طرفداری کیوں کرتے ہو؟"

کچھ دیر سوچنے کے بعد ہوتا نے پوچھا "گھر میں سبھی اس کے ساتھ تم جیسا ہی سلوک کریں تو وہ کیسے رہ سکتی ہے۔"

چھوا نے کوئی جواب نہ دیا۔

گھر میں جب بیٹی اکیلی تھی تو چھوا نے اسے بلا کر سمجھایا "آج سے تم تارکا کے ساتھ کھانے کے لیے نہیں بیٹھو گی۔"

ماں کی بات سن کر وہ چھوٹی سی لڑکی کشمکش و پیچ میں پڑ گئی۔ وجہ جاننے کے لیے اس کے منھ سے اچانک نکل پڑا "کیوں؟"

"اس کے ساتھ کھانے سے نظر لگتی ہے اور پیٹ میں درد ہوتا ہے۔"

لڑکی کو جب اتنی سی بات سننے سے یقین نہیں آیا تو اس نے مزید کرید تے ہوئے پوچھا "کون کہتا ہے؟"

چھوا کی آواز کے بدلے تیور دیکھ کر بچی ڈر گئی۔ اکتائی ابھی چھوٹی بچی تھی۔ مزید پوچھنے کا حوصلہ اسے نہ ہوا۔ شام ہونے کو ابھی دیر تھی۔ چھوا نے لڑکی کو بلا کر کھانا دیا۔ بعد میں باقی سب لوگوں نے بھی کھانا کھایا۔ تارکا کے لیے ایک تھالی میں چند سوکھی روٹیاں رکھ دی گئیں۔ باقی کھانا اٹھا کر الگ رکھ دیا۔ تارکا کے کام سے لوٹنے پر "اندر جا کر کھانا کھائے" کہہ کر وہ خود برآمدے میں چلی گئی۔

روزمرہ کی طرح "تم نہیں کھاؤ گی اکتا؟" کہتی ہوئی تارا اندر چلی گئی۔ اس کے جواب دینے سے پہلے ہی چھوا سختی سے بولی "اس نے کھا لیا ہے۔ تم کھالو، تھالی میں پروس کر رکھا ہے۔"

تارکا نے آگے کچھ نہ کہا۔ جو کچھ تھالی میں پروسا ہوا تھا کسی طرح چپ چاپ نگل گئی۔ اس روز ساس کا یہ رویہ اسے کچھ عجیب سا لگا۔ سب سے بڑھ کر دکھ اسے اس بات کا تھا کہ اس سے پہلے اس نے کیلئے کبھی کھانا نہ کھایا تھا۔

اس دن کے بعد تارکا کے حصے کا کام روز بروز بڑھتا ہی چلا گیا۔ صبح سویرے تقریباً چار بجے اٹھ کر

وہ جوار پیستی۔ بعد میں جھاڑو بہاڑو کر کے کھانا پکاتی۔ کھانا پکانے کے بعد جو کچھ ملتا کھا کر سسر کے لیے کھانا لے کر جاتی اور وہاں جو کام سسر بتاتے وہ کرتی۔ دن ڈھلے سسر کے تیار کیے ہوئے چارے کے گٹھے اٹھا کر گھر لاتی اور گھر کی دہلیز پر پاؤں رکھتے ہی ساس کی جھڑکی سنتی: "یہ گھر آنے کا وقت ہے؟" پھر گھر بھر کی ضرورت کا پانی بھرنے کے بعد شام کی رسوئی میں جٹ جاتی۔ وہاں سے فارغ ہوتی تو صبح کے لیے جوار صاف کرنے لگتی۔ اتنے میں سسر کے کھیت سے لوٹتے ہی ساس جب سسر کے لیے کھانا پروسنے اندر جاتی تو اس کے حکم سے اسے باڑے کو صاف کرنا پڑتا۔ رات کو ساس کے دیے ہوئے چار ٹکڑے کسی طرح نگل کر گھر کے ایک کونے میں پڑی رہتی۔

یہی اس کے دن بھر کا پروگرام تھا جس میں ترمیم کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ تارکا بغیر کسی سے کچھ کہے چپ چاپ یہ سارا کام کرتی۔ اس نے کبھی اپنے دکھ یا تکلیفوں کا ذکر کسی سے نہ کیا۔ کہتی بھی کس سے؟ ایک بار اس نے اپنی ماں کو یہ سب بتانا چاہا تھا مگر پھر اسے اپنی ماں کی نصیحت یاد آ گئی "ایک ہی گاؤں میں ہے۔ اس لیے سسرال کی بات کبھی میکے میں نہ کہنا"

کچھ اور دن بھی اسی طرح گذر گئے۔ اب جب اس بے حس اور بے رنگ زندگی سے نجات کی کوئی دوسری راہ نہ سجھائی دی تو وہ چند آنسو بہا کر من کا بوجھ ہلکا کرنے لگی۔

ایک دن شام کو تارکا باڑے میں جھاڑو دے رہی تھی۔ کچھ دیر بعد اکتا کر اس نے جھاڑو پھینک دی اور اپنی ہتھیلی کو دیکھتے دیکھتے رونے لگی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو کی دو بوندیں ہتھیلی پر آ گریں گویا وہ اس کے ہاتھ میں لگی گندگی کو دھو ڈالنا چاہتی ہوں۔ اتنے میں جانوروں کو چارا ڈالنے بھرما ادھر آ نکلا۔ تارکا اسے دیکھ کر ایک دم چونک پڑی۔ اس نے اسی دم پھر سے جھاڑو اٹھالی۔ گھبراہٹ کی وجہ سے اس کی ہتھیلی تک میں پسینہ آ گیا تھا۔ وہ پھر سے جھاڑو دینے لگی۔

بھرما نے جھجکتے ہوئے اندر آ کر جانوروں کو چارا ڈالتے ہوئے پوچھا "کیا بات ہے؟"

تارکا نے جھاڑو دینا ذرا روک کر سر اونچا اٹھا کر بڑے ہی مسکین سے لہجے میں "کچھ نہیں" کہا اور پھر جھاڑو دینے میں جٹ گئی۔

"آنکھیں لال کیوں ہیں؟"

تارکا ڈرتے ہوئے بولی "ہاتھ کا پھولا پھوٹ گیا ہے۔ گوبر اٹھانے سے جل سا اٹھا تھا۔"

بھرما بیوی کے قریب آ کر بولا "دکھاؤ تو"

مگر تارکا نے نہ دکھایا۔

بھرما نے پھر پوچھا "کیا ہوا؟"

کھیت میں جوار کاٹتے کاٹتے پھپھولے پڑ گئے تھے۔ اس کی آنکھوں سے آنسو ایک دم چھلک پڑنے کو تیار تھے۔

"باپو وہاں نہیں تھے کیا؟" بھرما کو علم تھا کہ اس کا باپ اس کی بیوی کو اس طرح کی تکلیف کبھی نہیں دیتا۔ ماں کی طرف سے دی جانے والی تکلیفوں اور گالیوں سے البتہ وہ پوری طرح وہ واقف تھا۔ وہ اس قابل نہ تھا کہ بیوی کے لیے کچھ کر سکے۔ اسے ماں کے حکم پر ہی چلنا پڑتا تھا۔

اتنے میں برآمدے میں سے جموا نے پوچھا "بھرمو وہاں کیا کر رہے ہو" اس کی آواز کی کرختگی کو پہچان کر دونوں کانپ اٹھے۔ بھرما سوکھے گلے سے بس اتنا ہی کہہ سکا "کچھ نہیں۔ جانوروں کو چارا ڈال رہا تھا" اور چپ چاپ واپس برآمدے میں آ گیا۔

شام کو ہونا کھیت سے لوٹا تو گھر میں ایک کہرام سا مچا ہوا تھا۔ باڑے میں کی ہوئی ان دونوں کی باتیں جموا نے چھپ کر سن لی تھیں۔ بیٹے کا اپنی بیوی سے بات کرنا اس کی نگاہوں میں ایک ناقابل معافی جرم تھا۔ اس نے بھرما کو تو خوب جھاڑا پھٹکارا ہی ستارکا کو بھی بڑی جلی کٹی سنائیں۔ تارکا نے کھانا نہیں کھایا تھا۔ کھانے کے لیے ساس نے کہا بھی نہیں۔

اکاتائی نے ماں کی عارضی غیر حاضری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پوچھا: "کھانا نہیں کھاؤ گی دیدی؟"

تارکا کے "بھوک نہیں ہے" کہنے پر وہ دو بوند ہمدردی کے آنسو گرا کر چپ ہو گئی۔ زیادہ کچھ کہنا وہ نہیں جانتی تھی۔

اس جھگڑے کی خبر پڑوسیوں کی معرفت تارکا کی ماں تک بھی جا پہنچی۔ اس نے بیٹی کو چار دن کے لیے بیٹی کو گھر لے آنے کے لیے بھیجا۔ مگر ان لوگوں نے کہہ دیا "کھیتی کے دن ہیں۔ گھر میں اس کی ضرورت ہے"۔ دو تین دن بعد رتنوا نے کھیت جانے والے راستے پر کھڑی ہو کر بیٹی سے پوری بات کی تفصیل جاننی چاہی تو تارکا نے چاروں طرف دیکھ بھال کر اور کسی غیر کو وہاں نہ پا کر چند الفاظ میں روتے روتے ساری باتیں ماں سے کہہ دیں۔

بیٹی کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر رتنوا بھی پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔ اس شام رتنوا کو لگا جیسے وقت ایک دم تھم گیا ہے، بیتتا ہی نہیں۔ وہ سوچ رہی تھی "ایک ہی بیٹی ہے۔ دس ہلوں کی کھیتی والے کھاتے پیتے لوگ ہیں۔ اپنے رشتہ دار ہیں۔ ہم نے اپنی حیثیت سے بڑھ کر شادی پر خرچ بھی کیا۔ تب بھی بیٹی کا یہ حال ہے۔"

وہ بے حد فکر مند تھی۔ رات کو اس نے بیٹی کی ساری حالت شوہر کو سنائی۔ یہ سب سن کر تو بھی من ہی من بہت دکھی ہوا۔ ایک بار اس کے جی میں آئی کہ ابھی جا کر بہن سے کہے کہ وہ اس کی بیٹی سے اس طرح

کا برتاؤ نہ کرے۔ مگر پھر کچھ سوچ کر وہ رک گیا۔ "ہو سکتا ہے اس کے کہنے سے بیٹی سے ان لوگوں کا برتاؤ اور بھی ظالمانہ ہو جائے۔ کچھ دن بعد تمو اکو اپنے آپ عقل آجائے گی تو سب اپنے آپ ٹھیک ہو جائے گا۔" مگر دل ہی دل میں وہ بہن پر غصہ کیے بغیر نہ رہ سکا۔

اس طرح کچھ دن گذر گئے۔ ادھر تارکا سسرال میں تکلیفیں اٹھا رہی تھی، ادھر یہ لوگ اپنے گھر میں دکھی تھے۔ ایک سال بعد گرمی کی چھٹیوں میں اننت ماما کے گھر آیا۔ تب تارکا بھی میکے آئی ہوئی تھی۔ دونوں میں باتیں ہوئیں۔ اننت نے زیادہ باتیں نہیں کیں۔ اس کے پاس کہنے یا بتانے کو کچھ تھا بھی نہیں۔ البتہ تارکا نے سسرال کی باتیں اسے سنا کر کسی طرح اپنا جی ہلکا کر لیا۔ سب سن کر اننت بہت دکھی ہوا۔ چار دن دونوں نے ساتھ ساتھ گذارے۔ من چاہی چیزیں بنوا بنوا کر کھائیں۔ پھر تارکا ساس کے گھر لوٹ گئی۔ جاتے وقت بہت روئی۔ اننت سے بھی رہا نہ گیا۔ آنسو اس کی آنکھوں میں بھی آگئے۔ بعد میں تارکا کی صورت حال پر غور کر کے وہ بہت دکھی ہوا۔ اس بار اپنے گاؤں واپس لوٹ آنے کے بعد بھی اننت کو بار بار تارکا کی یاد آتی رہی۔ اس نے دو تین بار اپنی ماں سے بھی تارکا کی ساس کا ذکر کیا مگر اس کا من پھر بھی ہلکا نہ ہوا۔ پڑھائی میں مصروف رہنے کے باوجود تارکا کی دکھ بھری زندگی کی باتیں بار بار اس کے کانوں میں گونجا کرتیں۔ اس کے چھوٹے سے معصوم دل میں تارکا کی شخصیت کی ایک بے شکل تصویر کہیں سے آکر داخل ہو گئی تھی۔

تین سال بیت گئے۔ اننت کبھی کبھی چندور جایا کرتا تھا۔ تب تارکا بھی چند روز کے لیے میکے آجایا کرتی تھی۔ اب اننت کے ہاؤ بھاؤ اور سوچنے سمجھنے کے انداز میں چند بالکل نئی اور انوکھی تبدیلیاں آگئی تھیں۔ اب وہ پہلے جیسا ضدی لڑکا نہیں رہا تھا۔ تارکا کے حالات کے بارے میں وہ کرید کرید کر پوچھتا اور جان کر زیادہ دکھی ہوتا۔ اب وہ کچھ بڑا بھی ہو گیا تھا اور اسے معلوم ہو گیا تھا کہ کس سے، کب، کتنی اور کیسی باتیں کرنی چاہئیں۔ دوسروں کے دکھ کو جان کر اس میں شریک ہونا اور ممکن ہو تو ان کو کسی قدر کم کرنے کی کوشش کرنا۔ اس نے اپنی اچھی تعلیم و تربیت کی وجہ سے کافی حد تک سیکھ لیا تھا۔

ایک بار جب سب لوگ مل کر بیٹھے تھے، غصے میں اس کے منھ سے نکل گیا۔ "دیکھتا ہوں ذرا، تمھاری ساس کیسی ہے؟"

سب لوگوں نے مل کر کسی طرح اس کا غصہ کم کیا۔ تارکا من ہی من میں مسرور ہوئی کہ اس کے پیچھے بھی کوئی ہے۔

اب وہ پہلے کی طرح کھیل کود میں وقت نہیں گنواتا تھا۔ جب بھی چندور آتا ساتھ میں دو چار اچھی کتابیں ضرور لے آتا۔ تارکا کو ان میں سے کہانیاں پڑھ کر سناتا۔ کبھی کبھی پہلے سے ہی پڑھی ہوئی۔ سیتا، ساوتری کی کہانیاں بھی سناتا۔ ان دیویوں کی تکلیفات کے تذکرے اننت سے سن کر تارکا کو اپنی دکھ بھول جاتے۔ اس طرح تارکا

کے دل کو ڈھارس دیتے ہوئے وہ یہ بھی سمجھا تا کہ تارکا کو اپنے شوہر کے دل کو کسی نہ کسی طرح جیت لینا چاہیئے۔

اس بار دیوالی کی چھٹیاں آئیں۔ اننت کا من بُوا کے گھر کی طرف تھا۔ رتنوا نے تیوہار میں آنے کے لیے اسے کہلا بھی بھیجا تھا۔ وہ ہر تیج تہوار پر اننت کو بلوا لیا کرتی تھی۔

مگر چندور کی بُوا کی طرف سے بلاوا آنے پر بھی اس کی ماں نے اننت کو وہاں نہیں بھیجا۔ بولی "تہوار یہیں منا کر جاؤ۔ بعد میں چاہے وہاں چار دن رہ آنا۔ گھر میں نابھو کا جنم دن بھی تو ہے۔"

نابھو یعنی نابھی راج اننت کا چھوٹا بھائی تھا۔ اس سے پہلے اس کے دونوں جنم دنوں پر اننت گھر میں نہیں رہا تھا۔ کسی نہ کسی دوسری جگہ چلا گیا تھا۔

ماں کے مشورے کے مطابق چار دن وہیں گھر میں رہ کر اور تہوار پورا کر کے اننت چندور گیا۔

ادھر رتنوا کی طبیعت ٹھیک نہ تھی۔ تہوار کے لیے اننت کا انتظار کرتے کرتے وہ تھک گئی تھی۔ آخر میں بیٹی کے سامنے اس کے منھ سے "اننت اب نہیں آئے گا" کے الفاظ ایک آہ کی طرح نکل پڑے۔

تارکا نے پوچھا "اننت سے کہلوایا تھا نا کہ میں بھی گھر آؤں گی؟"

تارکا کا دل کہتا تھا کہ اگر اننت کو اس کے آنے کا پتہ ہوتا تو وہ ضرور آتا۔

دل کی بات کبھی جھوٹی ہو سکتی ہے؟ اننت ایک دو دن میں آ ہی پہنچا۔ جب آیا تب بُوا کچھ بیمار تھی۔ اس کا ادھر آنے کا شوق کسی قدر مدھم پڑ گیا۔ اس نے سوچا وہ دو تین دن میں ٹھیک ہو جائے گی۔ مگر اننت کے آنے کے دوسرے ہی دن اس کا بخار تیز ہو گیا۔ چار دن بعد بھی جب بخار کم نہ ہوا تو سب کو تشویش ہوئی۔ پاس کے گاؤں سے ڈاکٹر کو بلا کر اسے دکھایا گیا۔ ڈاکٹر نے تسلی دی کہ بخار میعادی ہے اور زیادہ بھی ہے مگر گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔

اننت اور تارکا دل و جان سے اس کی خدمت کرنے لگے۔ اینا پور میں خبر بھجوا دی گئی۔ رامنا بھی ایک دن آکر بہن کو دیکھ گیا۔ جاتے وقت اننت سے بولا "رتنا کے چلنے پھرنے لائق ہو جانے کے بعد ہی تم آنا، چاہے سکول سے چار چھ دن کی چھٹی ہی لینی پڑے۔ ملیا بے چارہ اکیلا کیا کر پائے گا۔ کھیت دیکھے گا کہ گھر؟"

پھر تارکا کی طرف گھوم کر بولا "لڑکی گاؤں میں یہ سوچ کر ہی تو دی تھی کہ اس کے ساس سسر آکر اس کی دیکھ بھال کرتے رہیں گے۔ اب اس کی کوئی امید نہیں۔ وہ تو بالکل باہر والوں کی طرح ایک نظر دیکھ کر چلے جاتے ہیں۔ کم از کم تم چار دن یہاں رک کر وقت پر دوا دارو کا سہارا تو بنو گے۔ وہ جو کچھ مانگے اپنے ہاتھ سے بنا کر کھلانا۔ خوب اچھی طرح سے دیکھ بھال کرنا۔" یہ سب سمجھا بجھا کر وہ گھر لوٹ گیا۔

پورے چودہ دن بعد رتنوا کا بخار اترا۔ اننت کی دن رات کی ان تھک محنت اور سیوا کی وجہ سے وہ اگلے چھ ہی دنوں میں بستر پر اٹھ کر بیٹھنے لگ گئی تھی۔ مگر اب بھی کافی کمزور تھی۔ بخار کا خوف البتہ نہیں

رہا تھا مل کو کھیتی باڑی اور جانوروں کے چارے' پانی کا سارا کام اکیلے سنبھالنا پڑتا۔ اس لیے وہ شام ہی کو تھوڑی دیر رتنوا کے پاس آپاتا۔ باقی سارا وقت' رتنوا کے بستر کے پاس تارکا اور اننت ہی رہتے۔ اننت کی ہدایات کے مطابق سنتروں کا رس نکال کر پلانا' چائے بنا کر دینا تارکا کے ذمے تھا۔ گھر کی روٹی پانی کا انتظام پڑوسیں کر جاتی تھیں۔ ماں کے ٹھیک ہونے کے بعد اب دو تین دنوں سے تارکا اننت کے لیے چاول وغیرہ بنا دیتی تھی۔ باقی کھانے کا کام کرنے کی اسے ضرورت نہ تھی۔ اس لیے اس کے پاس کوئی ایسا خاص کام نہیں تھا ادھر اُدھر کی باتیں کرتی ہوئی وہ ماں کے بستر کے پاس ہی رہا کرتی تھی۔

ایک دن ماں کے بستر کے پاس بیٹھے بیٹھے تارکا بولی" اننت کی وجہ سے تمہاری دیکھ بھال اچھی ہوگئی ہے ورنہ ہم گنواروں کو کیا پتہ تھا۔ کچھ گرم کرنا اور چھاتی پر باندھنا تو ہم جانتے ہیں۔" یہ کہتے ہوئے اس نے اننت کو بڑی ہی احسان مندی سے دیکھا۔ اننت کی طرف دیکھتے ہوئے ویسے ہی شکر گذارانہ لہجے میں رتنوا بولی:" جنم دینے والے بھگوان کی مہربانی ہی تو تھی کہ یہ جو ہر سال تہوار پر آتا تھا۔ اس بار تہوار کے بعد آیا۔ اس وقت اس کا آنا ایسا تھا گویا میری دیکھ بھال کے لیے ہی اسے بھگوان نے بھیجا ہو!"

"میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا' سارا کام تو تارا نے ہی کیا۔ میں تو بس ڈاکٹر کے کہے مطابق بتاتا جاتا تھا۔ ایک دن تو یہ ساری رات جاگتی رہی' جو مجھ سے کبھی نہ ہو سکا۔" اننت نے منھ سے تو یہی کہا مگر من ہی من میں اسے اپنے کام پر ناز تھا۔

تارکا نے کہا" رہنے دو۔ اس رات تم بھی تو کتنی رات تک جاگتے رہے تھے۔" رتنوا دونوں کی طرف قدرے حیرانی سے دیکھ رہی تھی۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ اس کی بیماری کے دوران یہ سب کچھ ہوا تھا۔ اب تو اسے بتائے جانے پر بھی اعتبار نہ ہوا تھا کہ وہ تین دن بالکل بے ہوش رہی تھی۔

وہ سب اس طرح بیٹھے تھے کہ بھرما آگیا۔ تارکا نے جھٹ سے اٹھ کر شرم سے ذرا سر جھکا لیا اور دور جا کر کھڑی ہوگئی۔ پھر بھی اس کی نگاہوں سے شوہر کو خوش آمدید کہنے کا جذبہ صاف جھلک رہا تھا۔ اننت سے کوئی ایسی واقفیت یا آشنائی نہ ہونے کی وجہ سے یا پھر کسی اور ہی وجہ سے وہ کچھ دور ہٹ کر بیٹھنے لگا۔

تب رتنوا نے پیار سے پچکارتے ہوئے کہا" دور کیوں بیٹھ رہا ہے رے! آ میرے قریب آ۔"

اننت نے پوچھا" پانچ چھ دن سے اِدھر آئے ہی نہیں بھرما؟"

اسی وقت تارکا نے اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا۔ اس میں بھی یہی سوال تھا۔

" چار دن سے کھیت پر ہی تھا۔" بھرما ٹوٹا پھوٹا جواب دے کر چپ ہوگیا۔ اس بات کو سن کر رتنوا کے منھ سے ایک لمبی سانس نکلی اور اس کے ساتھ ہی اس نے کہا" اس کے ماں باپ پوچھتا چھ کر تو جاتے تھے۔ یہ کیوں آتا ؟" داماد کو تسلی دینے کے لیے اس نے یہ بات کہی پر باطن میں اس کے لہجے میں طنز چھپا تھا۔

بھرما کچھ دیر تک چپ چاپ بیٹھا رہا۔ بعد میں اس نے پوچھا "اب طبیعت کیسی ہے؟" اور کچھ دیر بعد "اب میں چلتا ہوں" کہہ کر چل پڑا۔

ماں کے اشارے سے پتی کو رخصت کرنے کے لیے تارکا بیچ کے کمرے میں گئی۔ پر بھرما نے مڑ کر نہیں دیکھا۔ تارکا کمرے میں واپس آگئی۔

تب رتنوا اننت سے کہنے لگی: "لڑکا بھولا ہے۔ منھ کھول کر بات تک کرنی نہیں آتی۔ تمھاری طرح کہیں آنا جانا نہیں۔ جو کام بتاؤ، کرتا رہتا ہے۔"

"اپنی ماں کے ساتھ جوبات کرتے ہیں، وہ کافی نہیں ہے کیا؟" یہ کہہ کر تارکا ہنس پڑی۔ اس ہنسی میں حیا تھی اور اس سے کہیں زیادہ اس میں درد تھا۔

شاید کچھ مذاق بھی رہا ہوگا۔ اس سے زیادہ کچھ نہ کہنے پر بھی اس ہنسی کے ذریعے ہی اس خیال کا اظہار ہوتا تھا کہ "اس انسان کو یہ بھی معلوم نہیں کہ بیوی کا مطلب کیا ہوتا ہے؟"

اس کی اس فطرت کے مدِنظر اس کی زندگی کو سنوارنے کی ساری کوشش اننت کو فضول سی لگی۔

چار پانچ دن کے بعد جب اننت اپنے گاؤں جانے کے لیے تیار ہوا تو بُوا سے بولا: "اب میں بھرما کے یہاں ہو آتا ہوں۔"

رتنوا پیار سے بولی "ہو آؤ بیٹا۔"

بعد میں تارکا کی طرف مڑ کر اننت نے کہا "دیدی! اب میں جاتا ہوں۔ تم دس بیس دن ٹھہر کر جانا جب بُوا ٹھیک ہو جائے۔" پھر بوا کی طرف گھوم کر بولا "وہ اگر بلانے بھی آئے تو بھی تارکا کو بھیجنا نہیں۔"

رتنوا بولی "ابھی کہاں بھیجنے لگی ہوں! اب بھی میں چولہے کے پاس نہیں جا سکتی۔ آرام سے جائے گی ایک مہینے بعد۔"

اننت چل پڑا۔ تارکا اسے باہر والے پھاٹک تک چھوڑنے آئی۔ اننت نے مڑ کر کہا "اب تم رک جاؤ تارا۔ پھوپھا کے آنے پر کہنا کہ دھوپ زیادہ تیز نہ ہو جائے اس لیے میں ذرا جلدی جا رہا ہوں۔ ویسے جب وہ کھیت کو جا رہے تھے میں نے انھیں بتا دیا تھا کہ میں آج چلا جاؤں گا۔" پھر وہ چلا گیا۔

تارکا بات کرنے کی حالت میں نہیں تھی۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئی تھیں۔

8

تارکا نے اب سولہواں سال پورا کر کے سترھویں میں قدم رکھا تھا۔ پہلی بار نہیئے کو ہوئے چار سال ہو گئے تھے۔ بچپن میں سکھ سے پلنے کی وجہ سے وہ بارہ سال میں ہی نہیئے کی ہو گئی تھی۔ اب سسرال میں تکلیف کی زندگی بتانے پر بھی اس کے انگوں میں تو خوبصورتی چھلک رہی تھی لیکن اس کے چہرے پر ہمیشہ اداسی چھائی رہتی۔ گھر کی ہنسی خوشی اس کے نصیب میں نہیں تھی۔ وہ بھی ان پر دھیان نہیں دیتی تھی۔ اس کا اپنے کام سے مطلب تھا۔ ساس سسر سے صرف کام کے بارے میں بات کرتی تھی۔ آگے پیچھے چپ چاپ رہتی تھی۔

اور ایک بات ــــ اسے یہاں کہنا ضروری ہے۔ "بھرما" تارکا کے لیے کہیں چھوٹا نہ پڑ جائے" یہ سوچ کر چھوا نے بیٹے کو اچھا کھلا پلا کر پالا تھا۔ وہ بھی بے فکری سے کھا پی کر مضبوط ہوا تھا۔ واقعی گاؤں کے لڑکے جیسی جوانی تھی اس کی۔ وہ اکیلے ہی جوار کی بوریوں کو گاڑی سے اتار کر گھر کی سیڑھیوں پر چڑھ کر اندر رکھ دیتا تھا۔ اتنا کہنا ہی کافی نہیں ہے کیا! وہ پورا جوان ہو گیا تھا۔ عمر کے اعتبار سے اس کا دل بھی میاں بیوی کی عشرت کا خواہاں تھا اس لیے وہ اب امید بھری نگاہوں سے تارکا کی طرف دیکھتا اور اکیلے میں بات بھی کرنا چاہتا تھا۔

ایسا نہیں کہ بھرما کے باپ کو یہ معلوم نہ تھی۔ وہ بار بار بیوی کے سامنے کہتا "برابر والوں کے پوتے ہو گئے" تبھی منھ سکوڑ کر چھوا بولتی۔ "تم اس بات کی فکر کر رہے ہو کہ تمہارے گھر میں نہیں ہوئے؟" تب ہونا چپ ہو جاتا۔ ایسی بات بھی نہیں کہ چھوا کو اس کی خواہش نہ تھی لیکن اس کا ضمیر کہتا "اب اگر تارا حاملہ ہو جائے گی تو اس کی اہمیت بڑھ جائے گی۔ رتنا کی ناک اوپر ہو جائے گی۔ اس کے بعد ان کی کھیتی باڑی ہمیں ملنے کی توقع نہ رہے گی۔"

یہ زبردست خواہش، پوتے کی آرزو کو ایک طرف کر دیتی تھی۔ اس لیے وہ بیٹے اور بہو کی ازدواجی زندگی کے بارے میں بڑی چوکنی رہا کرتی تھی۔

آج کل ایک مہینے سے بھرما کھیت پر سوتا تھا۔ مویشی بھی وہیں پر بندھتے تھے۔ گوٹھ صاف کر کے، اپلے تھاپنے کے لیے تارکا کو روز صبح وہاں جانا پڑتا تھا۔

وہاں امرود کے پیڑ تھے۔ پھول بھی اچھے لگے تھے۔ سارے چند درین وہ سب سے بڑا پیڑ تھا۔ اس کے پھل بھی میٹھے ہوتے تھے ہفتہ میں ایک بار پھل اتار کر ٹھیکے پر بیچ دیتے تھے۔ گھر میں نوکر چاکر بھی جی بھر کھاتے تھے لیکن بھوّا تارکّا کو ایک پھل بھی نہیں دیتی تھی۔ اس کے ذائقے کی تعریف ضرور اس کے سامنے کرتی تھی۔ اس کی اندرونی خواہش تھی کہ تارکّا چوری کرے اور پکڑی جائے تاکہ جھگڑا کیا جائے۔

تارکّا اسے یہ خواہش پوری کرنے کا موقعہ دینے والی نہیں تھی۔ اسے اگر امرود کھانے کی خواہش ہوتی تو وہ ندی وغیرہ جاتے وقت ماں سے کہتی۔ ماں دوکان سے راستے میں ہی خرید کر کھلا دیتی اور اس کی خواہش پوری ہو جاتی۔ یہ بات ماں بیٹی کے سوا کسی تیسرے کو معلوم نہ تھی۔

ادھر بھرمّا کے دل کو یہ بات چبھتی تھی کہ اس کی بیوی کو امرود نہیں ملے اور ماں نے دیئے بھی نہیں۔ وہ ماں پر غصہ بھی کرتا۔ لیکن ماں کے آگے اس کی کوئی نہ چلتی۔ ماں کی غیر حاضری میں، صبح جب تارکّا کھیت پر آتی تب وہ اسے امرود دینا چاہتا۔ اکثر تارکّا کے ساتھ اکاتائی ہوتی جس کی وجہ سے وہ نہ دے پاتا اس خوف سے کہ کہیں ماں کو کہہ نہ دے۔

اس ہفتے بھی امرود اتارے گئے جو پچھلے ہفتے سے بھی زیادہ تھے۔ ٹھیکے پر خریدنے والے نہ آئے تو گھر ہی میں امرود دو دن تک پڑے رہے۔ آخر گاؤں میں انھیں جوار کے عوض بیچنے کا کام اکاتائی پر آپڑا۔ اس کے لیے یہ کوئی نیا کام نہیں تھا۔ پہلے بھی کئی مرتبہ اس نے اس طرح امرود بیچے تھے۔ اس بار بھرما کو ایک موقعہ ملا۔ اگلے دن وہ خیالوں میں کھو گیا۔ کل اکاتائی امرود بیچنے جائے گی۔ ماں اس کام کے لیے اس کی بیوی کو نہیں بھیج سکتی۔ وہ صبح اکیلی یہاں آئے گی۔ تب میں اس سے کیسے اور کیا بات شروع کروں گا؟ اگلے دن وہ صبح جلدی اٹھا۔ سارا پیڑ چھان کر، اوپر لگے امرودوں میں سے تین اچھے امرود لے آیا۔ پھر سوچنے لگا اسے یہ کیسے دوں ..... ؟ کیا وہ دینے پر لے لیگی ؟ وہ ایسی بات میں ہوشیار نہیں تھا۔ اپنے ہاتھوں سے اسے دینے کی ہمت اس میں نہ تھی۔ آخر اس کو ایک تجویز سوجھی۔ کوڑا بھرنے کے ٹوکرے کے پاس اس نے پھل چھپا کر رکھ دیئے۔ وہ سوچنے لگا کہ ٹوکرا اٹھاتے وقت وہ ان پھلوں کو ضرور لے لیگی اور جب ان کو کھانے لگے گی تب وہ اس سے بات شروع کرے گا۔ اس کا دل اتنا جھجکتا تھا۔

امرود تو اس نے ٹوکرے کے پیچھے چھپا دیئے لیکن بعد میں اس کے دل میں ایک اور شک پیدا ہوا۔ اگر میں یہاں رہا تو وہ امرود نہیں لے گی۔ اس کے لیے کیا ترکیب کی جائے ؟ اب وہ آنے والی ہوگی۔ اچھا تو میں پانی لینے چلا جاتا ہوں۔

یہ سوچ کر وہ گھڑا اٹھا کر ندی کی طرف چل دیا۔ دل اس خیال میں ڈوبا ہوا تھا کہ میرے واپس آنے تک وہ پھل لے کر کھانا شروع کر دے گی۔ میرے آتے ہی وہ ڈر جائے گی۔ تب میں کہوں گا: ڈرو نہیں میں نے

تمھارے لیے ہی رکھے تھے۔ تب وہ کتنی خوش ہوگی۔ پتہ نہیں کیا بولے گی؟ اس ادھیڑبن میں وہ پانی لے کر لوٹ آیا۔ اس نے کیا دیکھا؟ اس روز کام کے لیے اس کی بیوی نہیں، ماں آئی ہے۔ یہ دیکھ کر بھرما مایوس ہوگیا۔ اس سے بھی زیادہ وہ ڈر گیا۔

ٹوکرے کی آڑ میں رکھے پھلوں کو چھوا نے دیکھ لیا تھا۔ وہ بیٹے سے عقل میں کم نہ تھی۔ بیٹے کی ترکیب وہ سمجھ گئی۔ اس کی آنکھیں لال لال ہوگئیں۔ "گھڑا لے کر ندی پر گیا ہے۔ آنے دو اسے عقل سکھاؤں گی، کان پکڑ کر" یہی سوچتی ہوئی اس کا انتظار کرنے لگی۔ بھرما کے دور سے ہی دکھائی پڑنے پر اس نے غصے سے پوچھا "یہاں امرود کس نے رکھے؟" بھرما کچھ سوچے بغیر بولا "کہاں؟ مجھے تو معلوم نہیں" آواز کانپ رہی تھی۔

"تجھے کیسے معلوم ہوگا۔ جو جو کرنا ہے کر۔ . . . . اس بگلی کا سر منڈواؤں گی"۔ جو منھ میں آیا وہ بکتی رہی۔ بھرما نے ایک بات کا بھی جواب نہیں دیا لیکن وہ دل میں سوچتا رہا: "اس میں سب میرا قصور ہے۔ اگر میں اپنی بیوی کے ساتھ پیار کا سلوک کروں تو اس کا کیا جاتا ہے؟ اگر ایسی بات تھی تو میری شادی ہی کیوں کی تھی؟"

آج اس کے دل میں ایک ناقابل بیان اداسی گھر کر گئی تھی۔ چپ چاپ گھاس کا تنکا توڑتا کھڑا رہا۔ چھوا کے منھ سے گالیوں کی بوچھار جیوں کی تیوں جاری تھی۔ وہ بڑی دیر تک ماں کی بک بک سن نہ سکا۔ اسے ایک عجیب سے دکھ کا احساس ہوا۔ وہاں سے ہٹ جانے کی خواہش ہوئی۔ ایک ایک قدم اٹھا کر رکھتے ہوئے وہ مویشیوں کی گوٹھ کی طرف چل پڑا۔ گوٹھ کے دروازے پر کچھ دیر کھڑا رہا۔ تب بھی اس کی ماں کی زبان بے لگام چل رہی تھی۔ بھرما کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کیا جائے آہستہ سے گائے کے پاس گیا۔ انجانے سے اس کا ہاتھ گائے کے نرم جسم پر گھومنے لگا اور گلے پر بھی۔ گائے نے منھ گھما کر بھرما کے کندھے پر رکھ دیا۔ بھرما نے منھ پر بھی ہاتھ پھیرا۔ یکایک اس کے دل میں پیار امڈ پڑا۔ شاید چومنے کی خواہش ہوئی ہوگی۔ دل کی بات اس کے ہاتھ بتا رہے تھے۔ خود اسے اس کا علم نہیں تھا۔ آج اس کے دل میں یہ خیال کیوں پیدا ہو رہا تھا؟ (ماں پر غصہ کیوں آرہا ہے؟ یہ باتیں اس کی سمجھ میں کیوں نہیں آرہی تھیں) میری ایک فطری خواہش کے پورا کرنے میں ماں رکاوٹ کیوں بن رہی ہے؟ ان میں سے کوئی بھی بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی۔ ایک عجیب سا درد اس کے دل میں سوئیاں چبھو رہا تھا۔ ایک ایسا درد جو صاف معلوم ہو رہا تھا مگر ناقابل بیان تھا۔ پتہ نہیں وہ کب گائے کو چھوڑ کر دور چلا گیا۔ سارے بدن میں ایک قسم کی کسمساہٹ ہو رہی تھی۔

بھرما ان منا سا گوٹھ کے ایک کونے میں گیا۔ اسے وہاں رکھی تازہ گھاس پر لیٹنے کی خواہش ہوئی۔ وہ لیٹ گیا۔ کروٹ بدلی۔ گائے رمبھائی۔ اس کو سن کر ایک بچھڑا اٹھا اور جسم اکڑا کر کھونٹے سے بندھی رسی توڑنے لگا۔ بھرما جانوروں کو چارہ ڈال کر پھیل کر بیٹھ گیا۔ چھوا جانوروں کو چارہ دینے کے لیے اندر آکر سختی سے بولی: "ارے تو تو ایسے بیٹھا ہے جیسے بھوت چمٹ گیا ہو۔ اٹھ کر جانوروں کو چارہ ڈال۔ انھیں وہاں سے ہٹا۔

عورتیں روز روز یہ سب کہاں تک کرتی رہیں گی ؟"

گائے کو چارہ ڈالنے کے بعد وہ دودھ دوہنے بیٹھ گئی۔ بھرما نے اٹھ کر جماہی لی اور انگڑائی بھی جانوروں کے پاؤں میں پڑے کوڑا کرکٹ کو ہٹا کر باہر گیا۔ جمواد دودھ دوہنے کے بعد بولی "بھرما! دودھ پیتا ہے تو پی لے میں گھر جا رہی ہوں۔ لڑکی نے کیا کام کیا ہو گا معلوم نہیں۔ تم لوگوں کے ہر کام کے لیے ہمیں ہی سر کھپانا پڑتا ہے۔ تمھیں اور اسے کیا فکر ہے۔ کل ہمارے مرنے کے بعد کیسے زندگی بسر کرو گے ؟"

وہ بڑبڑاتی رہی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی بھرما نے اندر آ کر دودھ پیا۔ اس دن اسے دودھ اچھا نہ لگا۔

جموا کے گھر جانے کے بعد بھرما چارہ تیار کرنے لگا۔ اس کا دل بے چین تھا امرود کے پیڑ پر طوطے ٹیں ٹیں کر رہے تھے۔ ہلکی ہوا میں پودے جھوم رہے تھے۔ قدرت کی اس چاروں طرف بکھری خوبصورتی میں وہ ایک کمی محسوس کر رہا تھا۔ چارے کا گٹھا سر پر اٹھا کر اوپر آنا چاہتا تھا۔ پاؤں میں کٹو کی بیل الجھ گئی۔ چڑ کر ہنسیے سے کاٹنے کی کوشش کی مگر کاٹ نہ سکا۔ سر سے بوجھ اتار کر بیل کو سلجھایا اور گوٹھ میں چارہ لے گیا۔ بوجھ پھینک کر گھر کی طرف چل دیا مگر چار چھ قدم جا کر واپس لوٹا۔ گٹھڑ کو کھول کر جانوروں کو چارہ ڈالا اور پھر چل پڑا۔ سورج دھیرے دھیرے اونچا ہو رہا تھا اور دھوپ تیز ہو رہی تھی۔

بھرما گھر پہنچا۔ گھر میں جموا زبان چلائے جا رہی تھی۔ وہ باہر ہی کھڑے ہو کر سننے لگا۔

"اتنی بڑی ہو۔ اتنا پتہ نہیں تجھے۔ عقل کہاں چلی گئی ہے تیری ؟ کھانے کو کہو تو بیٹھ کر چار روٹیاں چٹ کر جاتی ہے۔ ابھی تجھے کتنا اور بتانا پڑے گا۔ ہر گھڑی چلاتی رہوں تو کیسے کام چلے گا۔ اپنا گھر اپنی گرہستی۔ ان باتوں کا دھیان نہیں ہونا چاہیئے کیا ؟"

اندر سے ہوتا بولا "اب ہو گیا۔ جانے دو"

"ایسے ہی تو تم نے اسے سر چڑھا رکھا ہے ہر وقت میری بہو میری بہو کرتے رہتے ہو۔ اب گھر کیسے چلے گھر کے رسم و رواج سکھانے کی ضرورت نہیں کیا ؟"

" بعد میں بھی ہمارے سر پر ہی رہے گا ؟ کیسے بھی ہو اپنے آپ کریں گے ؟ جب تک ہم ہیں نبھاتے چلیں۔"

"ہر کام تو چلانا چاہیئے نا! اب پنڈت جی آئے تو کیا کہوں گی ؟ ایک روٹی نکال کر رکھنے میں اسے کون سی آفت آن پڑی تھی ؟"

بھرما سب باتیں سمجھ گیا۔ باپو کھانا کھانے آیا ہو گا۔ بہو نے بھگوان کے نام کی روٹی نکالے بغیر کھانا پروس دیا ہو گا۔ اس لیے اتنی زبان چل رہی ہے۔ وہ آہستہ سے اندر داخل ہوا۔ جموا نے اسی طرح بات کو آگے بڑھایا: "یہ بھی کیا ہے ؟ اس نے بیوی کا منھ، پتہ نہیں کبھی دیکھا بھی ہے یا نہیں۔ اس کے قدموں میں لوٹ لوٹ جاتا ہے کل اسے پتہ چلے گا جب اس کی چھاتی پر مونگ دلے گی۔"

بھرما نے پریشان ہو کر پوچھا" ہوا کیا ؟"

" ہونا کیا ہے ؛ گھر کے ریت رواج سب گئے چولہے میں۔ اب ہم گڈریے بن گئے بھگوان کے نام کی ردوٹی نکالنے کا اسے پتہ نہیں کیا ؟"

" ایک دن چھوٹ گیا تو کیا ہوا ؟ آٹا دے دیں گے۔"

بھرما کا اتنا کہنا ہی کافی تھا۔ جموّا تو جھگڑا کرنا ہی چاہتی تھی۔ صبح امرود دیکھ کر اس کا دل جلا جا رہا تھا۔ اب موقعہ مل جائے تو اسے اور کیا چاہیئے تھا؟ ارے ! لڑکا تو برابر زبان چلانے کے لائق ہو گیا۔ اسے ابھی سے ٹھیک کرنا پڑے گا۔" اس نے دل میں سوچا۔ ان سب وجوہات نے اسے جھگڑا کرنے کو ابھارا۔ اس کے بعد خوفناک جھگڑا ہوا۔ کسی نے گھر میں کھانا نہ کھایا۔ تارکا کھائے بغیر ہی سسر کے ساتھ کھیت پر کام کرنے چلی گئی۔ بھرما جن قدموں سے آیا انھیں سے واپس لوٹ گیا۔ جموّا منھ لپیٹے پڑی رہی۔

وہ دن ایسے ہی گزر گیا۔ شام کو ایک ایک کو اٹھا کر کھانا کھلاتے میں اکاتائی تھک کر چور ہو گئی۔

بھرما کا تارکا کو دینے کے لیے امرود نکال کر رکھنا، اس کے لیے گھر میں جھگڑا ہونا، سب کا فاقہ کرنا، سبھی باتیں دو تین دن بعد پڑوسیوں کے ذریعے رتنوا کے کان میں پہنچیں۔ ان سب باتوں کو سن کر اس نے ایک ساتھ غصہ اور خوشی محسوس کی۔ خوشی کی وجہ یہ تھی کہ داماد کے دل میں تارکا کو امرود دینے کی خواہش تو ہوئی۔ اب اسے بیٹی کی آئندہ زندگی کے بارے میں کچھ امید بندھنے لگی۔ وہ سوچنے لگی۔ اب داماد کا دل جیتنا چاہیئے۔ اگر وہ اکیلا میری بیٹی کے ساتھ ہو تو ان میں کوئی بھی چاہے جتنی جان کھائے، کچھ ہونے والا نہیں۔

"ہے بھگوان! دھرم راج کرپا کر کے بھرمیا کو اتنی عقل دو۔ تمھیں پانچ روپے کا گھنٹہ خرید کر باندھوں گی۔" کہہ کر پرارتھنا کرنے لگی۔ اگلے دن داماد کو دینے کے لیے گھر میں لڈو، گجیا وغیرہ، میٹھی چیزیں بنائیں۔ اسی دوپہر کو بھرما کے کھیت جانے کے راستے پر کھڑی ہو کر اس کی راہ دیکھ رہی تھی۔ اسے دیکھ کر اس نے بھرما کہہ کر آواز لگائی۔

بھرما کو یہ آواز سنائی دی ہو گی لیکن وہ ان سنی کر کے پانچ چھ قدم آگے بڑھ گیا۔ اس نے اسے کبھی ایسے نہیں پکارا تھا۔ پکارنے لائق اپنائیت بھرا اس کا سلوک تھا بھی نہیں۔ پکارا بھی ہے یا نہیں۔ اسی شک میں وہ آگے بڑھ گیا۔ ویسے بھی وہ شرمیلی طبیعت کا تھا۔ اور یہی شرمیلا پن کیا اس کے لیے مہلک نہیں بن گیا تھا؟ رتنوا کچھ رکی۔ اس کے دل کے ایک کونے میں مایوسی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اس پر بھی اس نے دوبارہ پکارا۔ اس بار بھرما نے مڑ کر دیکھا۔ رتنوا پیار بھری التجا لیے چار قدم آگے آکر بولی "گھر تک تو آبیٹا۔"

"اس وقت کیا کام ہے ؟ پھر کبھی آؤں گا۔"

رتنوا نے تاکید کی "اور کب آؤ گے۔ ابھی چلو نا !"

یہاں بھرما کا شرمیلا پن رتنوا کے لیے فائدہ مند ثابت ہوا۔ رتنا کے پیچھے پیچھے بھرما اس کے گھر کی طرف چل پڑا۔ گلی کی ایک بڑھیا نے ان دونوں کو جاتے دیکھ کر پوچھا "بہت دنوں بعد ساس کے گھر آئے بھرما!"

اس پر رتنوا نے جواب دیا " ایسے ہی کھیت کو جا رہا تھا۔ میں نے کہا چار گجیاں تو کھا لو۔ اس لیے ساتھ لے آئی۔"

پھر وہ اسے اندر لے گئی۔ وہاں تخت بچھا کر بٹھایا اور ایک تھالی میں چار لڈو اور چار گجیاں لا کر سامنے رکھیں۔

بھرما بولا " اتنا کیوں ؟ ابھی ابھی کھانا کھایا ہے۔ بھوک نہیں۔"

رتنوا بولی " کھاؤ کھاؤ کوئی زیادہ ہے کیا ؟" پھر ذرا رک کر بولی " گھر میں کچھ بناؤں تو تمھیں چھوڑ کر کھانے کو جی نہیں کرتا۔ دل تمھاری طرف کھنچا رہتا ہے۔ پر کیا کروں تمھاری ماں سمجھتی ہی نہیں۔ اس لیے ہم لوگ تمھیں بلاتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ لیکن آج دل مانا ہی نہیں۔ اس لیے بلایا۔" وہ اس کے دل کی گہرائی کو ماپتے ہوئے بولی۔

بھرما چپ چاپ کھاتا رہا۔ ایسا لگتا تھا وہ کسی خیال میں گم تھا۔ آگے پھر رتنا بولی " بیٹی تمھیں سونپ دی ہے بیٹا! تمھارے بغیر اس کا کون ہے ؟ اس سے کوئی غلطی ہو جائے تو تمھیں ہی اسے سنبھال لینا چاہیئے۔"

" سنبھالنے کی کیا بات ہے ؟ کیا اس کی مجھے ضرورت نہیں ؟" شرم کے مارے پھر اسے سمجھ میں نہیں آیا کہ آگے کیا کہا جائے۔ آخر ذرا فکرمند ہو کر بولا: " لیکن بڑھیا کی سمجھ ہی کچھ اور ہے۔ اب کیا اسے سمجھ آئے گی۔ گھر میں سب تنگ ہیں۔"

" ٹھیک ہے اسے بھی سنبھالنا پڑتا ہے۔ وہ ماں ہے۔ لیکن تم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ٹھیک رہو تو اس کی چڑچڑاہٹ میری بیٹی کا کچھ بگاڑ نہ سکے گی۔ سمجھے!" کہتے ہوئے رتنوا نے اندر سے دو اور لڈو لا کر اس کی تھالی میں رکھے۔

اب بھرما کچھ دل کھول کر بات کرنے لگا: " یہ سب باتیں سمجھتا ہوں۔ پر کیا کیا جائے ؟ گھر میں ماں نے ہماری زندگی ایسی بنا رکھی ہے گویا قینچی کے بیچ میں پھنسا ہوا ہوں ..... کل کی بات آپ نے نہیں سنی۔ بے کار کی بات۔ چار امرود ہوئے تھے، اس پر جھگڑا ہو گیا۔ شام تک فاقے اور بن باس میں رہا۔"

" کوئی بات نہیں ہے۔ جب تک تقدیر میں دکھ ہیں سہنے ہی پڑیں گے۔ لیکن اب تم بڑے ہو گئے ہو تم اپنا سوچ کر چلو تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم پہلے جیسے چھوٹے نہیں ہو۔ دوسروں کی بات سننے یا ماں کی بات سننے سے میں منع نہیں کرتی۔ مگر تمھیں تو اس بات کو مان کر چلنا چاہیئے کہ تم پتی پتنی کے بیچ میں جو ریشمی گانٹھ بندھی ہے وہ اس جنم میں نہیں چھوٹے گی۔" رتنوا نے یہ سب باتیں التجا کے لہجے میں کہیں۔ وہ جانتی تھی اب تک کا قصور

داماد کا ہے لیکن اس کے ساتھ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اس کا قصور جتلانے کے لیے نرمی کی ضرورت ہے تاکہ پیٹ کا پانی بھی نہ ہلے ورنہ اب جو ذرا ان کا دل ملنے لگا ہے اس میں پھر دراڑ پڑ جائے گی۔ یہ ڈر بھی اس کے دل میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس لیے اور زیادہ التجا کے ساتھ گڑگڑاتے ہوئے بولی "بیٹا! میری بیٹی کو تو تم اگر ایک پاؤں سے ٹھوکر مارو گے تو دوسرا پاؤں پکڑ کر تمہارا ساتھ نبھانے والی ہے۔ مرنے تک اب تمہارے سوا اس کا ہے کون؟ وہ تو پالتو کتیا ہے تمھیں چھوڑ کر کہاں جائے گی؟"

ساس کی باتیں سن کر بھرما کی آنکھیں کھلیں۔ آج اسے پتہ چلا کہ ساس اسے کتنا پیار کرتی ہے۔ اسے ایک لمحہ کو محسوس ہوا کہ اس نے پہلے بھیما کی بات مان کر غلطی کی تھی۔ اپنے دوستوں کا سسرال جانا اور آرام سے رہنے کی باتیں بھی اسے یاد تھیں۔ اس طرح رہنے کی خواہش اس کے دل میں ہوئی۔ لیکن ماں کی رکاوٹ اس کے لیے لکشمن ریکھا تھی۔ اسے یاد کرنے کی ہمت اس میں نہیں تھی۔ اس لیے دکھی ہو کر وہ اس جال میں اب تک پھنسا تھا۔ بھرما کھا پی کر چل پڑا" تب رتنو آنکھوں میں آنسو بھر کر بولی" ہمارا ابھی اور کون ہے؟ وہ ایک بیٹی ہے۔ تم ایک بیٹے کی طرح ہو" کھیت پہنچنے تک اس کے دل میں یہ باتیں چکر کاٹ رہی تھیں۔

اس دن شام کو کسی نے چموا کو بتا دیا تھا کہ بھرما ساس کے گھر ناشتے کے لیے گیا تھا۔ یہ سن کر پہلے تو چموا کو حیرانی ہوئی مگر کئی طرح سے سوال کر کے اس نے یہ معلوم کر لیا کہ اس خبر میں سچائی ہے۔ دل میں کڑھن ہوئی لیکن اسے ظاہر نہ کرتے ہوئے اس عورت سے بولی: "کوئی بات نہیں۔ بکرا چرلے تو فائدہ گڈریے کا ہی ہے۔" مگر اس کے دل میں خیالات کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ لڑکا وہاں گیا تھا معلوم نہیں اس طرح کتنی بار وہاں گیا ہوگا۔ کون جانے! میری پیٹھ پر آنکھیں نہیں! اس لیے وہ کل اس طرح بحث کر رہا تھا۔ آج تک پلٹ کر اس نے کبھی جواب تو دیا نہیں تھا۔ لگتا ہے ساس کی شہ پا کر ایسی باتیں کرنے لگا ہے۔" بہت دیر تک اس کا سوچتی رہی۔ آخر کار دل ہی دل میں بڑبڑائی "خالی جھگڑے سے وہ راستے پر نہیں آئے گا۔"

شام کے وقت چموا نے سجگین (حلوے کی طرح کا پکوان) بنائیں۔ بھرما کے کھیت سے آتے ہی اسے ہاتھ پیر دھونے کو گرم پانی دیا اور کھانے کے لیے بٹھایا۔ اس کے بیٹھتے ہی سامنے بیٹھ کر گھی پروستے ہوئے بڑی پیار بھری آواز میں بولی "گاؤں کے لوگ بہت ہی خراب ہیں بیٹا۔ ہم اپنے گھر میں ہنسی خوشی سے رہیں تو وہ برداشت نہیں کر سکتے۔"

بھرما کو بھوک نہ تھی۔ آہستہ آہستہ کھا رہا تھا۔ چموا بولتی گئی "تم میرے اکلوتے بیٹے ہو۔ ہم چار آدمی تیرے بھروسے پر جی رہے ہیں۔ کوئی کچھ کھلا پلا نہ دے۔ اس لیے کسی کے گھر کچھ مت کھانا۔"

بھرما سوچتے سوچتے کھانا کھا رہا تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ ماں آج ہی یہ سب باتیں کیوں کر رہی ہے۔ اس لیے

وہ ڈرا بھی کیونکہ اپنی ماں کے سامنے کچھ کہنے یا اپنی بات سمجھانے کی طاقت اس میں نہیں تھی۔ چھوّا نے اپنی بات جاری رکھی: "چپ کیوں ہو گئے؟ بھوت پریت تو نہیں چپٹ گیا؟ میری بات سمجھ میں آئی یا نہیں؟" اس نے غصے اور ناراضگی کے لہجے میں کہا۔

"سمجھ گیا" بھرمّا نے دھیرے سے لیکن زوردار آواز میں کہا۔ اتنے میں ماں نے منھ گھما کر پوچھا "سمجھ گئے تو آج کیوں گئے تھے؟ کھانے کو؟ وہ کچھ کر کے تمھارا دماغ پھیر دیں گے۔ تب تم جا کر اس کے دروازے پر کتّے کی طرح دم ہلاؤ گے۔ جانتے نہیں وہ ماں بیٹی ایسی ہیں؟ تریا چرتر میں پوری ماہر ہیں۔"

یہ باتیں بھرما کو اچھی نہیں لگیں۔ اس کے سامنے تو ساس پیار کی مورت بنی کھڑی تھی "بس رہنے دو۔ تم تو کچھ نہ کچھ کہتی ہی رہتی ہو۔ پیلیا کے مریض کو سب کچھ پیلا ہی نظر آتا ہے۔ ایسے ہی تمھیں بھی ایک پاگل پن ہے۔" بھرما یہ تو کہہ گیا۔ لیکن بعد میں اس نے سوچا۔ مجھے ماں کے سامنے ایسا نہیں کہنا چاہیئے تھا۔ وہ یہی بات لے کر جھگڑا کر سکتی ہے۔ وہ ماں سے جھگڑنا نہیں چاہتا تھا۔ کل کے جھگڑے سے جو دل بے چین ہو گیا تھا اسے ابھی چین نہیں ملا تھا۔ اب اگر اس بار جھگڑا نہ ہو تو آگے کبھی جھگڑا نہ ہونے دوں گا۔ دل میں یہ سوچ کر اس نے دانتوں تلے زبان دبالی۔

"ہاں بھیّا" ماتھا ٹھونک کر وہ بولی "یہ میری تقدیر ہے۔ تم کیا کر سکتے ہو۔ لے دے کر تم میرے اکلوتے بیٹے ہو۔ جنم سے اب تک کبھی پلٹ کر جواب نہیں دیا تھا۔ آج ایسے بولنے لگے ہو۔ پتہ نہیں کیا کھلا دیا؟ کون جانے تمھارے پیٹ میں کیا گیا؟" پھر منھ لٹکا کر آنسو بہاتے ہوئے درد بھری آواز میں بولی۔ "دوپہر کو پھسلا کر لے گئی تھی نا!"

بھرما میں اتنی ہمت نہ تھی کہ کسی بات کی اچھائی اور بُرائی کو سوچ کر کسی فیصلے پر پہنچ جائے۔ وہ تو ایک سیدھا سادہ انسان تھا۔ بچپن سے وہ بڑوں کے سہارے ہی رہتا آیا تھا۔ ماں کی ان باتوں کا اثر اس پر زیادہ پڑا۔ اب تک ساس پر امڈی ہوئی ہمدردی ماں پر امڈ آئی۔ ماں اس کی زندگی کی بنیاد تھی۔ اس کی درد بھری آواز سن کر بھرمّا کا دل بھر آیا۔ ساس نے کبھی آج تک بلایا نہیں، آج ہی کیوں کھلایا پلایا۔ منع کرتے ہوئے بھی دوبارہ لڈو لا کر ڈال دیے۔ جیسے ماں کہتی ہے اس نے کچھ ملایا تو نہیں تھا۔ اس طرح ساس کے پیار کے بارے میں کئی شک آمیز خیال اس کے ذہن میں اٹھنے لگے۔

اس نئی جوانی میں تارگا کے لیے اسے جو قدرتی سی کشش محسوس ہونے لگی تھی وہ ساس کے کچھ کھلا دینے کے ڈر سے کافور ہو گئی۔ اس لیے تارگا کی طرف کھنچتے ہوئے دل کو روکنے کی کوشش کرنے لگ گیا۔

9

چار مہینے سے ہونا نے بستر پکڑ رکھا تھا۔ چار دن ٹھیک رہتا تو چار دن پھر بیمار۔ ہلکی سی کھانسی تھی۔
بیچ بیچ میں بخار آجاتا تھا۔ ہاتھ پیر ٹوٹتے سے رہتے تھے۔ کھانے کو دل نہیں کرتا تھا۔ اس طرح دھیرے دھیرے
وہ کمزور ہوتا جا رہا تھا۔ دو تین گھمکر' گوالوں سے اس نے دوا بھی لی۔ انھوں نے دوا کے پیسے بھی آدھے لیے اور کہہ
گئے کہ باقی پیسے ٹھیک ہونے پر لے جائیں گے۔ لیکن وہ اپنے پیسے وصول کرنے کے لیے پھر آئے ہی نہیں۔ اس
لیے ان سے وہ کچھ مزید دریافت بھی نہ کر سکا۔ ہونا دن بدن کمزور ہوتا گیا۔ مگر اس کے دل میں یہی خواہش رہی کہ
کب وہ کھیت پر جا سکے۔ کبھی کبھی اس کے دل میں خیال آتا "میری تو سب اچھی کٹ گئی۔ پوتے پوتیوں کا منھ
دیکھ لینے کے بعد اگر بھگوان اٹھاتا تو کتنا اچھا ہوتا۔" اس نے کئی بار یہ بات لوگوں کے سامنے بھی کہی۔

نگدم کی رتنوا کو' ہونا کی اس خواہش کا پتہ چل گیا تھا۔ اسی وجہ سے وہ بھی اپنے پتی کے پیچھے پڑ گئی۔ وہ بولی:
"جب ہونا کو دیکھنے جاؤ گے تو اس بات کو اٹھانا۔ لڑکی کو مہینہ ہوئے چار پانچ سال ہو گئے۔ دیے میں جلتی
بتی کی طرح وہ جل رہی ہے اسے ابھی تک پتی کے ساتھ سونے کے لیے نہیں بھیجا۔ تم پتہ نہیں کیا سوچا کرتے ہو؟
کیا تمھیں اس کا رتی بھر خیال ہے۔ تمھاری بہن کو اس سے کیا مطلب؟ وہ بھی تمھاری ہی راشی پر پیدا ہوئی ہے۔
اسے کیا معلوم لڑکیاں کیسے رہتی ہیں؟ کم سے کم تم تو ہونا کے سامنے بات اٹھاؤ۔"

مل کے دل میں بھی بیٹی کی فکر تھی۔ لیکن اس طرح کی باتیں منھ سے نکالنا کیا مناسب ہوگا۔
ایک دن وہ ہونا سے ملنے گیا۔ چھوا پاس نہیں تھی۔ موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بولا "تم دن بدن کمزور
ہوتے جا رہے ہو۔ اگر تمھارے سامنے پوتے پوتیاں کھیلتے تو تم ٹھیک ہو جاتے۔"

ہونا اس بات کو تسلیم کرتے ہوئے بولا "بیٹے کی شادی ہوئے پانچ چھ سال ہو گئے۔ اس کے ساتھیوں
کے ایک ایک' دو دو بچے بھی ہو گئے۔ ہمارا تو نصیب ہی خراب ہے۔"

"نصیب بھی کیا کرے۔ بچے کیا پیدا ہونا نہیں چاہتے' مگر..........." اس بات کا مطلب بھانپ
کر ہونا کے دکھی چہرے پر ہلکی سی ہنسی دوڑ گئی۔ اس ہنسی میں کتنا درد چھپا تھا' یہ مل بھی سمجھتا تھا۔ ایسا
نہیں کہ ہونا اس بات کو سمجھا نہیں تھا، لیکن اس کی بیوی اس بات کو مانے گی نہیں۔ اس سے منوا لینا بھی

ممکن نہ تھا۔ اور اب بستر پکڑ لینے کے بعد تو اس کی مخالفت کرنا بھی ممکن نہ تھا۔ وہ کہنے لگا "تارکا گر بھودتی ہے۔ یہ بات میرے کان میں پڑنے کے بعد میں مر بھی جاؤں تو بھی مجھے خوشی ہوگی۔ مگر وہ ...." بھودنا کچھ اور کہتا مگر دروازے کی اوٹ میں باتیں سنتے ہوئے چھوا جھٹ سے آگے آئی اور بولی "ہم کیسے گذارا کر رہے ہیں مگر ان کا دماغ کہاں گھومتا رہتا ہے۔ آگ لگے۔ ہم تو اپنے میں ہی مرے جا رہے ہیں۔ میری تو رات دن آنکھ ہی نہیں لگتی مگر ان کو.........."

بیوی کی باتیں سن کر بھودنا چپ ہو گیا۔ اس کا چہرہ مرجھا گیا۔ دل کا چہرہ بھی اتر گیا۔ پھر بھی وہ بولا "اس سے ہم بھی فکرمند ہیں۔ گھر پر آفت نہیں آنی چاہیئے۔ اس لیے تو ہم کہہ رہے تھے کہ گھر میں پوتے پوتیاں ہونے چاہئیں۔"

"ہاں بچے ہوں گے۔ کیا انھیں سڑک سے پکڑ لائیں گے۔ یہ دیکھتے نہیں؟ یہ بستر پر پڑے ہیں۔ کھلیان میں آگ لگے تو اسے بجھانے کی بات چھوڑ کر بیج بونے کا وقت پوچھا جاتا ہے؟"

باتیں وہیں کی وہیں رک گئیں مگر موضوع وہیں نہ رکا۔ دوپہر کو جب بیٹا کھانا کھانے آیا تو چھوا بولی "آج تمہارا سسر تارا کے بارے میں کہنے آیا تھا۔" بھرما نے حیرانی سے پوچھا "اس کے بارے میں کیا؟"

"بیٹی کے ابھی بچے نہیں ہوتے؟"

بیچ میں ہی تعجب کرتے ہوئے بھرما بولا "کون کہہ رہا تھا؟"

"اور کون کہے گا....." کچھ رک کر "یہ تو پڑے ہوئے ہیں۔ اس بات کی انھیں کیا فکر؟ کچھ بھی نہیں۔ جب سے انھوں نے بستر پکڑا ہے تب سے انھوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ یہ گھر بھی ان کا ہو گیا۔ خوشی کے مارے تیری ساس اتنی چوڑی ہو گئی ہے۔" ہاتھ پھیلا کر چھوا بولی۔ اس بات سے بھرما اداس ہو گیا۔ وہ بولا "ہمارے باپو نے بستر پکڑ لیا تو اس میں ان کو کس بات کی خوشی........؟"

"تم ابھی بچے ہو۔ تمھیں ابھی سمجھ ہی کیا ہے؟ بوڑھے کو تو انھوں نے اپنی طرف کر لیا ہے۔ وہ تو روز تمباکو پینے کے بہانے آکر کچھ نہ کچھ کان بھرتا ہی رہتا ہے۔"

"کیوں؟" بھرما نے ناسمجھ بن کر پوچھا۔

"تم سب سمجھ جاؤ گے۔ میں کیوں بولوں۔ کیا تم ابھی دودھ پیتے بچے ہو؟" پھر کچھ رک کر....."پر اتنا بتائے دیتی ہوں تم اس کی بات پر کان نہ دھرنا۔" چھوا نے اس بات کو اور ہی رنگ دے کر بتایا۔

"بات کھول کر کرو نا! ایسے کہو گی تو کیسے سمجھ میں آئے گی؟" بھرما نے چڑ کر پوچھا۔

اتنے میں تارکا اندر آئی۔ اس لیے بات بدل کر بولی "سب کچھ پر ڈالتے ہو۔ تمھیں کیا؟ بڑے ہو گئے۔ بیوی آگئی، بڑھیا کی کیوں پرواہ کرو گے؟"

بھرما کھانا کھا کر باہر چلا گیا۔ یہ نہیں کہ تارکا کو ان باتوں کا مطلب سمجھ میں نہ آیا ہو۔ وہ جب گھورے پھر کوڑا

ڈالنے لگی تو منہ ہی منہ میں بڑبڑا رہی تھی: "ماں اور باپو اسسرجی کو دیکھنے بار بار کیوں آتے ہیں؟"

یہی بات اس نے ماں سے ملنے پر کہی۔ رتنوا چپ رہی تو تارکا پھر بولی: "آتے ہیں تو محض دو چار باتیں کر کے چلے ہی نہیں جاتے۔ کوئی نہ کوئی میری بات کیوں اٹھاتے ہیں۔ اب کسے چاہیئے وہ سکھ۔ جب لگن کے وقت منڈپ سے ہی غصے سے اٹھے تھے تو میں سمجھ گئی تھی کہ میری زندگی میں سکھ نہیں۔ آپ لوگ اگر بیچ میں کچھ نہ کچھ کہتے رہیں گو کیا بنتا ہے؟ تقدیر کا لکھا کبھی غلط ہوتا ہے کیا؟"

رتنوا کو ایسا لگا جیسے کوئی بجلی گر پڑی ہو۔ اس نے سمجھا تھا کہ اس کے پتی کے ہوونّا سے کہنے پر کچھ بات بن جائے گی۔ لیکن اس کے نتیجے کے طور پر یہ بات بیٹی کے منہ سے سن کر وہ مایوس ہو گئی اور فکر میں ڈوب گئی۔ اس نے دل میں سوچا: "بیٹی کے سکھ کے لیے جب بھی کچھ کرتی ہوں، ایسے الٹا کیوں ہو جاتا ہے؟ کیا کوئی اور برا اثر تو کام نہیں کر رہا؟ دکشنا دے کر پنڈت جی سے پوچھ دیکھوں؟" لیکن بیٹی کے سامنے اس نے اپنے دل کی بات نہ کہی۔

ایسی بات نہیں کہ یہ خیال رتنوا کے دل میں پہلی بار اٹھا ہو۔ اس سے پہلے بھی اس نے کئی سنت اور فقیروں سے پوچھا تھا۔ پیسے بھی خرچ کیے تھے۔ کبھی کوئی مل جاتا تو پیسے دے کر تعویذ بنواتی اور بیٹی کے گلے میں باندھ دیتی۔ چھوا جب وہ تعویذ دیکھتی تو بیٹے کو کہہ کر تڑوا ڈالتی۔ اس طرح دو تین دفعہ ہو جانے پر تارکا نے تعویذ وغیرہ گلے میں باندھنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ تارکا سمجھ گئی تھی کہ تعویذ سے ساس کا دل ملنے کے بجائے اور بھر جاتا ہے۔ لیکن رتنوا اس طرح کی کوششوں سے ابھی مایوس نہیں ہوئی تھی۔ اس نے پڑوس کے گاؤں کے پنڈت کے پاس جا کر شاستر پوچھا۔ وہ بولا "بچھواڑے کڑوا ہے۔ اسے تمھارے بزرگ سال میں ایک بار ساڑھی پہنا کر پوجا کیا کرتے تھے اور چار سیر چاول بنواتے تھے۔ وہ تمھاری بیٹی کے پیچھے پڑ گئی ہے۔ تم بھی اس دیوی ماں کو اماوسیا کے دن کالی ساڑھی پہنا کر پوجا کرو۔ تب تمھاری بیٹی سکھی ہوگی" اس لیے اماوسیا کے نزدیک آتے ہی رتنوا نے پوجا کی تیاری کر دی۔

یہ دیکھ کر مل نے سرسری طور پر کہا "ہوونّا بیمار ہے۔ کہیں چھوا یہ نہ کہے کہ ہم ایسے موقعہ پر پوجا کی خوشی منا رہے ہیں۔"

رتنوا کے پیش نظر بیٹی کے بھلے کے علاوہ اور کوئی بات ہی نہیں تھی۔ لیکن کسی فقیر نے یہ بات نہیں بتائی تھی۔ اس لیے اس نے ارادہ کر لیا تھا کہ وہ پوجا ضرور کرے گی۔ چنانچہ وہ بولی "اس میں کیا ہے؟ وہ کوئی آج کا بیمار ہے؟ اسے بیمار ہوئے پانچ چھ مہینے گذر گئے ہیں۔ کیا انھوں نے گھر میں کھانا پینا چھوڑ دیا ہے۔ اب پندرہ بیس دن سے وہ لاٹھی کے سہارے چلنے پھرنے لگا ہے۔ میں پوجا کروں تو انھیں کیا؟"

اس پر مل چپ ہو گیا: "گھر میں دیوی کی پوجا ہے" کہہ کر چار دن کے لیے تارکا کو گھر لے آیا۔ تارکا نے میکے

آتے ہی اپنا پور سے ماسی اور اننت کو بلا بھیجا۔ نگران ہیں سے کوئی نہ آیا۔ انھوں نے کہلا بھیجا: "چار چھ دن کے لیے گھر چھوڑا نہیں جا سکتا۔ اما دسیا کی صبح کو پہنچ جائیں گے"

ایک دن دوپہر کو جب چموا پانی لانے کے لیے ندی کنارے گئی تو وہاں چاگلوا ملی۔ بات کرنے کی خاطر اس نے پوچھا "چاچا!" "پانی لانے کا کام تمھارا ہی ہے؟"

"وہ مہارانی میکے گئی ہے تو اور کون لے جائے؟ اسے کیا؟ وہ تو شادی کر کے آکر گدی پر بیٹھ گئی۔ گھر بار سنبھالتے سنبھالتے ہمارے سر کے بال جھڑ گئے اب بھی گھسے بغیر کام نہیں چلتا" یہ سب کہنے میں چموا کا مقصد یہی تھا کہ بڑھیا جا کر رتنوا کو یہ بات سنائے۔

چاگلوا نے چموا کی بات کا جواب نہ دیتے ہوئے اپنی پہلے سے ہی سوچی ہوئی بات کہی "پتہ نہیں کیا کیا کرتے ہیں؟ ہمارے پرانوں میں کیا ایسے ویسے دیوتاؤں کی پوجا لکھی ہے۔ ایتوا، کریوا، جیسے چھوٹے دیوی دیوتاؤں کی پوجا کرنے سے کہیں بیٹی کا گھر بس جائے گا؟"

چموا سب سمجھ گئی۔ پھر بھی قریب جا کر تھوڑا حیران ہو کر پوچھنے لگی: "کس کا گھر؟ کیا کرنے جا رہے ہیں؟"

"اور کس کا؟ تمھاری بہو کا ہی تو۔ ان کا سر! اس کا گھر بسانے کو ہی تو تمھاری سمدھن دیوی کی پوجا کرتے جا رہی ہے۔ کہیں سے پوچھ کر آئی ہے۔ پتہ نہیں کیسی دیوی ہے؟ رات کو کھانا کھاتے ہیں بھوتوں کی طرح۔ پتہ نہیں اس میں کتنی ہنسا ہوگی؟ ہونے دو۔ دن میں نہیں ہو سکتا کیا؟" کہتے ہوئے چاگلوا آگے بڑھ گئی۔

چموا نے ایک دفعہ تو سوچا کہ گھر جا کر ساری بات خاوند کو بتائی جائے لیکن یہ سوچ کر چپ رہی کہ وہ اسے سن کر کیا کرے گا؟

اما دسیا کے دن صبح سے ہی کھانا بنانے کی تیاری ہونے لگی۔ اسی دن کا لایا ہوا پانی رسوئی کے لیے رکھا گیا۔ رتنوا فوراً بازار سے مسالے اور دیوی کی پوجا کے لیے ضروری چیزیں خرید لائی۔ اس دن پانچ سیر کا کھانا بنانا تھا۔ پڑوس کی دو تین عورتیں پکانے آئی تھیں۔ یہ کام، کرنے والے کو نہا دھو کر، دھلے ہوئے کپڑے پہن کر کرنا تھا۔ ساس کے گھر کام کرتے کرتے بیٹی ٹوٹ کر آئی تھی اس لیے رتنوا نے تارکا کو کام کرنے کے لیے نہیں کہا۔ وہ گھر کے چھوٹے موٹے کام کر رہی تھی۔ اس میں بھی وہ بار بار باہر جا کر کسی کے آنے کی راہ دیکھ لیتی۔ دن چڑھتے چڑھتے اس کی بے چینی بڑھتی گئی۔ دروازے پر جو بھی آہٹ ہوتی دوڑ کر دیکھتی۔ تھوڑی دیر بعد ایک بیل گاڑی دروازے پر آ کر رکی۔ تارکا دوڑ کر گاڑی کے قریب گئی۔ سامان اتروانے لگ بھی گیا۔ گاڑی میں اکیلی سندروا کو دیکھ کر، مایوسی کی حالت میں تارا نے پوچھا "اننتو نہیں آیا؟"

گاڑی سے اترتے ہوئے سندروا بولی "اس کے امتحان قریب تھے اس لیے نہیں آیا، بیٹا!"

تارکا کا چہرہ اتر گیا۔ وہ اننت کا راستہ دیکھ رہی تھی۔ امید پوری نہ ہونے پر اس کا دل بوجھل سا ہو گیا۔

اسی روز دن ڈھلے مل نے جاکر ہوونا سے کہا: "آج شام کو پوجا ہے۔ کسی طرح آکر تھوڑا پرساد لے لینا۔"

"اب کیا لینا دینا ہے؟ وہ سب کیوں؟ میرا اور تمھارا گھر الگ الگ ہے کیا؟ اور سب لوگ آئیں گے ہی۔" تمباکو پی کر چلم دیتے ہوئے ہوونا نے کہا۔

"زیادہ نہیں کھانا۔ صرف دال چاول کھا لینا۔ تھوڑا ذائقہ بھی بدل جائے گا۔ دھیرے دھیرے لے جا کر کھلا دوں گا۔ کوئی دور بھی نہیں جانا ہے۔"

"اچھی بات ہے۔ دیکھوں گا۔ سب کام ختم کر لو۔"

اسی وقت چھوا باہر سے آکر ذرا غصے سے بولی "کہیں جانے کی ضرورت نہیں اور کیوں جاؤ گے؟ بہت سے گوڑ لوگ ہمیں بلاتے ہیں۔ سماج کے لوگ بھی بلاتے ہیں اب تک کہیں نہیں گئے۔ پرسوں گوڑجی نے زبردستی بھی کی، تو بھی نہیں گئے اُنھوں نے ڈھیر سا کھانا گھر بھیج دیا۔ میں نے اسے بھی کھانے نہیں دیا۔" یہ سب سنانے میں اس کا مطلب یہی دکھانا تھا کہ ان کے ساتھ کتنے لوگوں کی ہمدردی ہے۔

یہ سمجھ کر مل بولا۔ "اس میں کیا ہے بہن؟ جہاں چار آدمیوں سے تمھارا میل جول ہے وہ تو بھیجیں گے ہی۔ ہم بھی تمھارا کھانا گھر بھیج دیتے مگر بھگوان کا پرساد گھر سے باہر لے جانا منع ہے اس لیے وہیں بلا کر کھلانا چاہتا ہوں۔" اتنا کہہ کر سب گھر والوں کو دعوت دے کر، ہوونا کو آنے کے لیے دوبارہ کہہ کر، مل واپس گھر چلا گیا۔

مل کے جانے کے بعد چھوا ہوونا پر برس پڑی: "کوئی ذرا بلائے تو جھٹ تیار ہو جاتے ہو جیسے گھر میں کھانے کو نہیں ملتا؟ دوسروں کے گھر سے کھا کر آنے پر اگر بستر پکڑا تو یہاں تمھاری خدمت کرنے والے ہم بڑے تنومند بیٹھے ہیں۔ کیا یہی سمجھ رکھا ہے؟ چار مہینے سے تمھاری تیمارداری کرتے کرتے میری کمر ٹوٹ گئی ہے۔"

ہوونا کراہتے ہوئے، آنکھوں میں پانی بھر کر بولا: "اب چار دن سے پاؤں ہی نہیں چلتے۔ کھانسی بڑھ گئی ہے۔ اگر ٹھیک ہوا تو جاکر کھا آؤں گا لیکن کیا میں کل کھانا کھانے جا پاؤں گا؟ تمھارا میکہ ہے۔ تم آج نہیں تو کل جاکر کھاؤ گی۔"

"ہاں میکہ ہے۔ وہ تو میرے دشمن کا گھر بن گیا ہے۔ میرے مرنے پر اس کی بیٹی سکھی ہو جائے گی۔ انھیں تو اسی بات کا انتظار ہے۔ میرا میکہ تو کبھی کا ختم ہو گیا" کہہ کر چھوا نے انگلیاں چٹکائیں۔ "آگے پتہ نہیں کب سنّے کو ملے گا کہ اس کے گھر کا چراغ بجھ گیا" یہ بد دعا بھی اس کے منہ سے نکلی۔

سورج غروب ہوتے ہوتے کھانا تیار ہو گیا۔ مل نے کریوا کو کالی ساڑھی پہنائی۔ گود میں چاول بھرے۔ اس کے سامنے کپڑا بچھا کر اس پر بھات اور ہولے[1] کی ڈھیر لگائی۔ لیموں کی پھانکیں دونوں طرف رکھیں،

---

[1] گڑ اور دال سے بنی ایک میٹھی چیز جو دیکھنے میں پراٹھے جیسی ہوتی ہے۔

اس کے بعد دھوپ جلا کر ناریل توڑا۔ رتنوا نے ''ماں، ماتا، میری بیٹی کا بیڑا پار کرو'' گنگناتے ہوئے دیوی کو نمسکار کیا۔ اس نے دل ہی دل میں پرارتھنا کی کہ بیٹی کے گھر اگلے سال تک اگر لڑکا پیدا ہوا تو آپ کو پھر سے ساڑھی پہناؤں گی۔ تب تک اندھیرا ہوئے دو گھنٹے گزر چکے تھے۔

مل محلّے کے لوگوں کو کھانے کے لیے بلانے گیا۔ آدمیوں کی قطار کھاپی کر اٹھ گئی تو مل ہو دنا کو بلا لایا۔ دونوں ساتھ ساتھ کھانا کھانے بیٹھے۔ ہو دنا کے منھ کا ذائقہ ذرا بدلا۔ اس نے کچھ زیادہ ہی کھایا۔ کھانے وقت وہ بھی کہتا گیا۔ ''پھر کیا ہوا۔ مرنا تو ہے ہی۔ پانچ چھ مہینے ہوگئے گڑ کا منھ دیکھے۔ آج ہی کھایا ہے۔''

اس پر رتنوا حوصلہ دیتے ہوئے بولی ''کچھ نہیں ہوگا۔ بھگوان کا پرساد ہے۔ سب اس پر چھوڑ دو۔ بس ٹھیک ہو جائے گا۔'' اس لیے ہو دنا معمول سے کچھ زیادہ ہی کھا گیا۔

رتنوا اس دن چموّا کو بلانے گئی۔ باز دیکھو کر بڑی ہٹ سے کھانے کو بلایا۔ لیکن وہ نہ آئی۔ ''سارے گھر کے لوگوں کو کھانا کھانے کی کیا ضرورت ہے۔ کوئی شادی بیاہ ہے کیا؟ کیا اتنا ہی کافی نہیں کہ سسرا اور بہو دونوں پہنچ گئے ہیں۔'' اس نے بھرما کو بھی معمول سے ذرا جلدی ہی کھانا کھلا کر کھیت پر بھیج دیا تھا۔ اس نے بھی وہاں جانے میں دلچسپی نہ دکھائی۔

اگلے ایک مہینے ہو دنا کراہتا اور گھسٹتا رہا۔ بعد میں کارتک کی برسات کی ٹھنڈی ہوا کی زد میں آکر اس نے دوبارہ بستر پکڑ لیا۔ ''سمدھی کے گھر دعوت کھا کر آئے تھے نا! ساتھ میں بیماری لے آئے منع کرنے پر بھی میری نہ مانی!'' چموّا نے بیسوں بار سنایا۔ وہ صرف ہو دنا کو ہی سنا کر چپ نہ رہی۔ بہو پر بھی تہمت لگا کر کہتی ''بلا کر نہ جانے کیا کھلا دیا۔ چار دن' اس کا تندرست رہنا تم لوگوں کو اچھا نہ لگا۔''

جب بھی تارکا یہ طعنے سنتی، اس کی آنکھوں سے آنسو بہے بنا نہ رہتے۔ وہ دکھی ہو کر دن رات بھگوان سے پرارتھنا کرتی ''اے ماں، اے پربھو! ہم پر یہ بدنامی آئے گی۔ ہمیں اس سے بچالو۔ ایک بار انھیں ٹھیک کر دو۔'' لیکن اس مرتبہ ہو دنا کی صحت سے ایسا نہیں لگتا تھا کہ وہ برسات گزار پائے گا۔

جیسے جیسے ہو دنا کی بیماری بڑھتی گئی، ویسے ویسے چموّا کے دل میں وہم گھر کرتا گیا۔ اسے لگا' اس کے خاوند کو کچھ کر دیا گیا ہے۔ جب تک وہ ہے تبھی تک میری چل سکتی ہے۔ اس کے نہ رہنے پر مجھے کون پوچھے گا؟ ایسے خیالات دل میں آتے ہی اس کا شک اور بھی پکا ہو جاتا۔ اس لیے ایک دن وہ پنڈت سے پوچھنے گئی۔ پنڈت کا نام دیویندر تھا۔ وہ دوپہر کی نیند سے ابھی ابھی اٹھا تھا۔ چموّا دروازے پر پہنچی تو اس نے مسکرا کر اس کا استقبال کیا۔ ''آؤ چموّا! بہت دنوں میں آئیں ہیں آپ۔''

چموّا اندر جاتے ہوئے بولی ''پنڈت جی سے کوئی کام ہو تبھی تو آیا جاتا ہے۔ نہیں تو کیوں؟'' پھر اندر آنگن میں جا کر بولی ''ذرا پانچانگ تو نکالیے۔''

دیویندر اندر سے پانچانگ کا بستہ لے آیا اور اسے سامنے رکھ کر ہونٹوں میں کچھ منتر بدبدانے لگا۔ چموا نے آگے بڑھ کر پیسہ رکھا اور نمسکار کرکے کچھ ہٹ کر پاس ہی بیٹھ گئی۔ کچھ رکی اور جب پنڈت نے پانچانگ پر بندھے کپڑے کی گرہ کھولی تو وہ بولی "ٹھیک طرح سے سوچ کر بتانا بھیا۔ ہاتھ جوڑتی ہوں۔ میرا گھر والا جب سے مگدم کے گھر سے کھانا کھا کر آیا ہے تب سے اس کی بیماری بڑھتی جا رہی ہے۔ ذرا دیکھ کر بتاؤ اسے کچھ کھلا تو نہیں دیا گیا؟"

دیویندر نے ساری باتیں دھیان سے سنیں۔ تین چار دفعہ کوڑیاں پھینکیں اور کچھ جوڑ جاڑ کر حساب لگایا۔ آخر میں چموا کے ہاتھ میں ایک تیلی کا ٹکڑا دے کر اسے کتاب کے اندر کہیں رکھنے کو کہا۔ چموا نے بڑی عقیدت سے اس تیلی کو کتاب میں ایک جگہ رکھ دیا۔ پنڈت نے وہ صفحہ کھول کر دیکھا۔ پھر کچھ سوچ سمجھ کر بولا: "کسی سہاگن عورت نے کیا ہے" چموا کا اندازہ ٹھیک نکلا۔ اس نے پنڈت کی بات پر عقیدت سے سر ہلایا۔ بعد میں پنڈت سے آہستہ سے پوچھا "اس کا کوئی علاج ہے کیا؟ بتایئے"

دیویندر نے کچھ سوچ کر، تیوری چڑھا کر پانسہ پھینکا اور بولا "ہو سکتا ہے لیکن اس کے لیے پیسے خرچ کرنے ہوں گے"

"خرچ کی آپ فکر نہ کریں۔ چاہے جتنا ہو، میں دوں گی۔ آپ کیجیے"

"اس میں کرنا ہی کیا ہے؟ شاستر کے اثر سے گرہ قابو کر دوں گا۔ دوسروں کی طرح کالی ساڑھی پہناؤ دیوی کی پوجا کرو۔ رات کو لوگوں کو کھانا کھلاؤ۔ ایسی باتیں میں نہیں جانتا۔ سیدھا پدماوتی کی پوجا کر کے تعویذ بنا دوں گا۔ اسے ہوتا کے دائیں بازو پر باندھ دینا۔ بس ہو گیا کام"

چموا نے ایک بار پھر ہاتھ جوڑے اور التجا کی "اتنا کر دینا بھیا۔ چاہو تو ایک آدھ روپیہ لو"

"تم کوئی فکر نہ کرو۔ میں سب سنبھال لوں گا" پنڈت جی نے کہا اور اطمینان دلاتے ہوئے بولے: "اس کا بال بھی بیکا نہ ہوگا۔ تم پوجا کا سامان لے آؤ۔ اگر وہ بھی نہ ہو سکے تو تم مجھے سوا دو روپے بھیج دینا میں سب کچھ کر لوں گا"

"روپے لا دیتی ہوں" کہہ کر چموا اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسی وقت اندر سے دیویندر کی بیوی نے آواز دی "آؤ چموا بہن اندر آؤ"

"چلوں گی بھی شام ہو گئی"

"ہونے دو۔ اب کیا ہے۔ گھر میں بہو ہے کرے گی سب کچھ!" چھیڑ کے لہجے میں پنڈت کی بیوی مرودیوی بولی۔ چموا اندر جاتے ہوئے بولی "ہاں ہاں جی۔ گھر کا کام بہو دیکھ لے گی۔ بغیر کہے کوئی اپنے آپ کام نہیں کرتا انھیں کہنے سے آپ ہی کر لینا اچھا ہے"

"اور کیا آج کل کی لڑکیاں کرتی بھی کیا ہیں۔ یں پاس پڑوس کی بہوؤں کو دیکھتی نہیں؟ اپنی کی ہی کیا کہتی ہو؟"

"سب ایک جیسی ہیں۔ ہمارا ابھی تو نصیب ہونا چاہیے۔" چھموا نے بیچ میں اپنی بات جوڑ دی۔

مرودیوی گال پر انگلی رکھ کر حیرانی سے بولی "ہوں۔ اری پگلی! تم لوگ پرانے زمانے کے ہو۔ تمھیں کیا پتہ؟ بس یہی کہتی جاتی ہو نصیب میں نہیں ہے۔" کچھ رک کر بولی "ہاں چاکیا تمھاری سمدھن کے لیے گاؤں میں کوئی پنڈت نہیں ہے۔ دوسرے گاؤں میں جا کر پوجا کی بات پوچھی ہے؟ ایسا کیا ہو گیا ہے تمھاری بہو کو؟"

چھموا کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ مرودیوی پھر بولی "جو کچھ کرنا تھا وہ تو کر لیا۔ مگر گاؤں کے کسی پنڈت کو کھانے پر بلانا بھی نہیں تھا۔" پھر ہاتھ مٹکاتے ہوئے بولی "چھوڑو ہم بھی آدھی رات کو کہاں جانے والے تھے! میرے گھر والے ——— دن چھپ جانے کے بعد پانی بھی منھ میں نہیں ڈالتے۔"

اس نے یہ بات اس لیے سنائی کہ چھموا کے دل میں یہ شک نہ ہو کہ گدم کے نہ بلانے سے اس کے دل میں غصّہ ہے۔

"تمھیں بلایا تھا یا نہیں" منھ کھول کر پھر ذرا رک کر بولی۔

"میں تو خود ہی نہیں گئی۔ تین تین بار بلانے آئی تھی۔" چھموا نے گھمنڈ سے بتایا۔

مرودیوی بولی "گئی نہیں۔ اچھا ہوا۔ جانے دو۔ جو کھانے گیا' اسے کیا سکھ ملا!"

10

لوگ ابھی ابھی ہودنا کی آخری رسومات پوری کر کے لوٹے تھے۔ صبح کا وقت ہونے کی وجہ سے بہت سے لوگ ارتھی کے لیے اکٹھے ہوئے تھے۔ بھرتا پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔ اسے مل بازو سے پکڑ کر دھیرے سے اندر لے آیا۔ ہودنا کو آخری وقت جہاں رکھا گیا تھا وہ جگہ گوبر سے پوت دی گئی تھی اور وہاں ایک گھڑے میں پانی بھر کر رکھ دیا گیا تھا۔ جتنے لوگ آخری رسومات کے لیے ساتھ گئے تھے وہ اپنے ساتھ لائے ہوئے

کنکر اور گھاس کو اس گھڑے میں ڈال کر اپنے اپنے گھر گئے۔ برآمدے میں چموا بیٹھی تھی۔ اس کے پاس ہی رتنوا اسے پکڑے بیٹھی تھی۔ قریب ہی ایک کونے میں تارکا بیٹھی تھی۔ اکلوتی کنواری لڑکی تھی اور چھوٹی تھی اس لیے وہ گھر کے اندرونی حصّے میں بیٹھی تھی۔ ایک دو پڑوسنیں گھر کا کام کاج دیکھ رہی تھیں۔ ان کی دیکھ بھال کے لیے وہ وہاں تھی۔

بھرما کے آتے ہی چموا چیخ اٹھی " جلا کر خاک کر آیا بیٹا اپنے باپو کو۔ ا۔ تو میرے راجا میرا سیندور پونچھ دیا۔ میرا منگل سوتر توڑ دیا۔ میرے سونا میری خوشی۔ میرے سنگار کہاں چھپ گئے تھے ؟" پھر ذرا سانس لے کر "اے بھگوان ! تم نے یہ روپ دے دیا مجھے۔ ایو ایو۔ ہیو" دھاڑیں مار کر وہ رونے لگی۔

رتنوا اس سے لپٹ کر اپنے آنسو پونچھتی اور تسلّی دیتے ہوئے بولی " اب تو بس منہ سے کہنے کو رہ گیا۔ تمھارا راجہ اب کہاں سے آئے گا ؟ اس کے ساتھ تھی تمھاری خوشی' اسی کے ساتھ گیا تمھارا راج پاٹ۔ اب کہاں سے آئے گا ؟ رونے سے نہیں پیٹنے سے نہیں۔ وہ تو ایسے راستے گیا جہاں سے کبھی کوئی نہیں لوٹا۔"

"ایو۔ گیا نہ میرا راجہ۔ ایو ! ایو !"

اندر سے آتی ہوئی ایک دیورانی یا جیٹھانی تسلّی دیتے ہوئے بولی: " وہ تو چلا گیا۔ وہاں بھی اس کی ضرورت تھی۔ چلا گیا۔ جن کی ضرورت یہاں نہیں ان کی وہاں بھی نہیں۔ ایسے کے لیے موت بھی نہیں۔"

رتنوا: " ہاں میرے سمدھی کی سب کو ضرورت تھی بھگوان نے اسے اور چار دن نہیں بخشے " پھر سرد ھنتے ہوئے بولی " وہ تو یہی کہتا مرا کہ ایک بار بہو کو گر بھوتی ہی سن لے۔"

چموا رتنا سے بھی زور سے چیخ کر رونے لگی۔ وہیں پاس بیٹھی تارکا بھی سسک سسک کر روئے جا رہی تھی۔ ان لوگوں کی طرح اسے چیخ کر رونا نہیں آتا تھا۔ اس لیے اس کی طرف لوگوں کا دھیان کم تھا۔ آنے والے چموا کے پاس جا کر اسے ہی تسلی دیتے۔ پنڈت دیویندر کی بیوی نے تارکا کے پاس جا کر طعنہ کسا " اب بس کرو۔ جو ہوتا ہے وہ اچھا ہی ہوتا ہے۔"

تارکا منھ سے کچھ نہ کہہ سکی اور سسک سسک کر رو پڑی۔ کیا جواب دینا چاہیئے اس کی سمجھ میں نہ آیا۔ اس کا غم اتنا زیادہ تھا۔ لیکن چموا اس بات کے معنی بھانپ کر بولی: اس کے تو من کی پوری ہو گئی بہن۔ ان لوگوں نے اسے کچھ کھلا دیا۔ میرے تو ہاتھ پیر کٹ گئے "۔ کہتے ہوئے زور کی آواز نکال کر رونے لگی۔ رتنوا گھبرائی۔ اس نے چموا کو تسلی دیتے ہوئے کچھ دیر سوچا۔ اسے ایسا لگا گویا تارکا کے نہ رونے کے سبب چموا اس طرح طعنہ دے رہی ہے۔ کچھ دیر بعد تارکا کے پاس جا کر اس کی ٹھوڑی پکڑ کر بولی ! اب کہاں سے آئے گا تیرا سسر ؟ اب کون تجھے تارا کہہ کر پکارے گا۔ اب روز کس کا بستر بچھائے گی ؟" اس طرح اس نے بیٹی کو رونے کا سبق پڑھایا۔

دوپہر ہوگئی۔ پڑوسی دہی لائے اور ان کو کھانے کے لیے اٹھایا۔ تب رونا دھونا اور زیادہ ہوگیا۔ ہاتھ پکڑ کر اٹھانے پر کھانے کے لیے گئے۔ بعد میں دھوپ ہونے کی وجہ سے آنے جانے والے کم رہ گئے، تب جانوروں کے چارے پانی کا بندوبست کرنے رتنوا گھر گئی۔ راستے میں پنڈت دیوینار کی بیوی مل گئی۔ اس نے رتنوا سے پوچھا۔ "اب چلی گھر کو؟"

"ہاں صبح سے وہیں تھے۔ وہ گھر نہیں جا سکتے۔ میں ہی ذرا جا کر نوکر چاکروں سے پانی وانی پلانے کو کہہ آتی ہوں۔"

اتنے ادھر سے چاگلوا آگئی اور بولی "ہاں، کام تو کرنا ہی پڑتا ہے۔ مرنے والے تو چلے گئے۔ پیچھے رہنے والوں سے مرا تھوڑا ہی جاتا ہے۔ جیسے تیسے زندگی چلانی پڑتی ہے۔"

رتنوا بولی "ابھی لڑکا نادان ہے چاہے جیسا بھی تھا، باپ بستر پر بیٹھا تھا۔ ایک سہارا تو تھا۔"

"یہ تو ٹھیک ہے پر کیا کیا جائے۔ کیا کرم تو بھگتنا ہی پڑتا ہے دیولوک میں اندرا اور چندر کو بھی کرم نے نہیں چھوڑا۔ ہم انسان کس کھیت کی مولی ہیں؟"

چاگلوا کی بات کو بیچ میں ہی روک کر مردو لوی بولی "پیچھے رہنے والوں کو کچھ نہیں ہوتا۔ جیسے تیسے چل ہی جاتا ہے۔ پر جو گیا اس کا کیا کہیں۔ بے چارہ اتنے دن محنت کرتے کرتے بوڑھا ہو گیا تھا۔ اب بیٹھ کر کھانے کا وقت آیا تو بھگوان نے اسے اٹھا لیا۔"

رتنوا آنسو بہاتی ہوئی بولی "بھگوان کے بلاوے کے آگے کیا بس چلتی ہے؟"

"کیا دودھ جیسا آدمی تھا۔ اب ذرا چلنے پھرنے لائق ہو گیا تھا۔ ذرا لاٹھی پکڑ کر مندر تک بھی آجاتا، پران سنتا۔"

"چموا بے چاری کی قسمت میں ہی ودھوا ہونا لکھا تھا۔ دہی مرجاتی تو کیا برا تھا؟ اب پیچھے سے یہ ہاری ہوئی بازی ہے۔"

لمبی سی سانس لے کر رتنوا "کون ساتھ کسے ملتا ہے" کہہ کر چلی گئی۔

دکھ کا وہ دن کسی طرح بیت گیا۔ اگلے دن ہڈیوں کی راکھ اٹھانے کی رسم بھی ہوگئی۔ دکھ کچھ کم ہوا، بھرما کا دل تھوڑا سنبھلا۔ چموا روتے روتے ہی اپنے ضروری کام کرنے لگی۔ دو چار دن گذر جانے کے بعد ادھر کہی گئی باتیں اس کے کانوں تک بھی پہنچیں۔ اس نے بیٹے کو بلا کر کہا "دیکھو بھرما! میری بات جھوٹ مت سمجھنا۔ انھوں نے کچھ کر دیا ہے۔ تمھاری ساس مجھ پر بھی کچھ کر دینا چاہتی ہے۔"

"کم از کم اب تو چار دن یہ باتیں چھوڑ دو۔ اب ان کے سوا ہمارا کون ہے؟" بیزار ہو کر بھرما بولا۔

"کیسی باتیں کرتا ہے؟ تیری ساس صاف صاف تو لوگوں کے سامنے کہہ رہی ہے۔ یہ سب بھول کر

تو انھیں کو سہارا بنا رہا ہے۔تو کیوں اُن کے پیچھے مرتا ہے۔؟"

"ماں! انھیں مجھے مار کر کیا ملے گا؟ ان کے اور بہت سے بچے ہیں کیا؟"

"جا! تو بھی جا کر ان کے ساتھ رہ۔ گھر چھوڑ کر کیوں نہیں چلا جاتا؟ میرا تو ان کے ساتھ گذارا نہیں ہوسکتا۔" غصے سے اتنا کہہ کر زور سے آواز نکالتے ہوئے کہنے لگی:

"اب میرا ہے ہی کون؟ سب نے مجھے پاؤں کی خاک سمجھ رکھا ہے۔ میرا راجا تو چلا گیا۔ ایو۔ میرا راجا! ہائے میرا راجا! اب میں تمھیں کہاں سے لاؤں۔ اب میری اس گھر میں کیا چلے گی۔ ایو ری ماں!"

باہر گیہوں کا بھاؤ بوجھ کر آتا ہوا ملّ اندر آیا اور روتی ہوئی چھوا کو ڈانٹ کر چپ کراتے ہوئے بولا:

"بس چپ رہو۔ اب کیا ہو گیا تیرے گھر میں؟ ساری پونجی تو تیری ہے۔ کس نے کچھ نہیں کیا ہے؟ چپ چاپ بیٹھ۔ سب تیرا ہی ہے۔ بیٹا ہے۔ کام کرنے کو بہو ہے۔ ان کی دیکھ بھال کرتے ہوئے زندگی گذار"

بھرما نے اٹھ کر باہر آتے ہوئے پوچھا "گیہوں کا بھاؤ پوچھا کیا؟"

"گیہوں کا بھاؤ پوچھا۔ سویا تین بتا رہا ہے۔ گڑ چاول سب اس سے لے لیں تو کچھ کم کر دے گا۔"

"ہاں تو" پھر ماں کی طرف گھوم کر" ماں کتنے کے گیہوں خرید لیں۔ سب جیتیوں کو تو کھلانا ہی ہوگا۔" کچھ رکتے رکتے بھرما نے چھوا سے پوچھا۔

چھوا روکھے پن سے بولی " مجھے کیوں جلاتا ہے؟ تیرا ماما ہے۔ سب اسے پتہ ہے اسی سے پوچھ کر لینا دینا!"

یہ بات بھرما کے دل میں چبھ گئی۔ اس نے آگے کچھ نہ کہا۔

ملّ نے ہی اپنی بہن سے کہا " گاؤں کے لوگ آئے تو ایک بوری تو چاہیئے ہی۔ اسے کوٹنے پیسنے ڈلوا دو۔"

"میں تجھ سے زیادہ ہوشیار ہوں کیا؟ جیسا تمھیں ٹھیک لگتا ہے کر دے" پھر کچھ رک کر" اے بھگوان مجھے ایسا دن کیوں دکھایا انھیں لے جاکر؟" کہہ کہہ کر وہ ماتم کرنے لگی۔

ہوتنا کے گذرنے کے بعد ملّ کچھ دن تک بہن کے گھر میں ہی رہا کیونکہ بھرما کو ابھی دنیاداری کا کوئی تجربہ نہیں تھا۔ اس کا خیال تھا کہ سمدھی کی آخری رسومات پوری کرا کے گھر جائے۔ اس میں کوئی دقت بھی نہیں تھی۔ ہوتنا گاؤں بھر میں ہر دل عزیز تھا۔ اس کے نام کے مطابق اس کی رسومات ہونی چاہیئے تھیں۔ اس میں کوئی دقت بھی نہیں تھی۔ گھر میں ایشور کا دیا روپیہ پیسہ کافی تھا۔ سب کچھ چھوا کے ہاتھوں سونپ کر ہوتنا نے آخری سانس لی تھی۔ لیکن فی الحال سامان کہیں سے قرضے پر لے کر ہی کام چلانا تھا۔ بعد میں چھوا ہی ادائیگی کر دے گی۔ اس نے یہی سوچا تھا۔ اس بات کا ذکر اس نے داماد

سے بھی کیا تھا۔

آج کل گھر کا سارا کام کاج تار کا کو ہی دیکھنا پڑتا تھا۔ اکا تائی اس کے ساتھ رہتی۔ چھوا پہلے کی طرح دوڑ دھوپ کر کے کام کرنے کی حالت میں نہ تھی۔ آنے جانے والوں کے ساتھ اسے ایک طرف بیٹھ کر بات چیت کرنی پڑتی تھی۔ اس وجہ سے گھر اور باہر کے سبھی لوگوں کے کھلانے پلانے کی ذمہ داری تار کا پر ہی تھی۔ وہ اسے بڑی لگن سے پورا کر رہی تھی۔ مگر ایک کام ابھی اس کے ہاتھ میں نہیں دیا گیا تھا۔ بھرما جب کھانا کھانے آتا تو اکا تائی ہی اسے کھانا پروستی۔ لیکن جب وہ نہ ہوتی تو چھوا خود آ کر بیٹے کو کھانا پروستی۔ وہ کام اس نے تار کا پر نہیں چھوڑا تھا۔ ممکن ہے اس بات کو بھانپ کر تار کا بھی خود بیٹے کو کھانا پروسنے کے لیے آگے کبھی نہ بڑھی۔ لیکن بھرما بہن کے کھیلنے جانے کا وقت دیکھ کر ہی کھانا کھانے آتا۔ ماں اگر کسی سے باتوں میں الجھی ہوتی تو وہ ماں کو پکار کر "ماں کھانا دو" کہتے ہوئے اس کے آنے کا انتظار کیے بغیر کھانے کے لیے بیٹھ جاتا۔ تب وہ ایک نظر تار کا پر ڈالتا۔ اس کی نظر میں "کھانا تم لگاؤ" کا منشا جھلکتا۔ تار کا جب تک یہ سوچ پاتی کہ اب اسے کیا کرنا' چھوا تحکمانہ انداز میں کہہ دیتی؛ "ذرا ٹھہرو ابھی آئی"۔ کبھی کبھی موقعہ نہ ملنے پر چھوا اسے کسی نہ کسی کام کے بہانے باہر نہ بھیج دیتی یا پھر بیٹی کو بلا کر پروسنے کو کہہ دیتی۔ اس پر بھرما کو کوئی ترکیب نہ سوجھتی۔

ایک دن مل گیہوں تلوا کر' وہیں رکھ کر گھر آ رہا تھا کہ راستے میں پنڈت دیویندر مل گیا۔ پنڈت نے مل کی طرف معائنہ کے انداز میں نظر ڈالی۔ اسے تاڑ کر مل کچھ بات کرنے کو ہی تھا کہ دیویندر نے خود پوچھا؛ "معلوم ہوتا ہے کہ تیرھویں کی تیاری ہو رہی ہے؟"

"ہاں کرنی تو ہے ہی۔ آج نوواں دن ہے۔ ایک ایک سامان اکٹھا کرتے کرتے یہ دن آ پہنچا"

دیویندر نے پوچھا "پوجا کتنے کی کرانے کا خیال ہے آپ لوگوں کا..... ؟ اتنے بڑے آدمی گذرے ہیں۔ شمید شیکھر کا انتظام کرو۔ پالکی نکالو۔"

مل کے دل میں تیرھویں بہت بڑھیا کرنے کا خیال تو ضرور تھا مگر اتنے بڑے پیمانے پر کرنے کی بات اس نے سوچی نہ تھی۔ اس لیے اس نے کہا؛ "ہم جیسوں کے لیے کیا ضرورت ہے پالکی والکی نکالنے کی؟ وہ تو سب گوڑ لوگوں کو شوبھا دیتا ہے۔ سادہ طور پر پوجا کر کے نپٹا دیں گے۔ ابھی لڑکا بھی چھوٹا ہے۔ اتنا خرچ کاہے کو؟" کہتے ہوئے اس نے گویا اصلاح مانگی۔

دیویندر پنڈت نے بھنویں چڑھاتے ہوئے کہا؛ "تم اپنے ڈھنگ سے مت سوچو۔ وہ گاؤں کا یوگر تھا۔ ایک سپاری[1]

---

[1] اسے ہر جگہ سے پان سپاری کی بھینٹ دی جاتی تھی یعنی باعزت آدمی تھا۔

کی عزت تھی اس کی۔ اس بات کا دھیان کر کے کام کرنا چاہیئے۔"

یہ بات مَل کے دل کو اچھی لگی۔ اس نے سوچا "پالکی نکالیں تو کیسا رہے گا؟" پھر بولا "تمھارا کہنا ٹھیک ہے۔ کافی کچھ دھوم دھام سے ہونا چاہیئے لیکن ان سب کے لیے پیسے کی ضرورت ہے نا۔ خالی زبانی تو کام چلتا نہیں۔"

"کچھ تو کرنا ہی پڑے گا۔ یہی تو آخری کام ہے۔ اس کے بعد ہو دتا کا اور کون سا کارج ہوگا؟ چاہو تو شام کو میں خود آکر چھوا سے بات کروں" دیویندر نے کچھ ایسے پکے ارادے سے کہا کہ جیسے چھوا اس کی بات ٹالے گی نہیں۔ مَل آگے بڑھتا ہوا بولا "آؤ نا، کون منع کرتا ہے۔"

دیویندر پنڈت نے پتہ نہیں کیا کہا، پر چھوا کے مجبور کرنے پر یہ فیصلہ ہوا کہ پالکی نکال کر بڑی پوجا کرنی ہوگی۔ تیرھویں دن پوجا اور پالکی کا کام پورا کر دیا جائے۔ اس روز چار چھ من اناج کی رسوئی بنوا کر اپنے سگے سمبندھیوں اور جن لوگوں نے ارتھی کو کندھا دیا تھا، ان سب کو کھانا کھلانے کی بات ہوئی۔ اگلے دن سارے گاؤں کو کھانا کھلانے کی بات ہوئی۔ پنڈت جی کی صلاح کے مطابق پروگرام دو دن کا تھا۔ پروگرام کے مطابق آج ارتھی کو کندھا دینے والوں کو شوتک ختم کرنا تھا۔ پالکی کے آگے آگے باجہ بجانے کے لیے دوسرے گاؤں سے باجا بجانے والے آگئے تھے۔ گھر رشتہ داروں سے بھرنے لگا تھا۔ آج ہو دتا کو تینو بگیہ چڑھائے بغیر چھوا منھ میں پانی بھی نہیں ڈال سکتی تھی۔ کچھ بھی کھا نہیں سکتی تھی اس لیے اس کو بار بار چائے بنا کر پلاتے تھے۔ چھوا اندر بیٹھ کر چائے پی رہی تھی۔ اس وقت اپنا پورے سندرا بائی آپہنچی۔ ہو دتا کے مرنے کی خبر اسے مل تو گئی تھی مگر ایک بار ملنے آنا، پھر تیرھویں پر آنا مشکل تھا۔ اس وجہ سے وہ آج آئی۔ انھیں کے گھر آنا تھا اس لیے مَل کے گھر نہ جا کر سیدھی یہاں چلی آئی۔ گھر کے پھاٹک پر سندرا بائی کے پہنچتے ہی چھوا کو خبر مل گئی۔ سندرا اندر آئی۔

چھوا جلدی جلدی چائے پی کر باہر آتے ہوئے "اب آئی ہو بہن اپنے سمبندھی کو دیکھنے؟ کہہ کر ماتھا پیٹنے لگی اور بیٹھک میں آکر بیٹھتے ہوئے "ایو۔ میرے راجا چلے گئے بہن۔"

سندرا بھی روتی ہوئی اس کے پاس بیٹھی اور بولی "اب بس کرو۔ تم لوگوں کے ہاتھوں وہ بھگوان کے گھر پہنچ گیا۔ بیٹا بڑا ہو گیا۔ شادی ہو گئی، اس کے سب کام ہو گئے۔ جب تک وہ رہا۔ آپ لوگوں نے بہت خدمت کی۔ اسے کوئی تکلیف نہیں دی۔ اس کا ساتھ دیا۔ جتنا ہو سکا دوا دارو بھی کیا۔" اس طرح چھوا کو تسلی دی۔ "برہسپتی وار کو صبح گذر ے ہمیں ٹھیک وقت پر چٹھی نہیں پہنچی، اس لیے آج آئی ہوں" اس طرح اس نے اتنے دن نہ آنے کا سبب بتایا۔ چھوا سر پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئی اور بولی "ہاں بہن وہ تو چلے گئے۔ کون آکر کیا کر لیتا؟ بدھوار کی رات کو سانس اکھڑنے لگی۔ ہائے رے۔ ساری رات آنکھوں میں

کاٹی۔ دیا ہاتھوں سے دیوٹ تک نہیں پہنچا۔" پھر لمبی سانس چھوڑ کر ــــ " پو پھٹتے ہی ذرا ہوش آیا۔ آنکھیں کھولیں ــــ تارا کہہ کر بہو کو بلایا۔ ہم نے سوچا اب بچ گئے۔ مگر سویرے دیویندر پنڈت اور ہمارا بھیمپا دونوں آئے۔ وہ تجربہ کار آدمی ہیں۔ وہ بولے نبض چھوٹ رہی ہے۔ دان کراؤ۔" پھر سسک سسک کر روتی ہوئی بولی " ان کے ہاتھ پاؤں کو چھو کر دیکھا تو برف سے بھی ٹھنڈے تھے۔ تب گھبرا کر میں چھاتی پیٹنے لگی۔ میرا راجا چلا گیا تھا۔ لڑکے نے پنڈت، بھٹ اور برہمن سب کو بلایا۔ دس روپے اور چاول دان کئے۔ چھوٹی ذات کے لوگوں کو چار من مکی دان کرائی۔" پھر زور سے آواز نکال کر روتے ہوئے ــــ " اتنا کیا جب کانوں میں "نموکار" منتر کہا تو بہن ان چھوٹے بہن!" اور ہائے کہہ کر چیخنے لگی۔

" ہاں بہن جب میرے سسر گذرے تو بیس روپے اور اناج دان کرایا تھا۔ اور پانچ من گیہوں گھر کے چھوٹی ذات کے نوکروں کو دان دیئے تھے۔ کرنے چلے تو کیا بڑی بات ہے۔ میرے سسر بزرگ تھے۔"

" ہم نے بھی ان کے لیے کوئی کسر نہیں اٹھائی۔ بیٹا نے تو تھوڑی حیل حجت کی لیکن میں نے اس کی ایک نہ مانی۔ سب کچھ کر دیا۔ اب میں اکیلی رہ گئی۔ . . . . . ان کا تو میں نے سب کچھ کر دیا۔ میرے لیے جوان کی مرضی ہو کریں۔" یہ کہہ کر جموا رونے لگی۔

باہر پانی کا گھڑا رکھ کر بھیمپا اندر آیا اور اسے چپ کراتے ہوئے بولا۔" اب بس کرو، بس۔ تمہارے مرنے کے بعد کیا کیا جائے گا۔ یہ دیکھنے کو تم کہاں رہو گی؟ اس کی فکر تمہیں کیوں؟ ہونا کے سب کارج کر کے چار آدمیوں کے منھ سے تم نے شاباشی لی۔ تمہارا کارج کر کے اگر وہ شاباش لینا چاہیں گے تو کریں گے۔ نہیں تو چھوڑ دیں۔ تب کی بات تب رہی۔ اب جو ہے اسے بھگتنا ہے۔ یہ کہاں کی بات لے بیٹھی؟"

جموا نے آنسو پونچھتے ہوئے سندروا سے پوچھا" تمہارے ساتھ کون آیا ہے؟"

" کوئی نہیں۔ بڑے لڑکے کو ساتھ لائی ہوں۔"

" تو انتو آیا ہے۔ کہاں ہے؟ بلاؤ تو سہی لڑکے کو بھوک لگی ہو گی کچھ کھا پی لے۔"

تیرھویں کی ساری رسمیں پوری ہوئیں۔ مگر یہاں ایک بات قابل ذکر ہے۔ جس دن گاؤں کو کھانا دیا گیا، اس دن شام تک کام کرنے کے بعد بھیمپا کھانا کھائے بغیر چلا گیا۔ سورج غروب ہونے کے بعد کسی نے جموا کو یہ بات بتائی۔ جموا نے فوراً ایک آدمی بھیج کر اسے بلوایا لیکن بھیمپا نہیں آیا۔ بلانے کے لیے جو آدمی گیا تھا اس نے بتایا!" وہ کہتا ہے کہ گھر میں گھر والوں کا کاروبار ہے، ہمیں کون پوچھتا ہے؟ سب برادری کے لوگ ایک ساتھ مل بیٹھے اور ان کے ساتھ بارہ دن کا ماتم میں نے بھی پورا کر دیا۔ لڑکے نے کہا تھا کاکا! تم اس قطار میں بیٹھ جاؤ۔ مگر اس مگدم کے مل نے یہ کہہ کر مجھے اٹھا دیا کہ" ابھی کیوں، دوسری باری میں کیوں نہ بیٹھ جانا۔ کیا ہم اس کے گھر گئے تھے یہ بات سننے کو؟ اب میں دوبارہ نہیں جا سکتا"

یہ بات سن کر، چھوا قریب ہی کھڑے مل کو سناتے ہوئے بولی " مل کو اتنی سمجھ نہیں، کس سے کیا بات کہنی چاہیے۔ یہ تو آج یہ کہہ کر چلا جائے گا۔ کل ہمیں ہی رشتہ داروں سے کام پڑے گا۔" بعد میں وہ خود بھیپا کے گھر جاکر، سمجھا بجھا کر بلانے گئی۔ وہ پھر بھی نہ آیا۔ آخر اس کے لیے کھانا گھر بھیج دیا گیا۔

تیرھویں نپٹانے کے اگلے روز دوپہر کو اننت اندر کے کمرے میں سویا ہوا تھا۔ اس کے دل میں خیالات کی لہریں اٹھ رہی تھیں۔ تارکا کو دن رات کام کرنا پڑتا ہے۔ گھر میں اسے اتنا بھی پوچھنے والا نہیں۔ تم نے کھایا یا نہیں؟ تم تھک گئیں! میں کل سے دیکھ رہا ہوں کہ اسے ایک پل بھی فرصت نہیں۔" یہی سوچتے سوچتے اسے نیند آ گئی۔ اس آدھی نیند کی حالت میں تارکا کی مورت اس کے سامنے آکر کھڑی ہو گئی۔ امنگ سے خالی مرجھایا ہوا چہرہ تھا اس کا۔ بچپن میں جب وہ کھیلا کرتے تھے تب اس کا چہرہ کتنا کھلا رہتا تھا۔ اس فرق کو دیکھ کر وہ دکھی ہوا تھا۔ اتنے میں اسے محسوس ہوا گویا کوئی اس کو پکار رہا ہے۔

اس نے آنکھیں کھولیں۔ سامنے کھڑا بھرما پوچھ رہا تھا "کب سے سوئے ہو۔ اٹھو گے نہیں؟ کچھ کھا لو۔ نیند تو نہیں آئی ہوگی۔" کہتے ہوئے بھرما اس کے پاس ہی بیٹھ گیا۔

" دو دن سے نیند ٹھیک طرح نہیں آئی۔ پرسوں رات تو پوجا اور پالکی تھی اسی میں صبح ہو گئی۔ کل دیر تک کھانا پینا چلتا رہا۔" پھر رک کر ذرا آنکھیں پھاڑتے ہوئے، بھنویں اوپر نیچے کرتے ہوئے اننت نے پوچھا " لوگوں کا سامان پہنچانے کا کام پورا ہوا؟"

ان چار پانچ دنوں سے ایک ساتھ رہنے کی وجہ سے اننت اور بھرما کا میل جول بڑھ چلا تھا۔ اس کے علاوہ بھرما اب سمجھ دار بھی ہو گیا تھا۔ ذمہ داری سر پڑ جانے سے وہ محسوس کرنے لگ گیا تھا کہ اسے دوسروں کے ساتھ کس طرح کا سلوک کرنا چاہیے۔

" اب سب نپٹ چلا۔ ماما جی اگر چکوڑی سے کپڑا لے آئے تو کام پورا ہی سمجھو۔ اب گھر میں ٹھہرے لوگوں کو کھانا کھلا کر رخصت کرنا ہی رہ گیا ہے۔" بھرما نے کہا۔

" ابھی کہاں سے کام پورا ہو گیا! ذمہ داری سر پر آنے کے بعد ایک نہ ایک کام لگا ہی رہتا ہے....؟"
پھر کسی خیال کے تحت اننت نے بات کا رخ بدل دیا اور بولا " اب باقی کام چھوا ماما سنبھال لے گی۔"
اس کی بات ختم ہوتے ہوتے بھرما غیر تسلی بخش انداز میں بولا " وہ کیا سنبھالے گی؟ اگر وہ ہی سنبھالنے والی ہوتی تو یہ حالت کیوں ہوتی؟"

" ٹھیک ہے۔ وہ بزرگ ہیں۔ کسی طرح انھیں سنبھال کر آپ میاں بیوی ٹھیک طرح رہو۔" اننت نے دھیرے سے سمجھاتے ہوئے اس کے دل کی گہرائی پا لینے کی کوشش کی۔

" وہ تو ٹھیک ہے۔" کہتے ہوئے بھرما اننت کو دوپہر کے کھانے کے لیے لے گیا۔ اس بات چیت کے بعد

اننت کو بھرما کے دل کی حالت کا کچھ اندازہ ہوا۔ اس سے پہلے ہی تارکا کے دل کی حالت اسے اچھی طرح معلوم تھی۔ اسے پتہ چلا کہ اندر ہی اندر بھرما کا دل تارکا کی طرف اور تارکا کا دل بھرما کی طرف کھنچ رہا ہے۔

شروع شروع میں تارکا نے اپنے خاوند کا رخ دیکھ کر اس کی طرف جھکنے کی کوشش کی، تب بھرما پیچھے ہٹ گیا۔ اب بھرما کوشش کرنے لگا۔ لیکن تارا جو پہلے سے ہی مایوس تھی، پیچھے ہٹنے کی کوشش کر رہی تھی۔ دونوں کے دل کا ساگر لبالب بھرا تھا۔ لیکن بیچ میں جو رکاوٹ ہے اسے پار کرنے کی چابکدستی دونوں میں نہیں۔ کم از کم وہ اتنا ہی سمجھ جائیں کہ وہ دونوں ایک نہ ایک دن ایک ہو جائیں گے تو کافی ہے۔ آج نہیں تو کل آندھی کی زد میں آکر اس ساگر کی لہریں رکاوٹ کو توڑ کر آپس میں مل جائیں گی۔ یہ خیال آتے ہی اننت کے وسیع دل کے ایک کونے میں گہری بے صبری کی خراش سی لگ گئی۔

اننت اب بڑا ہو گیا تھا۔ وہ دسویں میں پڑھتا تھا۔ اس کے خیالات میں روز بروز پختگی آرہی تھی پرسوں جب سے اس نے بھرما سے بات چیت کی تب سے اس کا دل تارکا کے لیے دکھی ہوا اٹھا تھا۔ گھر جانے سے ایک دن پہلے کی بات ہے۔ چھوا مندر گئی ہوئی تھی۔ برآمدے میں سندروا کا تائی سے باتیں کر رہی تھی بھرما کہیں باہر گیا تھا۔ تارکا اکیلی رسوئی گھر میں صبح کا بچا ہوا دودھ گرم کر رہی تھی۔ اننت نے پانی پینے کے بہانے اندر جا کر مذاق کے انداز میں مسکرا کے پوچھا "کیوں تارا بھرما کے پینے کا دودھ گرم کر رہی ہو؟"

"ہاں، میں کروں دودھ گرم! گرم کرنے اور پلانے والے تو دوسرے ہیں۔ یہ مرتبہ میرے لیے کہاں!" یہ سب کچھ تارکا نے انجانے میں دھیرے سے کہا۔ لیکن بات دل سے نکلی تھی۔

"تمھیں ابھی تک یہ عہدہ ملا نہیں؟"

تارکا چپ رہی۔

"اتنے دنوں کی سروس ہو گئی۔ کب تک ملے گا؟"

اننت کی بات سمجھ میں نہ آئی تو تارکا بولی "کیا؟"

"اتنی چاکری کی۔ اب بھی عہدہ ملنے کی امید نہیں کیا؟"

"ملے گا نا۔ آج نہیں تو کل"

"ایسا کہو۔ میں کیوں بھرم کروں۔ یوں کیوں کہتی ہو"

"شیر جیسی ماں ہے کھلانے پلانے کو۔ اس کے علاوہ بہن ہے دوسرے کاموں کی دیکھ بھال کرنے کے لیے۔ اسے میری کیا ضرورت ہے؟ میں کھانا پروس دوں تو اسے نجر لگتی ہے .... اس لیے مجھے ...."

"ادہر سے نظر لگ جاتی ہے۔ ایسا کون کہتا ہے؟ یہ تو گاؤں والی بات ہوئی لوگ روز ہوٹل میں

ایک دوسرے کے سامنے بیٹھ کر کھاتے ہیں۔ انھیں کچھ نہیں ہوتا۔ گھر میں اگر تمہی پتی کے لیے کھانا لگاتی ہے تو کیا نظر لگ جاتی ہے؟" تارکا کے دل کی بات جاننے کے لیے اننت نے کہا۔

"تمھارے شہر میں نجر وجر کا چکر نہیں۔ ہمارے گاؤں میں تو سب کچھ ہوتا ہے، سمجھے!" کچھ رک کر بولی: "حد یہ ہے کہ ہمارے گھر میں تو بہت جلدی لگ جاتی ہے۔ پتہ نہیں کیا بات ہے؟ شاید یہ ہمارے گھر کی علامت بن گئی ہے!" تارا اننت کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ چولہے کی روشنی میں اننت کو اس کا چہرہ چنتا کی چتا کی طرح دکھائی دیا۔

"اس گھر کی نہیں۔ یہ تمھاری علامت ہے۔" اننت نے ذرا ماحول کو پر مذاق بنانے کی کوشش کی۔

"تو یہ میری علامت ہے؟ میں کیا کسی دوسرے کی کہتی ہوں؟ اگر کوئی کسی کو اچھا نہیں لگتا تو ساری علامتیں خراب ہی نظر آتی ہیں۔ اگر کسی کو میں پسند ہوتی تو میری یہ حالت کیوں ہوتی؟"

"تمھیں کون پسند نہیں کرتا؟" بیچ کی کڑی کو پکڑتے ہوئے اننت نے تعجب سے پوچھا۔

"سب ہی تو۔"

"سب ہی تو، بھرما بھی!"

"وہ تو مجھے پہلے ہی پسند نہیں کرتا۔" پھر کچھ رک کر اس نے۔ جاننے کی کوشش کی کہ باہر سے کوئی آ تو نہیں رہا؟

اس کا مقصد جان کر اننت بولا "کوئی نہیں۔"

بعد میں تارکا گرم آہ چھوڑتی ہوئی بولی" اگر میں اسے پسند ہوتی تو یہ سب کیوں ہوتا؟ یہ لوگ مجھے گھورے پر پڑے کوڑے کرکٹ کی طرح سمجھتے ہیں؟"

"کس نے تمھیں گھورا سمجھا؟ تم ہی ایسا سوچتی ہو۔" بھرما کے دلی جذبات کا اظہار کرنے کی خاطر اننت کے منھ سے یہ بات نکلی۔

"یہ تو بتاؤ، انکار کون کرتا ہے؟"

"ایسا کہنے کی کیا ضرورت ہے؟"

اننت کچھ دیر کے لیے چپ ہوگیا۔ تارکا بھی چپ ہوگئی۔ لیکن بات درمیان میں رہ جانے کی وجہ سے اننت کی طرف دیکھنے لگی۔

"اب تمھیں کیا ہوگیا؟" اننت نے پوچھا۔ بات ختم ہونے کو تھی۔

"مجھے کیا ہوا؟ ہاں، کچھ بھی تو نہیں۔ سب کچھ ٹھیک ہے۔ کوئی بیماری بھی نہیں ہے۔ بستر پر بھی نہیں پکڑ لیا۔ ایسی بھی نہیں کہ آج یا کل مرجاؤں۔ سب کی طرح کھاتی پیتی ہوں اور سب کی طرح کام

کرتی ہوں۔"

یہ باتیں سن کر اننت کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے دل کو کسی نے انگارے سے چھو دیا۔

"میں نے ایسا کیوں کہا" یہ سوچ کر وہ دکھی ہوا تھا اور دکھ بھری آواز میں ہی بولا:"اب کیوں ایسی چیزیں مانگتی ہو۔آج نہیں تو کل سکھ ملے گا ہی۔ پتی کے ساتھ چار دن گرہستی چلاؤ۔ بچے ہونے دو۔ تب مرنے کی بات کرنا۔" کچھ تسلی دینے کے خیال سے اس نے یہ باتیں کہیں۔

تارکا چپ چاپ بیٹھی تھی۔ چولہے میں بڑی دیر سے آگ جل رہی تھی۔ تارکا کے ہاتھوں نے خودبخود آگ کو اندر سرکا دیا۔ باتوں باتوں میں دودھ گرم ہو جانے کا اسے دھیان نہ رہا اور زیادہ آنچ پہنچنے پر اس میں ابال آگیا۔ چولہے پر سے برتن اتارتے ہوئے بولی "کسے چاہئیں بچے بھاڑ میں جھونکنے کو؟"

اتنے میں اکاتائی نے باہر سے آتے ہوئے پوچھا "دودھ نکل گیا کیا؟"

اننت نے اٹھ کر، باہر جاتے جاتے صرف تارکا کو ہی سناتے ہوئے کہا:"اگر ایسا کہو گی تو اپنے ہی ہاتھ جلا کر سب کچھ کھو بیٹھو گی۔"

تارکا نے اننت کی طرف مڑ کر اپنے آپ وہ لفظ دہرائے۔

11

ہونا کی رسومات میں شریک ہونے والے سگے، رشتہ داروں کے چلے جانے کے بعد مل نے داماد کو ایک طرف بلا کر کہا "سب سامان بسویا کی دکان سے لایا تھا۔ کپڑے اور دوسری چیزوں کے لیے بھی اس سے روپے لیے تھے۔ کل ملا کر دو سو پچاس روپے خرچ ہوئے ہیں۔ ماں سے لے کر حساب چکا دینا۔ دیر سے ادائیگی کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ اب میں گھر چلتا ہوں۔ دس پندرہ دن سے کھیت پر نہیں گیا۔ پتہ نہیں وہاں کا کیا حال ہوا ہے۔"

بھرما نے اپنے ماما سے کہا "ماں سے کہہ کر آپ ہی قرض چکا کر جائیے۔ اب وہ کیوں انتظار کرتا رہے؟ جب بھی ہو بسویا کو دینا ہی پڑے گا۔"

"بیٹا۔ اب آپ لوگوں کو اپنا کام آپ ہی کر لینا چاہیے۔ یہ آپ لوگوں کے اپنے گھر کی بات ہے۔ ہم

رشتہ دار ہیں، ہمیں اس میں زیادہ دخل نہیں دینا چاہیے۔ چمو اکو یہ کہنے کا موقع نہیں دینا چاہیے کہ آپ کیوں دخل دیتے ہیں ؟ اس دن میں چلا جاتا لیکن میں نے سوچا کہ یہ ٹھیک نہیں۔ کام جہاں کا تہاں پڑا تھا۔ جو کام ہاتھ میں لیا تھا وہ پورا کر دیا۔ اب تم اپنا کام آپ دیکھو۔" یہ سب باتیں بڑے آرام سے کہہ کر مل چلا گیا۔

دوسرے دن بسوئیا کا آدمی پیسے مانگنے کے لیے بھرما کے پاس آیا۔ بھرما خود دوکان پر جا کر کہہ آیا۔ "کل کچھ نہ کچھ انتظام کر کے دے دوں گا۔" اتنا کہنے میں ہی اس کی اندرونی حالت کچھ عجیب سی ہو گئی۔ گھر کے ایسے کاموں میں وہ کبھی آگے نہیں آیا تھا۔ اسے تجربہ بھی نہ تھا۔ دوکان سے سیدھا ماں کے پاس گیا اور دوکان دار کو پیسے دینے کے بارے میں بات چیت کی۔ اس پر وہ بولی "گھر میں سامان ہے۔ گائے بھینس ہیں۔ بیوی کے زیور ہیں۔ کچھ نہ کچھ کر کے قرضہ چکانا ہی چاہیے۔ تمہارے باپو اپنی رسومات پوری کرنے کے لیے تمہیں کنگال تو نہیں چھوڑ گئے۔"

بھرما وہیں چپ ہو گیا۔ لیکن اس نے سوچا " باپو نے ماں کو ڈھیر سارے روپے دیے تھے تاکہ اس کی تجہیز و تکفین میں ہمیں دقت نہ ہو۔ وہ پیسے کیوں نہیں دے سکتی ؟"

دوکان کا نوکر جب دوبارہ پوچھنے آیا تو بھرما نے ذرا سوچ کر اسے دور لے جا کر اس کے کان میں کہا: " ماں کے پاس جا کر مانگو۔"

نوکر نے چموا کے پاس جا کر پوچھا۔ تب چموا بولی " میں کون ہوں بھیا اس گھر میں ؟ میں تو بیٹے اور بہو کی دی ہوئی روٹی کا ایک ٹکڑا کھا کر کونے میں پڑی رہنے والی ایک کتیا ہوں۔ اُن کے رہنے تک میں نے کیا نہیں کیا۔ جو چاہا، لیا، دیا۔ اب میری بساط کیا ہے۔ سب کرنے کے لیے برابر کا بیٹا ہے۔ اسے چھوڑ کر میرے پاس کیوں آئے ہو ؟" کچھ دیر بعد وہ سر میں ماتم کرنے لگی " مجھے کیا پتہ تھا۔ ایسے دن بھی آئیں گے؛ میرے پاس کچھ نہ رہے، کیا ہی سوچ کر وہ مجھے کچھ دے گئے تھے ؟ ہائے میرا راجہ ! راجہ !" اس نوکر کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ وہ لوٹ گیا۔

دو دن کے بعد بسوئیا نے مل اور بھرما دونوں کو بلا کر صاف صاف کہا " سامان لے جاتے وقت آرام سے لے گئے۔ اب بیٹا اور ماں ایک دوسرے کو ذمہ دار ٹھہراتے ہیں۔ آگے کیا ہم ادھار دے سکتے ہیں ؟"

مل نے اسے تسلی دی۔ اصل بات بتائی اور دو تین دن میں کچھ انتظام کرنے کو کہا۔ بھرما کو کہا "ایک دفعہ پھر ماں سے پوچھو۔ اگر کچھ نہیں بنا تو کچھ نہ کچھ کر کے چکا دیں گے۔" یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔

اس دن دوپہر کو بھرما نے پھر ایک دفعہ ماں سے پوچھا " ماں جو پیسے تمہارے پاس ہیں انہیں مجھے دے دو۔ کل ؟؟؟ کی فصل پر روئی بیچ کر لے لینا۔ گھر میں سب کچھ تمہارا ہے۔ ہم کوئی چیز باہر نہیں لے جائیں گے۔

ایسا کیوں کرتی ہو؟ لوگوں کے سامنے میرا منھ کالا کیوں کرتی ہو؟ کیا تمھیں یہ اچھا لگتا ہے؟" اس طرح اس نے گڑگڑا کر کہا۔ اس کے لہجے میں بے بسی تھی۔

"نہیں۔ میرے لیے بھی کچھ رہنے دو۔ تم لوگوں نے تو کچھ کام کر کے نہیں دیا۔ بزرگوں کا کمایا ہوا ہے۔ انھوں نے دیا تھا۔ تم کیا کما کر دے سکوگے، یہ تو صاف دکھائی دے رہا ہے۔ تمھیں ان کا دیا ہوا نہیں مانگنا چاہیئے اور نہ ہی مجھے وہ دینا چاہیئے۔"

چموا نے یہ باتیں بڑے آرام سے کہیں۔ بھربا کچھ چڑ گیا۔ اس نے اپنی آنکھیں غصّے سے لال کر کے پوچھا: "ایسے موقع پر پیسے کام نہ آئے تو وہ کس کام کے۔ تم کیا کہتی ہو۔ میں گھر کی گائے بھینس بیچ کر قرضہ چکا دوں؟" اس کی آواز میں کچھ سختی تھی۔

"انھیں مرا سمجھ کر تم مجھے آنکھیں دکھا رہے ہو۔" کچھ آگے سرک کر غصّے سے ماتھا پیٹتی ہوئی وہ کہنے لگی "تم مجھے مارنا چاہتے ہو تو مار لو میں جانتی ہوں۔ یہ سب تمھیں کس نے سکھایا ہے۔ اس سے سیکھ کر آئے ہو اور مجھے آنکھیں دکھا رہے ہو۔ یہ ٹھیک نہیں ہے بیٹا۔ میں نے تمھیں جنم دیا ہے۔ اس کا تو دھیان رکھو۔ گھر کا کاروبار ہاتھ میں آگیا تو تمھیں ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔"

"فضول بڑبڑاؤ نہیں۔ کوئی کیوں سکھانے آئے گا مجھے؟ بلاوجہ کسی پر شک کرنا ٹھیک نہیں۔"

"کیسے نہیں ہو سکتا۔ ویسے لڑکی جوان ہو چلی ہے۔ اس کی بھی تو شادی کرنی ہے۔ اسے سسرال بھیجنا ہے۔ پیسے تمھیں دے کر میں خالی ہاتھ بیٹھ جاؤں کیا!"

بھربا نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ کچھ دیر تک ایسے ہی کھڑا رہا۔ اس کے چہرے کا رنگ اڑنے لگا۔ کئی رنگ ابھرے اور پھر منھ لال ہو گیا۔ ہونٹ دھیرے دھیرے ہلنے لگے۔

"تم اپنا گھر آپ سنبھالو" کہتے ہوئے وہ باہر چلا گیا۔ چموا نے اس کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر طنز آمیز ہنسی تھی۔ کچھ دیر بعد تارکا باہر سے آئی۔ چموا اس سے بولی "تمھارا گھر والا جھگڑا کر کے گھر چھوڑ کر چلا گیا ہے۔"

تارکا چپ رہی۔ اس کے ہونٹوں پر امید اور یاس بھری ایک مسکراہٹ دکھائی پڑی۔ اسے دیکھ کر چموا بولی۔ "تو تم لوگوں کی یہ ملی بھگت ہے۔ اس لیے وہ اتنا اچھل کود رہا تھا۔ اسے سکھا کر جو کچھ کرنا ہے، کرو تم لوگ۔"

پھر انگلیاں چٹخاتے ہوئے غصے سے بولی "ماں بیٹے میں جھگڑا کرا دیا نا!"

تارکا بولی "کون سکھاتا ہے؟ سکھانے والوں کا ستیاناس ہو۔"

پھر غصے میں آکر بولی "بے مطلب ہمارا نام لے کر کیوں جلتی ہو؟"

"میں کیوں جلوں تمہارا نام لے کر؟ آہ! گھر میں سب مجھے ہی ڈانٹنے والے ہو گئے۔ میرا کیسا کھوٹا نصیب ہے!"

یہ کہتے ہوئے وہ زور زور سے ایک گھنٹے تک روتی رہی۔ پڑوس کی پانچ چھ عورتیں اکٹھی ہو گئیں۔ ان میں سے ایک نے کہا "ہودنا گھوم گھام کر آتا۔ دوپہر کو سامنے بیٹھ کر چائے بنانے کو کہتا۔ بنوا کر پیتا۔ چائے کا وقت ہوتے ہی چھوا کو اس کی یاد آتی ہے۔ اس لیے بے چاری رو رہی ہے۔ کیا کرے بھگوان ہودنا کو لے گیا۔"

"سارا گھر کھانے کو آتا ہے۔ وقت گذرتا ہی نہیں۔ کام کتنا ہی کر دوں لگتا ہے کوئی کام ہوا ہی نہیں" یہ کہہ کر چھوا چپ ہو گئی۔

جو عورتیں اکٹھی ہوئی تھیں تسلی کے چار جملے کہہ کر اپنے اپنے گھر چلی گئیں۔

گھر سے باہر نکل کر وہ آپس میں باتیں کرنے لگیں۔ ایک پڑوسن ناک چڑھا کر بولی "ابھی کس بات پر ماں بیٹا جھگڑ رہے تھے۔ وہ کہاں اپنے پتی کو یاد کرنے چلی۔"

ایک اور بولی "جھگڑے کے علاوہ اور کیا کرے گی؟ بیٹے اور بہو کو تو کانٹوں پر نچاتی ہے۔ اس نے بھی اپنی ساس سے دکھ پایا ہے۔ بڑھیا ہو گئی مگر ذرا بھی سمجھ نہیں آئی ہے۔"

دوسری نے بات آگے بڑھائی "لڑکی تو سونے جیسی ہے مگر سوکھ کر کانٹا ہو گئی ہے دن رات کام کرتے کرتے۔"

بیچ میں ہی ایک بڑھیا آگے بڑھ کر بولی: "تم بھی کیا کہنے لگی ہو۔ کام کرنے سے کیا ہو جاتا ہے؟ ہماری لڑکیاں کام نہیں کرتیں کیا؟ میاں بیوی میں اگر بنی رہے تو محنت کرنے سے کچھ بگڑتا تھوڑے ہی ہے۔ لڑکیاں مزے سے رہتی ہیں۔"

پہلے بات کرنے والی نے حیرانی سے کہا "چھوڑو بھی۔ لڑکی کو ابھی خاوند کے بستر پر جانے نہیں دیا۔ پرسوں ہمارے گھر پیسنے کو آئی تھی۔ قسم دلا کر پوچھنے سے بتایا۔ پتہ نہیں اس میں چھوا کا راز کیا ہے؟"

"تم بستر کی بات کہنے لگیں۔ ابھی تک تو میاں بیوی ایک جگہ کھڑے ہو کر آپس میں بات نہیں کر سکتے۔ وہ کیا اس لڑکی کو رکھنے والی ہے۔ کبھی نہ کبھی بیٹے کے لیے دوسری بہو ضرور لائے گی۔"

"لڑکی تو اپنی ہے۔ سگے چھوٹے بھائی کی لڑکی ہے!"

"جی ہاں۔ دوسری لائے گی۔ دوسری کو کیا کرے گی؟ اس کا منھ تو دیکھو۔ بھلا بھائی کی بیٹی پر بھی سوت لائے گی!"

"ٹھیک ہے وہ تو کرے گی۔ مگر کوئی دینے والا بھی تو چاہیئے۔"

"ایسے کوئی روز اپنا گھر بار دے تو بسنے والوں کی کون سی کمی ہوگی۔"

"گھر بار لے گی۔ گھر بار کیا راستے میں پڑے رہتے ہیں؟ کچھ رک کر یہ بھی تو الگ ہو سکتا ہے۔ اگر یہ بہو کو پیار سے رکھے تو وہ کہاں جائے گی؟ ان کے لیے بھی کیا کوئی اور ہے؟"

"سب لڑکے پر منحصر ہے۔ کھونٹا اگر مضبوط ہو تو چھوا کیا کر پائے گی؟"

"مضبوط ہو کر کیا کرے؟ اس کی کچھ چلنے دیتی ہے؟ پر وہ بھی ایسے کتنے دن رہنے پائے گا۔ آج کل کے جوان لڑکے ہیں!"

یہ باتیں عورتوں کو اچھی نہ لگیں۔ انھوں نے دوسری بات اٹھائی۔

بھرما غصے سے دو تین دن گھر سے باہر رہا۔ دوستوں کے یہاں کھاتا رہا۔ سوچا تھا۔ ماں بلوائے گی۔ دن بدن اس کا خیال چھوٹا ہونے لگا۔ چھوا نے سوچا بیٹے کو قابو کرنے کا یہی موقع ہے۔ اس لیے گھر کے نوکر سے بولی "وہ غصے میں دو دن اِدھر اُدھر بھٹکتا رہے۔ تم گائے بھینس کو دیکھ لینا۔" یہ بات بعد میں بھرما کو نوکر سے کھیت پر پتہ چلی۔ اسے سن کر اس نے ارادہ کر لیا کہ وہ گھر میں قدم نہیں رکھے گا۔ شام کو مگدم کے گھر کی طرف گیا۔

مل گھر میں نہیں تھا۔ رتنوا گوبڑ میں بھینس دوہ رہی تھی۔ بھرما وہاں جا کر بیٹھ گیا۔ وہ بھوکا تھا۔ اس کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ بغل میں دھوتی دبا رکھی تھی۔ سر کے بال اڑے اڑے تھے۔

رتنوا نے کہا: "تمھاری ماں اس وقت بھی تمھارا ہمارے گھر آنا جانا پسند نہیں کرتی تھی جب تم ماں بیٹے گھر میں ہنسی خوشی سے رہتے تھے اور اب بات ہی دوسری ہے۔ ہمارے گھر نہ آنا۔ تمھاری ماں تو فضول میں ہمارے نام کا ڈھنڈورا پیٹنے لگتی ہے۔"

بھرما نے زوردار لہجے میں کہا "وہ کیا کر سکے گی؟ میں اپنی بیوی کو ساتھ لے آتا ہوں۔ رہنے کو گھر میں تم لوگ جگہ دو گے کہ نہیں؟"

رتنوا کچھ دیر چپ رہی۔ اس نے دل میں سوچا۔ جو بھی ہو، ماں، بیٹے ایک ہوتے ہیں۔ بعد میں بڑے آرام سے بولی "شاخ کے ساتھ ہی پھل لٹکا رہتا ہے۔ تمھارا وہیں رہنا ٹھیک ہے۔ تم ناطہ توڑنا چاہو تو کیا ٹوٹ جائے گا؟ غصے میں اس نے چار باتیں کہہ دی ہوں گی اور تم نے بھی جواب دیا ہوگا۔ گھر میں یہ باتیں ہوا ہی کرتی ہیں۔ ہو سکے تو اس سے نہیں تو ان سے کچھ لے کر کسی طرح قرضہ چکا دو۔ چاہو تو بچھڑا بیچ دو۔ اب کھیت میں زیادہ کام بھی نہیں ہے۔ جیتی کے وقت اگر ضرورت ہو تو ہمارا لے جانا۔ روئی بیچ کر نگ موآ کے میلے پر پھر سے خرید لینا۔ میں اس سے زیادہ تمھیں کیا سمجھاؤں؟"

بھرما کو یہ باتیں اچھی نہ لگیں۔ غصے میں ہی اٹھ کر چل پڑا۔ رتنوا نے پھر کہا "بھرما کچھ دودھ تو پیتا جا۔

گھر میں جھگڑا کرکے اِدھر اُدھر کھا رہے ہو۔ ہم گھر پر بلا کر کھلا پلا بھی نہیں سکتے۔ جب گھر پر سب ٹھیک ہو جائے تو پھر تمہیں بلاؤں گی۔"

لیکن بھرمانے بات نہیں کی۔ مڑ کر بھی نہیں دیکھا۔ ویسے ہی چلا گیا۔

تب رتنوا نے دل ہی دل میں کہا "ان لوگوں کا معاملہ ایسا ہی ہے۔ اِدھر شیر اُدھر تالاب۔ ہم بیچ میں کیا کر سکتے ہیں؟"

چراغ جلے تارکا کو کلس لے کر جاتے ہوئے دیکھ کر رتنوا بھی وہاں گئی۔ چاروں طرف یہ دیکھ کر کہ وہاں کوئی ہے تو نہیں بولی "ابھی ہمارے گھر تیرا گھر والا آیا تھا۔"

"کیوں؟" تارکا نے پوچھا۔

"کہہ رہا تھا۔ تجھے لے کر الگ رہنا چاہتا ہے ہمارے گھر میں آکر" رتنوا بولی۔ "تم نے کیا کہا؟" تارکا نے بے قراری سے پوچھا۔ اس کے چہرے پر خوشی کی جھلک تھی۔

اندھیرے میں شاید رتنوا اسے دیکھ نہیں پائی۔ وہ بولی:

"پگلی! کچھ بھی ہو بھلا ماں بیٹے الگ ہو سکتے ہیں؟ ہم دُور کے ہیں۔ کل ہم بھی بُرے بنیں گے۔ اس لیے میں نے اپنے گھر ہی جا کر رہنے کے لیے کہا ہے۔"

تارکا چپ ہو گئی۔ اس کا منھ اتر گیا۔ رتنوا پھر بولی "کہیں ملاقات ہونے پر تم سے پوچھے گا۔ کہیں ہاں نہ کہہ دینا۔ اگر ہاں کہہ دی تو میں سمجھوں گی تم نے ہی سب کچھ کر دیا۔"

"جانے دو۔ وہ کہاں مجھے پوچھنے آئے گا؟"

نہیں وہ پوچھے گا۔ اب اس کے دماغ میں کیڑا ہے۔ چار دن تک غصّے میں رہے گا۔ یہ کہا نہیں جا سکتا کہ وہ آخر تک ایسا ہی اڑا رہے گا۔ اور تم "میں بھی چلوں گی" کہہ کر جھٹ اس کے پیچھے چلی نہ جانا۔ اگر کہیں تم نے ایسا کیا تو سمجھو کہ یہ میرا گلا کاٹ کر میرا خون پینے کے برابر ہوگا۔" اس طرح کی قسم دلا کر زور دیتے ہوئے رتنوا نے کہا۔ اس کا سارا دھیان بیٹی کے مستقبل کی طرف تھا۔

بہت زیادہ مشکل حالات میں جب انسان کو یہ نہیں سوجھتا کہ کس آسان راستے کو پکڑنا ہے تب وہ اسی طرف جاتا ہے جسے وہ اس وقت ضروری اور مفید سمجھتا ہے۔ تب اس کے سامنے منزل کا خیال نہیں ہوتا۔ وہ یہ تسلیم کر لیتا ہے کہ جیسا وہ چاہتا ہے ویسا ہی آنے والے وقت میں ہوتا جائے گا۔ اس لیے شام کو قسم کے زیرِ اثر ماں کی بہت سی باتیں سننے پر بھی تارا کا دل بھرما کی طرف کھنچا جا رہا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی۔ "کیا وہ مجھ سے پوچھے گا؟ پوچھے تو کیا کہوں؟ منع کر دوں؟ نا! مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ کل کا جھگڑا دیکھ کر بھی کیا وہ واپس آئے گا؟ میں منع کر کے کیوں بُری بنوں۔ جہاں پتی رہتا ہے کیا وہاں پتنی کو بھی نہیں رہنا چاہیے؟"

ہاتھ پکڑنے کے بعد وہ چاہے ڈبو دے یا پار لگائے اس کے ساتھ جانا ہی ٹھیک ہے ؟"

وہی بات ہوئی۔ آج صبح جب تارکا کھیت پر جا رہی تھی تو لگا جیسے کسی نے "اے" کہہ کر پکارا ہو۔ تارکا نے مڑ کر دیکھا۔ بھرما تیزی سے آ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر اس کا چہرہ کھل اٹھا۔ مگر یہ جاننے کے لیے کہ وہ کیا بولے گا وہ چپ رہی۔ اس کا دل زور سے دھڑکنے لگا۔ اس طرح خاوند سے اس نے کبھی بات نہیں کی تھی۔ ویسے بھی یہ ایک خاص موضوع تھا۔

بھرما قریب آیا۔ اس نے یہ سوچ رکھا تھا کہ کس طرح کی باتیں کرنی چاہئیں۔ بات کے موضوع کو بیوی کے سامنے کیسے رکھا جائے' یہ اس نے بہت اچھے ڈھنگ سے پہلے ہی فیصلہ کر لیا تھا۔

لیکن جب بات کرنے کا موقعہ آیا' وہ سب کچھ بھول گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کہنا چاہیئے۔ اس نے پوچھا" کہاں چلی ؟" ٹھیک طرح منہ سے آواز نہ نکل سکی اس کے چہرے کا رنگ فق تھا۔

"اور کہاں جانا ہے ؟ کھیت پر اُپلے اکٹھے کرنے جا رہی ہوں"

"میرے جانے کے بعد ماں کیا کہہ رہی تھی ؟"

"یہی کہا کہ جہاں چاہے جائے۔ آج نہیں تو کل واپس آ ہی جائے گا" تارا نے کہہ تو دیا مگر دوسرے ہی پل وہ گھبرا اٹھی۔ اس نے دل ہی دل میں سوچا" مجھے چغلی نہیں کھانا چاہیئے"

"یہ بات ہے!" بھرما نے آنکھیں لال کر کے پوچھا۔

تارکا کو کچھ چین ملا۔ اس نے سوچا کہ اس کا یقین غلط نہیں ہوگا۔ پھر بھی اس نے یہی بات کہی" آپ ایسا کیوں کرتے ہیں ؟ بلاوجہ میرے ماں باپ کو ڈانٹ پڑواتے ہیں"

"اچھا۔ جن جن کو ڈانٹ کھانی ہے کھانے دو۔ ایک بار تکلیف اٹھائے بغیر بات نہیں بنے گی۔ تم اس کی ڈانٹ سے ڈرتی ہو ؟"

"ساس ہے نا! ڈرنا ہی چاہیئے"

"گلے تک آ جائے تو ٹھیک ہے مگر جب اس سے بھی اوپر آئے تو .... ؟" بھرما کی آنکھوں سے دو بڑی بڑی بوندیں ٹپک پڑیں۔ آواز صاف کرتے ہوئے اس نے پوچھا" میں ایک بات کہتا ہوں۔ سنو گی ؟"

اسے معلوم تھا کہ کیا بات ہے۔ پھر بھی بولی" کرنے لائق ہوئی تو کر دوں گی"۔ پتہ نہیں دل میں کیا آیا کہ فوراً گیلی آنکھوں کو پونچھ کر بولی" آپ آخر تک اگر ثابت قدم رہ سکیں تو" اپنے ڈر کو ظاہر کرتے ہوئے وہ بولی۔

"پہلے میری بات سنو۔ وہ کوئی بچوں کا کھیل ہے کیا ؟" کہتے ہوئے کچھ آگے بڑھ کر آہستہ سے

بولا: "پرسوں جھگڑے کے وقت تم موجود نہیں تھیں؟ اب وہ روپے دینے سے انکار کر رہی ہے۔ میں دوں تو کہاں سے دوں؟ پرسوں لسوتیا نے چار آدمیوں کے سامنے بُرا بھلا کہہ کر میری بے عزتی کر دی۔ اپنے پاس روپے رکھ کر کیا کرے گی؟ اسے روپے مجھ سے بھی پیارے ہیں؟ ہونے دو جو ہوتا ہے۔ وہ اس سے مانگے گا۔ میں تو گھر نہیں جاؤں گا۔ اگر وہ مجھے نہیں چاہتی تو میں کیوں آؤں؟ اسے بیٹا نہیں چاہیئے۔ اپنا کھیت اور گھر اسے خود دیکھ لینے دو" وہ رک کر پھر بولا جیسے کوئی راز افشا کر رہا ہو" تم بھی گھر چھوڑ کر آجانا ہم دونوں الگ رہیں گے۔" بھرما کی آواز کانپ رہی تھی۔ ٹھیک کر کے پھر بولا" دیکھیں وہ کیا کرے گی؟ دن رات کولہو کے بیل کی طرح ہم کتنی محنت کریں؟"

"وہ سب ٹھیک ہے۔ مگر رہیں گے کہاں؟"

"ایک مہینہ بھیم کاکا کے گھر رہیں گے۔ فصل آنے کے بعد کھیت میں جھونپڑی بنا کر رہیں گے۔ بعد میں دیکھا جائے گا۔"

"یہاں پر بھی الگ رہنے دے گی ماں! اس کی آنکھوں سے دُور کسی اور گاؤں میں چلے جائیں تو کیسا رہے گا؟"

یہ بات بھرما کو ٹھیک نہیں لگی۔ اسے گھر اور کھیت چھوڑ کر کہیں اور جا کر رہنے کی خواہش نہ ہوئی۔ ماں اور اس میں بنتی نہیں۔ گھر میں اسے سکھ نہیں ملے گا۔ الگ رہنا چاہیئے۔ فصل اسے ہی لینی چاہیئے۔ بسوتیا کا قرض اتارنا چاہیئے۔ یہی سوچ کر وہ چلا تھا۔ اس نے اور زیادہ نہیں سوچا تھا۔

بھرما کٹھور ہو کر بولا" وہ کچھ نہیں چاہیئے۔ یہیں رہیں گے۔ تم آؤ گی یا نہیں؟"

تارکالا جواب ہو کر بولی" آؤں گی۔"

"تو آج بھیم شی کاکا کے گھر آجانا۔"

"اچھا"

کچھ دیر تک بھرما سوچتا رہا۔ آخر بولا" آتی دفعہ پہننے کی ساڑھی اور میری دھوتی لیتی آنا۔"

"دیکھوں گی۔" تارکا سوچتے ہوئے بولی۔ اس کا انگوٹھا زمین کرید رہا تھا۔

"نہیں۔ جب وہ لوگ کہیں باہر ہوں تو نکال کر رکھ لینا اور بعد میں لے آنا۔ کل پہننے کے لیے چاہئیں۔"

کچھ سوچتے ہوئے تارا نے سر ہلا کر ہاں کہی۔

12

اوپر بیان کیے گئے واقعہ کو گیارہ مہینے گذر گئے۔ ان گیارہ مہینوں میں اور کوئی خاص تبدیلی تو نہیں ہوئی لیکن تارکا کا معیار زندگی اور نیچے گر گیا۔ روز صبح اٹھتے ہی اسے چھوا کے منھ سے سننا پڑتا: "خاوند کو سکھا پڑھا کر گھر کے دو ٹکڑے کرنا چاہتی تھی نا! مہارانی!" ساتھ ہی اسے ماں باپ سے بھی پھٹکار سننی پڑی۔ ایک دن وہ ندی پر کپڑے دھونے گئی۔ دھوپ چل چلا رہی تھی۔ ندی پر اور کوئی نہیں تھا۔ ندی پورے زور پر تھی اور ماں کی گود کی طرح آرام دہ لگ رہی تھی۔ تارکا کو خواہش ہوئی کہ جیسے بچہ اپنی ماں کی گود میں آکر بیٹھ جاتا ہے ویسے ہی وہ بھی ندی کی گود میں سما جائے۔ بوجھل دل سے وہ ندی میں اتری۔ ایک ایک کر کے کپڑوں کو بھگو کر پتھر پر رکھنے لگی۔ دل میں طرح طرح کے خیالات ابھر رہے تھے "یہ زندگی کسی کو نہیں چاہیئے۔ اس جینے کا کیا مطلب ہے! اس آگ کو بجھانے کے لیے کرشنا میا (کرشنا ندی) کی شرن رہنا ہی ٹھیک ہے۔" تبھی اس کی سہیلی سمتی وہاں پانی کے لیے آئی۔ گویا آخری وقت میں ایشور نے ہی اسے بھیجا ہو۔

سمتی بڑی ہو گئی تھی۔ اس کا ایک لڑکا بھی تھا۔ پرسوں ہی میکے آئی تھی۔ پتہ نہیں بچپن میں ان سہیلیوں میں کتنی راز کی باتیں ہوا کرتی تھیں۔ سہیلی کو دیکھ کر تارکا کی آنکھیں چھلک پڑیں۔ اسے دیکھ کر سمتی کی آنکھوں میں بھی آنسو بھر آئے۔ کچھ دیر تک دونوں کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا بات کریں۔ چپ چاپ ایک دوسرے کو دیکھتی رہیں۔ آخر سمتی ہی نے گرم آہ چھوڑتے ہوئے آنسو پونچھ کر کے کہا: "چار پانچ دن سے ملنا چاہتی تھی۔"

"جب سے ماں نے بتایا تب سے میں بھی ملنا چاہتی تھی۔ مگر میں تمہاری طرح آزاد ہوں کیا؟" یہ بات تارکا نے نیچے کی طرف دیکھتے ہوئے کہی۔ اس کے آنسو کرشنا ندی میں گر کر بہہ گئے۔

سمتی سر سے گھڑا اتار کر تارکا کے بھگوئے ہوئے کپڑے دھونے لگی۔ تارکا بولی "رہنے دو، میں دھو لیتی ہوں۔ تم بھی سسرال سے تھکی ہوئی آئی ہو۔"

"تو کیا ہو گیا۔ باتیں کرتے کرتے دونوں دھوئیں گی۔ ہم دونوں کو ساتھ ہی تو لوٹنا ہے۔ لڑکے کو میں ابھی سلا کر آئی ہوں۔ ذرا دیر ہو جانے سے کون سی آفت آ جائے گی۔"

تارکا نے ایک چھوٹے سے کپڑے کو کھینچتے ہوئے پوچھا "تمہاری ساس کیسی ہے؟"

"ٹھیک ہی ہے ۔ جیسے ساس ہوا کرتی ہے ۔ لیکن تمھاری ساس جیسی نہیں ہے ۔ تمھاری تو دنیا بھر میں نرالی ہے"۔ تھوڑا رک کر۔" وہ کیسا ہے تمھارے ساتھ ؟"

"وہ بھی تو اس کا بیٹا ہے۔" اتنا ہی کہہ کر وہ ساڑھی نچوڑنے لگی۔ دونوں نے کچھ دیر تک بات نہیں کی۔ سمتی کپڑوں کو ایک ایک کر کے دھونے لگی۔ تارکا ان کو نچوڑ کر پتھر پر سکھانے لگی۔

"بیچ میں الگ رہنے لگ گئی تھی ؟"

"ہاں ایسا کر کے ہی اس نے مجھے برباد کر دیا۔ اس کے کہنے پر اس کے ساتھ چلی گئی اور ادھر میرے ماں باپ بھی برا مان گئے۔ ماں نے پیسے دے دیے۔ اس نے لے لیے"۔

"تو یہ بات ہے۔ ایک بار تم لوگ گھر سے الگ ہو گئے تھے تو الگ ہی رہنا تھا۔ اس سے ایک ڈھنگ تو ہوتا !"

"مگر یہ بھی تو قسمت میں نہ تھا۔ کہاں جاتے 'میرے پھوٹے کرم !"

تارکا کے منھ کی طرف دیکھ کر سمتی نے حوصلہ دیتے ہوئے کہا:" آج نہیں تو کل دن پھریں گے۔ کیا بھگوان نہیں دیکھتا ؟"

تب تارکا بول اٹھی" اب کیا دن پھریں گے ؟"

آنسو پونچھ کر کپڑوں کی ٹوکری اس کے سر پر اٹھواتے ہوئے بولی" ایسا نہ کہو تارا۔ ان باتوں کی تہ میں جو بات تھی اسے وہ ہی جانتی تھی۔ ان دنوں سسرال میں تارکا کی حالت اور گر گئی تھی۔

چھوا اب بیٹے کا مزاج دیکھ کر چلنے لگی تھی۔ اس کے علاوہ موقعہ دیکھ کر تارکا کے خلاف اس سے شکایت کیے بغیر بھی نہ رہتی تھی۔ دو دن پہلے شام کے وقت چھوا نے تارکا کو ایک بڑا گھڑا دے کر پانی لینے بھیجا۔ اور پھر فوراً گودھوں میں کام کرتے بیٹے سے جا کر بولی" دیکھا۔ وقت بے وقت اس طرح گھڑا لے کر چلی دیتی ہے۔ ابھی نچلے گھر کا ستیہ بھی گیا ہے۔ اس لیے گئی لگتی ہے"۔

بھرما نے گھور کر دیکھا۔ اس کا منھ لال ہو گیا۔ ماں کی بات سن کر جیسے اس پر بجلی گر گئی ہو۔ سر چکرا گیا۔ اسے ایسا لگا جیسے کسی نے کمرے میں بند کر کے ہاتھ پاؤں باندھ کر گھونسے جمائے ہوں۔ اس کے ہاتھ پتھر جیسے ہو گئے ' دل زور زور سے دھک دھک کرنے لگا۔ اسے لگا وہ گر پڑے گا۔ وہ ایسے ہی کھمبے کے سہارے کھڑا ہو گیا۔ سارا جسم پسینہ پسینہ ہو گیا۔ گلا سوکھ گیا۔ گرم سانس ناک سے دھونکنی کی طرح نکلنے لگی۔ ہونٹ دانتوں تلے زور سے دبا لیے تھے۔ اس کا دل بار بار پوچھنے لگا" کیا یہ سچ ہے ؟ کیا یہ سچ ہے ؟" تب چھوا نے بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"میں تم سے جھوٹ نہیں بول رہی۔ تو چاہے تو ندی پر جا کے دیکھ آ!" بھرما وہاں سے چل پڑا۔ چار پانچ قدم چلنے کے بعد اس کے ہاتھ پیر جواب دے گئے۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا سا چھا گیا۔ وہ دھم سے زمین پر

بیٹھ گیا مگر فوراً ہی اٹھ کھڑا ہوا کسی طرح ہوا کی لپیٹ میں آئے بے جان پتے کی طرح آگے بڑھنے لگا۔ ندی کے پاس آگیا۔ جھاڑی کے پیچھے چھپ کر دیکھا گھڑا بھاری ہونے کی وجہ سے اٹھا نہ پانے پر تارکا نے ستیہ کا ہاتھ لگوا کر اٹھوایا۔ بس اتنا ہی کافی تھا، دل میں دراڑ پڑنے کے لیے۔

ان دو دنوں سے گھر میں، اس بات کو لے کر جھگڑا چل رہا تھا۔ تارکا نے کھانا تک نہ کھایا۔ وہ زندگی سے تنگ آکر ایسی دھوپ میں ندی پر آئی تھی۔

دونوں ندی کے کنارے چڑھ کر چلیں۔ "تم تو سکھی ہو نا سما!" تارا نے پوچھا۔ "دوسرا سکھی ہے تو یہ سن کر ایک طرح کا سکھ ملتا ہے" شاید اس لیے اس نے پوچھا تھا۔

سمتی یہ کہنا چاہتی تھی کہ میں سکھی ہوں۔ مگر پتہ نہیں وہ ایسا کیوں نہ کہہ سکی۔ "ساس کے گھر سکھ دکھ رہتے ہی ہیں۔ کسی طرح زندگی گذار کر ماں باپ کا نام رکھنا ہی پڑتا ہے۔"

تارا اداس ہو کر بولی "رکھنا پڑتا ہے۔" پھر پوچھنے لگی "جو بھی ہو۔ ایک لڑکا ہوا۔ تمھارا جیون ایک کنارے تو لگ گیا۔ کیسا ہے رائے صاحب؟"

"مزے میں ہے۔ یہاں آنے سے پہلے چار دن سے زکام تھا۔ وہ کہہ رہے تھے۔ "لڑکے کو اس حالت میں لے جانے کی ضرورت نہیں ہے" لیکن بابو تہوار کے لیے بلانے آئے تھے۔ اس سے پہلے بھی چار دفعہ چکر کاٹ چکے تھے۔ اور چکر کٹانا نہیں چاہتی تھی، اس لیے آگئی۔" اس طرح سمتی نے اپنے لڑکے کے بارے میں بتایا۔

تارکا کے لیے یہ سب باتیں نئی تھیں۔ وہ حیرانی سے سمتی کی باتیں سن رہی تھی وہ آگے بولنے لگی۔ "میلہ دیکھنے کے لیے آئی۔ یہاں اس کی تاریخ آگے کر دی گئی۔ میلے کے اگلے دن میں چلی جاؤں گی۔"

"میرے بابو کل لگا دی میلے کے تہوار کے لیے مجھے لے جانے کے لیے آئیں گے۔ اس نرک سے ایک دفعہ تو باہر جاؤں گی۔"

"تب ہمارے گھر بھی ایک بار آنا بچے کو دیکھنے کے لیے" اتنے میں سمتی کے گھر کو مڑنے کا راستہ آگیا۔ اس نے عام انداز میں پوچھا "پھر سسرال کب لوٹے گی؟"

تارکا نے کچھ رک کر اس سے پوچھا "کس لیے؟" سمتی گھر پہنچنے تک سہیلی کے سوال "کس لیے؟" کا جواب تلاش کر رہی تھی بعد میں بیٹے کو پیار کرنے میں ایسی کھوئی کہ اس گتھی کو سلجھانے کی بات بھول گئی۔

تارکا کا سوال جائز تھا۔ مذاق کے لیے نہیں پوچھا گیا تھا۔ وہ تو دکھی دل سے نکلا تھا۔

خوش قسمتی سے میلے میں شریک ہونے کے لیے اننت اور نابھی راج بھی آئے۔ اس سے تارکا کی زندگی میں خوشی کا چشمہ پھوٹ پڑا۔ اننت اب پہلے کی طرح چھوٹا نہ تھا۔ وہ ہائی اسکول میں پڑھ رہا تھا۔ وہ باریک دھوتی اور صاف ستھری قمیص پہنتا تھا۔ صفائی سے کنگھی کر کے مانگ نکالتا تھا۔ گلے میں سونے کی لاکٹ

ڈالتا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ اب اسے الگ سے نئے زمانے کا نوجوان کہنے کی ضرورت نہ تھی۔ تارکا نے اسے ایک بار حیران ہو کر دیکھا۔ ویسے اسے بار بار دیکھنے کی تمنا ہوتی تھی۔ ایک دن دوپہر کو اننت نے پوچھا "بوا جی۔ اب کیوں میلے کا انتظام ہوا؟" اسے اب ہر بات کو جاننے کی آرزو رہتی تھی۔

اننت کی بات چیت سننے کی خواہش تارکا کے دل میں ہمیشہ رہتی۔ اس کی باتیں اس کے کانوں کو پیاری لگتیں۔ اس کے بیٹھنے اور کھڑے ہونے کے طور طریقے بھی اسے لبھاؤنے لگتے۔ اننت جب سے بوا کے گھر آیا تب سے روز نہانے کے لیے ندی پر جاتا۔ ایک دو دفعہ اس کی بوا نے اسے کہا بھی "انتو! ندی میں نہانے مت جا۔ تمھیں ٹھنڈا پانی راس نہیں آتا۔ میں گرم پانی کیے دیتی ہوں یہیں نہا لینا۔"

لیکن اننت نے اس کی بات نہ سنی۔ نہانے کے لیے ندی پر جاتا ہی رہا۔ وہ جب بھی نہانے کے لیے جاتا، تارکا بھی کپڑے دھونے کے لیے جاتی۔ اس کے نہا کر کپڑے اتارنے کے بعد وہ ان کپڑوں کو دھوتی اور تہہ لگا کر لے آتی۔ اننت خالی ہاتھ ہلاتا گھر آتا۔ تارکا اننت کی دھوتی کو دھیان سے سکھاتی۔ اس پر کوئی داغ لگ جائے تو وہ فکر مند ہو جاتی۔ اس کے کپڑوں اور کتابوں کو قرینے سے لگانے میں نہ جانے کتنا وقت لگا دیتی۔ کوئی نہ کوئی بات اٹھا کر اسے بات کرنے میں آگے بڑھاتی۔ ان سب کاموں میں پتہ نہیں کیوں اسے ایک قسم کی خوشی محسوس ہوتی۔

پچھلے ایک مہینے سے مل کا پریوار گاؤں کے پاس کھیت میں رہتا تھا۔ وہیں انھوں نے ٹین کی چھت ڈال کر ایک جھونپڑی بنا لی تھی۔ چٹائیوں سے گائے بھینس کے لیے الگ جگہ بنائی تھی۔ اس لیے انھیں اب گاؤں جانے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ پھر بھی اگلے سنگروار گاؤں جانے کا پکا ارادہ کر لیا گیا۔ مل ان دنوں میلے کے کام میں مصروف تھا۔

لنگوا کے میلے میں مگدموں کا بڑا ہاتھ ہوتا تھا۔ پوجا کے لیے پرساد تیار کرنا، اسے دیوی پر چڑھانا۔ جن کے سر پر دیوی آتی ہے ان کو پروسنا۔ بعد میں لوگوں کو کھلانا ان ہی کی ذمہ داری تھی۔ اس لیے رسوئی، برتن، اناج اور ایندھن وغیرہ کو اکٹھا کرنے کے لیے مل اپنے گھر بار کا کام پانچ چھ دن کے لیے چھوڑ کر اس میں جٹ جاتا۔ یہ پہلے سے چلی آ رہی بات ایک رواج سا بن گئی تھی۔

اننت کی گاؤں میں کسی سے واقفیت نہیں تھی۔ اس لیے ہمیشہ کھیت پر ہی رہتا۔ بوا کا بنایا مزیدار کھانا کھانے، کچھ پڑھنے اور گپیں مارنے میں وقت گذارا کرتا تھا۔ تارکا کو بھی گھر میں کام نہ تھا۔ وہ سسرال سے تھکن سے چور ہو کر آئی تھی۔ وہ بھی اننت کے ساتھ گپیں مارنے کے لیے ہمیشہ تیار رہتی۔ ان دونوں کے درمیان نابھی راج بھی ایک تھا۔ دوپہر کے وقت ٹین کی اس جھونپڑی میں خاصی گرمی ہو جاتی تھی۔ اس لیے تارکا پاس والے آم کے پیڑ

کے سایے میں کمبل بچھا دیتی۔ انت وہیں بیٹھ کر پڑھتا یا نیند آ جانے پر کتاب سینے پر رکھے رکھے سو جاتا۔ ایک دن نچلے کھیت کی طرف جاتے ہوئے تارکا نے انت کو اس طرح سوتے دیکھا تو رک گئی۔ انت کا یہ روپ اسے اس سے پہلے کبھی اتنا پرکشش نہیں لگا تھا۔ فراخ مستک پر جھکی ہوئی بھنویں، نئی نئی بھیگی مونچھیں، خوبصورت چہرہ، ماتھے پر ہوا سے اِدھر اُدھر بکھری ہوئی دو تین آوارہ گھنگریالی لٹیں ـــــ پتہ نہیں کتنی دیر تک ان منی سی وہ ایسے ہی کھڑی کھڑی بچپن اور جوانی کے بیچ کے اس البیلے حسن کا نظارہ کرتی رہی۔ اسے دھوپ کا بھی دھیان نہ رہا۔ انت نے اچانک آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ سامنے تارکا دھوپ میں کھڑی ہے۔

انت نے پوچھا "دھوپ میں کیوں کھڑی ہو تارا؟"

تارا گھبرا کر ہڑبڑاتے ہوئے بولی "ماں شاید آنے والی ہے!"

بات انت کی سمجھ میں آ گئی۔ اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری پھر غائب ہو گئی۔ اور اس نے آنکھیں موند لیں۔

رتنوا کا ہاتھ اس کے دل کی طرح بڑا ہی کھلا تھا۔ کھانا کھاتے وقت، انت کے منع کرنے پر بھی وہ زیادہ کھانا اس کے آگے چن دیتی۔ گاؤں کی عورت تھی نا! جتنا کھانا گاؤں کے لڑکوں کو دینا چاہیے اتنا ہی چن دیتی۔ انت مشکل میں پڑ جاتا۔ بوا کے ہاتھوں کا پروسا ہوا ایک بار کا کھانا وہ دو بار کھا کر بھی ختم نہیں کر پاتا۔ جتنا کھا سکتا کھاتا مگر پھوپھا کے کھانا ختم کرنے تک دسترخوان پر برابر جما رہتا۔ اس کے کھانا کھانے کے انداز کو دیکھ کر رتنوا پیار سے کہتی۔ "اب رہنے دو۔ اتنے بڑے ہو گئے ہو۔ اب بھی بچوں کی طرح کرتے ہو۔"

بوا کے یہ کہتے ہی انت پانی پی کر اٹھنے کو تیار ہو جاتا۔ اتنے میں 'مل' ہاتھ دھو کر لوٹا رکھنے کے لیے اندر جاتے ہوئے بولتا "اس کے سر پر کپڑا باندھ دو۔ اس کی جوٹھن کون کھائے گا؟ چھوٹا بچہ تھوڑا ہی ہے۔ آٹھ سال کا تو میں تھا تو تب بھی اپنا کھانا نہیں چھوڑتا۔ یہاں کیا اس کی زوری بیٹھی ہے جو اس کا جوٹھا کھائے گی۔ چپ چاپ سارا کھانا کھا لو نہیں تو کان کاٹ کر ہاتھ میں پکڑا دوں گا!" یہ مذاق کرتے ہوئے وہ باہر چلا جاتا۔ رتنوا بولتی "اچھا اب تم ہاتھ دھو لو۔ میں اور تارا تھوڑا تھوڑا کھا لیں گے۔"

انت بچپن سے اس گھر میں آتا جاتا تھا۔ پھوپھا اور بوا کے ساتھ اس کا بڑا پیار تھا۔ اس لیے اسے کوئی بات بری نہیں لگتی تھی۔ دھیرے سے اٹھ کر مسکراتے ہوئے ہاتھ دھونے کے لیے باہر چلا جاتا۔ اس کے اٹھتے ہی تارکا اسی چوکی پر بیٹھتے ہوئے بناوٹی غصے میں بولتی: "لو آج بھی اس کی جوٹھن کھانی پڑے گی۔ روز چھوڑ دیتا ہے۔" اس کی یہ کوشش ضرور ہوتی تھی کہ کہیں ماں اس سے پہلے کھانے نہ بیٹھ جائے۔

پگڑی لیتے لیتے مل بولتا "بڑی مرغن غذا ہے نا! دیکھو کتنی جلدی بیٹھ گئی۔ جب بچی تھی تب اسے کسی کے جوٹھے گلاس میں پانی پینے کو کہا جاتا تو اسے دھوئے بغیر چھوتی تک نہ تھی۔ اب وہ سب باتیں کہاں گئیں بیٹی؟"

شام کو انت بستر پر بیٹھ کر سومنگیوں کے گیتوں والی کتاب پڑھنے لگا۔ تارکا وہیں بستر پر آڑی ترچھی لیٹ کر دھیان سے سن رہی تھی۔ اس کی ماں چولہے پر دودھ گرم کرتے ہوئے کسی میلے کے بارے میں باتیں کر رہی تھی۔ اس سے تارکا کی محویت میں خلل پیدا ہوئی تو وہ جھلا کر بولی: "اب آپ اپنی باتیں بند بھی کریں۔ یہ باتیں شام تک کہیں بھاگ تو جائیں گی نہیں؟ ابھی سے شروع کر دیں۔ ذرا گانا سننا چاہتی ہوں۔" بیٹی کے اتنا کہنے پر ہی رتنا نے اپنی بات روک دی۔ اپنی بیٹی کا دل وہ ذرا سا بھی دکھانا نہیں چاہتی تھی۔

"اچھا تم سنو" پھر پڑوسن سے مخاطب ہوتے ہوئے رتنوا بولی "اسے گانے کا بڑا شوق ہے۔ چلو ہم سب باہر چلیں" یہ کہہ کر وہ پڑوسن کو باہر لے گئی۔ یہ جان کر انت کو بڑی خوشی ہوئی کہ تارکا اس کا گیت سن رہی ہے۔ وہ اور منہ بھر آواز میں گانے لگا۔ نیند آنے تک تارکا سنتی رہی، پتہ نہیں اسے کب نیند آگئی۔

دوسرے دن تارکا کے بستر سے اٹھنے سے پہلے رتنوا باہر سے آکر بولی "بیٹی مجھے کپڑے آگئے ہیں۔ تم تھکی ماندی میکے آئی ہو لیکن تمھیں یہاں بھی آرام نہیں ملے گا۔ کپڑے تو اور پانچ چھ دن نہیں آنے تھے۔ پچھلی بار پورنماشی سے چار دن بعد میں آئے تھے، اس بار پورنماشی سے چار دن پہلے ہی آگئے۔

تارکا چپ چاپ بستر پر کروٹیں لیتی رہی۔ رتنوا نے بات بڑھاتے ہوئے کہا "اب ایسے دیر کرنے سے کام نہیں چلے گا۔ اٹھو، کام بہت ہے۔ کل میلہ ہے۔" جب چھٹکارے کی کوئی صورت نہ پاکر تارکا بڑبڑاتے ہوئی اٹھنے لگی تو انت نے یقین دلاتے ہوئے کہا "میں بھی تمھاری مدد کروں گا، تارا! تم فکر کیوں کرتی ہو؟"

باہر کھڑی رتنوا نے پوچھا: "تم کیا کرو گے؟ کیا تمھیں کھانا بنانا آتا ہے۔ تمھارے اسکول میں کیا تمھیں سکھاتے ہیں؟"

انت چپ چاپ ہنس پڑا۔ اس نے تارکا کا ہاتھ بٹانے کے لیے کہہ تو دیا تھا لیکن یہ محض اس کے ساتھ ہاں میں ہاں ملانے کا ایک انداز تھا۔ اس نے یہ نہیں سوچا تھا کہ وہ اس کی کس طرح مدد کر سکے گا۔ اب وہ سوچ میں پڑ گیا اس کی پریشانی کو بھانپ کر تارکا ہنستے ہوئے بولی: "میں روٹی بناتی ہوں۔ تم آگ سلگانا۔ وہ بھی تمھیں آتا ہے کہ نہیں؟"

انت فخر سے ہنستا ہوا بولا: "ہاں، آگ سلگانا کونسا مشکل کام ہے۔ یہ تو چھوٹے بچے بھی کر لیتے ہیں۔"

اس دن کھانا بننے میں کچھ دیر ہی ہوئی۔ پھر بھی متی اس وقت تک نہیں آسکا۔ اس لیے اس نے بھرتا کے ہاتھ ہی انت کو کہلا بھیجا کہ نہیں آسکے گا۔ لہٰذا انت کو اکیلا ہی کھانا کھا لینا چاہیے۔ کہنے کے لیے بھرتا کھیت سے آیا لیکن وہ گھر کے اندر نہیں آسکتا تھا۔ وہ باہر سے ہی کہہ کر لوٹنے لگا۔ انت نے اندر سے آکر بلایا: "آؤ نا بھرتا۔"

"کام ہے" کہہ کر بھرما چلا گیا۔ انت کو اب تارکا سے مذاق کرنے کا موقعہ ملا "تمہارے پتی دیو نے کیسی پگڑی باندھی تھی۔ داڑھی کیسے بڑھا رکھی ہے۔ دھوتی کیسے پہن رکھی تھی، پاگلوں کی طرح ؟" یہ کہتے ہوئے وہ ہنس پڑا۔ تارکا کو معلوم ہوا کہ بھرما کیوں آیا تھا۔ بے ساختگی سے بولی "اچھا رہنے بھی دو انت' وہ کیا تمہاری طرح اسکول میں پڑھنے گئے تھے ؟" کچھ رک کر پھر بولی "جیسے بھی ہوں وہ میرے ہیں ۔"

"ہاں' ہیں تو۔ کہاں جائیں گے ؟ ہنومان جی جیسے ہیں تمہارے پتی !" یہ سوچ کر کے تارکا دکھی ہوگی انت نے بھرما کو بندر کا مرتبہ نہیں دیا۔

"اب رہنے دو' کھانا کھالو۔ تمہاری باتیں سن کر کوئی ہنس نہ پڑے۔"

"ہنسنے پر اُن کے دانت ہی دکھائی دیں گے۔" یہ کہتے ہوئے وہ کھانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ اندر تارکا نے کھانے کی تھالی لگادی تھی۔ ہاتھ منھ دھو کر انت مسکراتے ہوئے بولا: "تم نے ساری ترکاری مجھے ہی دے دی۔"

تارکا نے جان بوجھ کر زیادہ ترکاری ڈال دی تھی۔ "میرا کیا جاتا ہے ؟ تم چھوڑ ہی دیتے ہو"۔ یہ کہتے ہوئے اس نے انت کے چہرے کی طرف دیکھا۔ دونوں کی نظریں ملیں۔ دونوں کے چہرے پر مسکراہٹ کھل گئی، جو فطری خوشی کی تھی۔ دونوں میں رومانی جذبات جاگ اٹھے۔ یہ تجربہ دونوں کے لیے نیا تھا۔ تارکا کھانا لگا کر آگے کے کام میں لگ گئی۔ لیکن انت کا آج کھانا کھانے کو من نہیں تھا۔ ایک بار ایسا لگا جیسے ساری جھونپڑی گرکر سے گھوم رہی ہو۔ سامنے کھڑی ہوئی تارکا ایک بار چھت کے شہتیر تک جا کر نیچے آتی ہوئی لگی۔ کٹوری کا دہی ختم ہوگیا تھا۔ تارکا نے ڈالنا چاہا تو انت نے کہا "نہیں چاہیے۔" تارکا بولی "کس سے کھاؤ گے ؟" وہ بولا: "ڈالو۔" کسی طرح کھانا کھا کر اٹھا۔ تارکا نے کھانا کسی بھی طرح نگایا۔ کھانا ختم ہونے تک دونوں کی نگاہیں ایک دو بار ملیں اور معاً دل میں اتر کر کچھ چاہنے لگیں۔

اسی دن دن' دوپہر کو چکی پیستے ہوئے تارکا یہ گیت گا رہی تھی:

"تم کس کی بیٹی ہو گڑیا رانی ؟
تمہاری دِنّا وِلی کتنی سندر ہے بیٹی ؟
تم کس کی بیٹی ہو گئی ؟

انت نے اس گیت کو لکھ لیا۔ شام کو سب کے سامنے مسکراتے ہوئے اس نے اسے پڑھ کر سنایا۔ تارکا نے شرم سے سر جھکا لیا۔ اس کا چہرہ سُرخ ہوگیا۔ وہ انت کی چالاکی پر دل ہی دل میں خوش ہوئی۔

شام کو سب لوگ مندر چلے۔ مندر گاؤں سے ایک میل دُور ندی کے کنارے پیڑوں کے جھرمٹ میں تھا۔ تب تارکا کے جوش و خروش کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ اس کی سج دھج کو دیکھ کر' دیکھنے والوں کو یہ گمان

ہونے لگا کہ آیا یہ وہی پہلے والی تارکا ہے ؟ انت انگریزی اسکول میں پڑھ رہا تھا۔ بس اور کہنا ہی کیا۔ اس کی نئی پوشاک کو سارے گاؤں والے دیکھتے ہی رہ گئے۔ سبھی مندر گئے۔ تب تک مندر کے سامنے لوگ اکٹھے ہو گئے تھے۔ گڈریے ڈھول بجا رہے تھے تھوڑی دیر میں مادی گر (چمار) مریبا پر دیوی آنے والی تھی۔ وہ سب دیکھنے کے لیے مندر کی اگلی سیڑھیوں پر کھڑا ہونا پڑتا تھا۔ وہاں انت نئے جوتے پہن کر کیسے جاسکتا تھا۔

یہ حالت دیکھ کر تارکا بولی: "انت تم اپنے جوتے یہاں چھوڑ دو۔ میں ان کی دیکھ بھال کروں گی۔ تم آگے جاؤ۔"

انت نے پوچھا، "تم یہ جشن کیسے دیکھ پاؤ گی ؟"

"میں کئی بار دیکھ چکی ہوں۔ تم نے کبھی نہیں دیکھا' جاؤ۔"

انت جوتے اتار کر مندر کی اگلی سیڑھیوں پر کھڑا ہو گیا۔ پھر مڑ مڑ کر تارکا کو دیکھتا جاتا تھا۔ اتنے میں رتنوا آگئی اسے نابھی راج کو اٹھا کر لانا تھا۔ اس لیے دیر ہو گئی۔ رتنوا آتے ہی تارکا کے پیچھے کھڑا رہنے کا سبب سمجھ گئی۔ اس نے فوراً دور بیٹھے ہوئے (چمار) کو بلا کر جوتوں کی نگرانی کے لیے کہا اور بیٹی کو ساتھ لے کر آگے گئی۔ اتنے میں مریبا پر دیوی آگئی۔ وہ اپنے بالوں کے جوڑے کو ہلاتا ڈولاتا، ناچتا ہنکار بھرتا اور دوڑتا آیا۔ پیچھے چار مادی گر تھے، کریوں کا ڈھول بجانا تک رک گیا۔ وہ خوف زدہ ہو کر پیچھے ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔ گاؤں کے سب بزرگوں نے ہاتھ جوڑے۔ سنگدم کے مل اور دوسرے رشتے دار مندر میں جا کر دیوی کے سامنے سے پرساد لائے۔

مریبا نے ہنکار بھری اور اڑان بھر کر اٹھا۔ ہاتھ پھیلایا۔ اس میں امبلی یعنی کھچڑی ڈالی گئی۔ اس نے کھائی۔ اس میں سے تھوڑی سی نیچے گر گئی اور تھوڑی سی منھ میں لگ گئی پینے کے لیے لوٹے میں پانی لاکر دیا گیا۔ جلدی سے لوگوں نے اس کا منھ دھویا۔ مگر اس نے ٹھیک سے دھونے نہیں دیا۔ وہ پھر ہنکار بھرنے لگا۔ دوسرے چماروں نے جلدی سے کمبل لاکر اس پر ڈال دیا۔ بعد میں دیوی بولنے لگی۔ ہا!...... ہا!...... ہا!...... ہا۔ میری یاد نہیں ہے...... تم لوگوں کو...... آم...... آم...... کیا کیا تم لوگوں نے...... مندر نے پوتاہ (مرمت) نہیں دیکھی...... بیس برس ہو گئے" ساری جنتا نے ڈر کے مارے کان پکڑے۔ وہ آگے بولنے لگی: "بدلا لوں گی۔ ابھی میں نے کچھ نہیں کیا ہے۔ دانت نہیں توڑے۔ وہ کون ہے ؟" سامنے کھڑے ایک گوڑ نے ڈر اور عقیدت کے ساتھ ہاتھ جوڑ کر نمسکار کرتے ہوئے عرض کیا "مجھ سے کیا خطا ہو گئی دیوی۔ آپ فرمائیے میں اپنے آپ کو سدھار لوں گا۔"

اب کھیت میں اناج نہیں ہوگا۔ سارا گاؤں برباد ہو جائے گا...... کوئی نہیں بچے گا۔ لاشیں بچھیں گی۔"

"آپ ہی ہمیں بچا سکتی ہیں" ایک آواز میں سب نے ہاتھ جوڑے۔

"لاشیں جلانے کے لیے لکڑی تک نہیں ملے گی۔ ایک ایک جنازے میں تین تین لاشیں اٹھیں گی۔

ہے۔ ہے۔ ہے! موت نزدیک ہے۔ ہا، ہا، ہا!" پیشن گوئی کرتے وہ ایک دم زمین پر گر گیا۔ فوراً ڈھول بجنے لگے۔ تُرا ہی بج اٹھی۔ ساتھ آئے مادی گر اسے کمبل میں لپیٹ کر اٹھالے گئے۔ لوگ جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ پاپی مندر کا طواف کرنے لگی۔ لوگوں نے دیوی کے درشن کیے۔ بھگت لوگ پجاری کے ہاتھ سے ناریل تڑوا کر گھر کی طرف چل دیے۔ سمجھ دار ہوتے ہوئے بھی اننت یہ سب کچھ دیکھ کر دیوی کو ہاتھ جوڑے بغیر نہ رہ سکا۔

رات کو "گوج لگنے کا واری بات" کھیل تھا۔ بکھرے ہوئے آٹے کی طرح چاندنی پھیلی تھی۔ کھیل دیکھنے جانا تھا۔ اس لیے کوئی سو نہیں سکتا تھا۔ اننت نے چاندنی میں بیٹھ کر بات چیت کرنے کی صلاح دی۔ اس کی بات کو کوئی نہیں ٹال سکتا تھا۔ اسے بھی ان دنوں گپیں ہانکنے میں مزا آنے لگا تھا۔

سب بڑے لوگ اندر کام میں مصروف تھے۔ بچے چاندنی میں 'آنگن میں بیٹھ کر گانا گانے' کہانیاں سنانے پہیلیاں بوجھنے اور حل کرنے میں مصروف تھے۔ وہ ہارنے پر ہنستے تھے اور جیتنے پر بھی۔ گاؤں کی پہیلیاں بوجھنے میں تارکا بڑی ہوشیار تھی۔ اننت اس سے ہار جاتا تھا۔ تارکا کو ہرانے کے لیے وہ اندر سے اپنے چھوٹے بھائی کی کتاب لے آیا۔ اس نے اس میں سے ایک پہیلی پوچھی "جنگل کے بیچ پتھر کا دیش ہے' دیش میں چاندی کا قلعہ' قلعے میں پانی ہے۔ پانی بہتا تو نہیں لیکن صاف ہے۔ بتاؤ وہ پانی کیا ہے؟"

تارکا کو جہاں کچھ سمجھ میں نہیں آیا وہاں اس نے مطلب دریافت کیا اور پہیلی کو دوبار سننے کے بعد اس کا جواب دے دیا۔ اننت اس بار بھی ہار گیا۔ بعد میں یہ فیصلہ ہوا کہ ہارنے والوں کو ایک مکّہ کھانا پڑے گا۔

تارکا نے پوچھا "لال گھوڑے پر کاؤ سوار' ایک راجا آکر تے' ایک راجا چڑھتے۔ بتاؤ کون ہے؟"
باقی لڑکوں کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھ کر تارکا نے پہیلی کا حل بتانے سے انھیں منع کر دیا۔ اننت پہیلی نہیں بوجھ پایا اور ہار گیا۔ اب تارکا کو اسے ایک مکّہ جمانا تھا لیکن اننت نے اس کے بدلے میں ایک کہانی سنائی۔ اس کے ہیرو اور ہیروئن بھرتا اور تارکا تھے۔ اب تارا ہار گئی۔ اننت نے اس کے چٹکی کاٹی۔ تارکا اس کے چہرے کی طرف دیکھ کر ہنس پڑی۔ ان دو برسوں میں تارکا پر جو اداسی چھا گئی تھی اننت نے اسے چار پانچ دن میں دُور کر دیا تھا۔

کھیل شروع ہوا۔ حق کی فرمایش پر مندر کے آنگن کی سیڑھیوں پر گوڑا اور کلکاریوں کے پاس اننت کے لیے جگہ مقرر کی گئی تھی۔ اننت وہاں جا کر بیٹھا۔ تارکا عورتوں کے جھنڈ میں بیٹھی تھی۔ بھرما بھی کھیل دیکھنے کے لیے آیا تھا۔ اسے ایسے کھیلوں میں خاصی دلچسپی رہتی تھی۔ وہ کھیل کے اکھاڑے کے پاس ہی اگلی قطار میں بیٹھا تھا۔ کھیل شروع ہوا۔ کچھ دیر تک چلا۔ ناٹک میں رنگ منچ پر ایک کردار اپنا کام ختم کر کے جاتا ہے اور دوسرا کردار آتا ہے۔ پردے کی صورت میں ایک شال پکڑنے کی رسم رہتی ہے۔ اس وقت شال پکڑنے کی

حالت تھی۔ کھیل میں دُوت کے کام کرنے والے نے شال لاکر اگلی قطار میں بیٹھے ہوئے تماشائیوں میں سے دو آدمیوں کو بلایا۔ تین چار آدمی بڑے جوش وخروش سے اس شال کو پکڑنے کے لیے اٹھے۔ ان میں بھرما بھی ایک تھا۔ کرداروں کو دیکھنے کی خواہش سے وہ اٹھا ہوگا۔ کھیل میں لڑکی ہو تو گاؤں کے لڑکوں کو اسے دیکھنے کی بڑی خواہش رہتی ہے۔ ممکن ہے بھرما اسی خواہش کے ساتھ اٹھا ہوگا۔ جو بھی ہو بھرما نے اٹھ کر شال پکڑا۔ ایک لڑکی آکر گانے لگی۔ بھرما اسے دیکھے جا رہا تھا۔ نیچے بیٹھے نوجوانوں میں سے ایک نے مذاق میں کہا: "اس جانور نے عورت کا منھ کبھی دیکھا ہے کہ نہیں" پاس کے لوگ زور سے ہنس پڑے۔ اسی وقت اچانک اننت کی نظر تارکا پر پڑی۔ اس کے منھ پر مسکراہٹ تھی۔ تارکا کا چہرہ بھی کھل اٹھا۔ لیکن اس میں ایک تیکھی بے قراری تھی۔ کھیل آگے بڑھا۔ اس میں بار بار سنگار بھرے وقفے آنے پر اننت تارکا کے چہرے کی طرف دیکھتا۔ وہ بھی اس کی طرف دیکھتی۔ نظریں مل جاتیں تو چہرے کھل اٹھتے۔ لوگوں کی اس بھیڑ میں دو دل ایک دوسرے سے ملتیں۔ ایک ہی تال پر قدم رکھتے من شاید ایک تال پر ناچتے۔ جب وہ اسے دیکھنا چاہتا تبھی وہ اسے دیکھتی۔ ایک دوسرے کو لگاتار دیکھتے رہنے کا سبب تو ان کی آتما ہی جانتی تھی۔ بار بار ان کی نظریں ملتیں اور الگ ہو جاتیں۔ اس طرح صبح تک کرشن ستیہ بھاماں کے کھیل کے ساتھ ان کا من بھی ایک ہو گیا اور دونوں گھر لوٹے۔

سورج نکلے دو گھنٹے ہو گئے۔ اننت رات کو ناٹک دیکھ کر آیا تھا۔ اس لیے اب بھی بستر میں کروٹیں بدل رہا تھا۔ تارکا اور رتنا کبھی کی اٹھ کر کھیت والی جھونپڑی میں جانے کے لیے سامان تیار کرنے لگیں۔ اتنے میں ایک پڑوسن رتنا کو آواز دیتے اندر آئی۔

"کیا بات ہے؟ آؤ نا! سویرے سویرے کیسے؟" یہ کہتے ہوئے رتنا باہر آئی۔

"کام تو کوئی نہیں۔ ایسے ہی چلی آئی۔ ادھر پچھواڑے جا رہی تھی۔ ادھر جاتے ......" اتنا کہتے وہ رک کر بولی: "تارا کب جا رہی ہے؟"

"میلا کل ہی تو ختم ہوا ہے۔ چار دن ٹھہر کر جائے گی۔ ابھی وہاں کونسا کام باقی پڑا ہے۔" رتنا ذرا بے پروائی سے بولی: "کل تم بھی گئی تھیں کیا میلے میں؟"

"ہونہہ۔ گئی تھی۔ اب تو تین سال میں ایک بار لگنے لگا۔ ہمیں کونسا دور جانا ہوتا ہے۔ ٹھکر دار کو کھیل والے چلے جائیں گے تو میلا کیوں نہ دیکھتی؟ تم کیوں نہیں گئیں؟"

"بہوویں اور بچے سبھی گئے تھے۔ گھر میں ڈھور ڈنگر اور پانی وانی کے لیے تو کوئی چاہیے تھا۔ اس لیے یہیں رہ گئی تھی۔" پھر کچھ رک کر بولی: "ہاں رتنا! اس سال بہت بیماری وغیرہ پھیلے گی، کہا ہے نا؟"

"ہاں کل میلے میں لنگ موا نے بتایا تھا...... ! ایک ایک چتا میں چار چار مردے جلیں گے......

بڑے کام بڑھ گئے ہیں نا! ایسا کیوں ہوگا نہیں ؟"

"ہاں بہن! جمو ابھی کیسی پاگل ہے ......؟"

"کیسی بھی ہو، ہمارے گھر میں اس کی بات مت کرو۔ ہم کچھ کہتے ہیں تو وہ کچھ سمجھتے ہیں۔ بیچ والے کچھ بتا دیتے ہیں۔ کرتے کچھ ہیں، ہو کچھ جاتا ہے۔" پھر اس نے اپنے کو روک کر پوچھ ہی ڈالا " ایسا کیا ہو گیا ؟"

"کچھ بھی نہیں، لڑکی میلے گئی تو ایسے کہنا چاہیے کیا ؟ وہ خود تو جاتی نہیں۔ بے چاری اکا تائی نے میلے پر جانے کی منت کی لیکن اسے جانے نہیں دیا۔"

"شاید اسی لیے اکا کہیں دکھائی نہیں دی۔" باہر آتے ہوئے تارا بولی" وہ آتی تو دکھائی نہ دیتی! لڑکی صبح سے گھر میں بیٹھی تھی۔" پھر کچھ سوچ کر بولی:" تمہارے آنے پر بھی کیا کہا سنا ؟"

"کیا کہا ؟" تارا نے پوچھا۔

" کہا کہ سسر کو گذرے ہوئے ابھی ایک سال ہوا ہے اور ابھی سے سج دھج کر میلہ، ناٹک دیکھنے جانا چاہیے تھا کیا اسے ؟"

"میں نے کہا:" جوان لڑکیاں گھر میں کیسے بیٹھی رہیں گی، چلی گئی" اس نے جمو کی بات کو ذرا نمک مرچ لگا کر کہا۔

" چاہے جیسے بھی رہو وہ تو کچھ نہ کچھ کہتی ہی رہتی ہے۔ جسے گڑ پسند نہیں وہ تو کڑوا کہے گا ہی نا! وہ دیوی کے میلے پر کیوں نہیں گئی ؟ گھر پر کھانا بھی بند ہے کیا ؟"

" دیکھا ماں، تم نے اکا تائی کو بلا کر ساتھ لے جانے کو کہا تھا۔ مجھے بھی ڈانٹ پڑواتی" تارکا نے کہا۔

یہ باتیں سن کر اننت اٹھ بیٹھا۔ اس نے اس بڑھیا سے ذرا غصے کے لہجے میں پوچھا" کیا کہہ رہی تھی، اور کتنے دن نہیں جانا چاہیے ؟"

اننت کو اس طرح کی چغل خوری پسند نہ تھی۔ اسے معلوم تھا کہ تارکا کو جو اس سے پہلے مصیبتیں جھیلنا پڑیں ان میں اس طرح کے چغل خوروں کا کتنا ہاتھ تھا۔ اس لیے اس نے تیوریاں چڑھا کر کہا:" اس میں یہاں آکر کہنے کی کیا بات تھی ؟ اسی طرح کہہ کہلوا کر کتنے جھگڑے بڑھائے گئے ہیں ؟"

"ہم کیوں جھگڑے کرائیں بھیا"، یہ کہہ کر بڑھیا بڑبڑاتی ہوئی چلی گئی۔

"اننت! گھر میں آنے جانے والوں کو اس طرح نہیں کہتے۔" رتنا نے کہا۔

اتنے میں تارکا نے ہی جواب دیا:" ان لوگوں کو کیا ضرورت ہے پنچایت کی ؟ چپ چاپ، دانتوں میں اپنی زبان بند کر کے بیٹھتے نہیں۔ ایک تو جھوٹ، اس پر نمک مرچ لگا کر یہاں کی وہاں لگاتے پھرتے ہیں۔"

اسی دن دوپہر کو لوگ واپس کھیت کی جھونپڑی میں گئے۔ گائے بھینس وہیں پر تھیں۔ دیوی کے میلے کے لیے دو دن کے واسطے گاؤں آئے تھے۔ کھیت میں جانے کے بعد ایک دن دوپہر کو اننت اور تارکا آم کے پیڑ کے نیچے بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ پاس نابھی راج بھی بیٹھا تھا۔ اننت "آنند کند" کی کہانی پڑھ کر سنا رہا تھا۔ تارکا کی سمجھ میں آجائے' اس لیے اس نے "جادو جانیا" نام کی کہانی چنی تھی۔ اننت بیچ بیچ میں ہنس پڑتا۔ تارکا بار بار کہتی: "سمجھ میں نہیں آیا' پھر سے پڑھو۔" ان کے ہنسنے پر نابھی راج بھی ہنستا۔

کہانی کے بیچ میں، گیت بھی تھا۔ اننت اسے گانے کے لیے کچھ رک کر گلا صاف کر کے پڑھنے لگا:

ہنستے ہنستے جا رہی ہو

بجلی سی چمک دکھا کر۔

آنکھیں کام کے تیر سی'

گال آئینے کی طرح'

ہونٹ گل جیسے نازک ہیں'

آنچل کا دھیان رکھو'

کہیں سرک نہ جائے'

اوروشی' رمبھا' منیکا!'

یہاں تمھاری برابری کون کرے؟

ذرا ٹھہر کر بات تو کر

میری پیاری سنگی' مایا کی مورتی

ہنستے ہنستے جا رہی ہو'

ڈھلتی دوپہر میں'

ندی پر پانی کے لیے۔

جب ایک بار پہلے پہل دیکھا تھا

اپنی آنکھوں اور من دونوں سے

تمھاری طرف بھاگا تھا۔

تم نے جادو کر دیا تھا۔

آنکھوں اور من کو

قید کر لیا تھا۔

تم کیسی آگ برساتی ہو ؛
تمھاری آنکھیں ،
زندگی چھین لیتی ہیں
تم ہنستے ہنستے چلی جارہی ہو۔

ہاتھ نچاتے ہوئے وہ گیت گانے لگا۔ تارکا جھٹ سے آگے کھسک کر اننت کے سامنے جا بیٹھی۔ نابھی راج کچھ نہ سمجھ سکا۔ یہ دونوں بڑے تھے۔ اس سے زیادہ سمجھ دار تھے۔ وہ ان کے چہروں کی طرف دیکھتا رہا۔ ان کی ہنسی دیکھ کر ہنستا رہا۔

اننت مدھر آواز میں گا رہا تھا۔ گاتے گاتے ہاتھ آگے بڑھاتا۔ تال دیتے ہوئے اس کا ہاتھ تارکا کی ہتھیلی پر گرتا۔ اس طرف جیسے اس کا دھیان ہی نہ تھا۔ گانے میں بڑا رس تھا۔ ان دونوں کی انگلیاں انجانے میں ہی ایک دوسرے سے ٹکرا جاتیں۔ ایک دوسرے کی انگلیاں چٹکا دیتا تو دوسرا اس کی انگلیاں مسل دیتا۔ گانے میں ایک اچھا مقام آیا۔ اننت نے تارکا کی طرف دیکھا۔ اس نے اننت کی طرف دیکھا۔ نظریں ملتے ہی دونوں سہم گئے۔ انھیں ایسے لگا جیسے ان کی ساری طاقت نچوڑ لی گئی ہو۔ نابھی راج کا دھیان اُدھر نہ تھا۔ اگر ہوتا بھی تو سمجھ نہ پاتا۔ تارکا ہتھیلی پر اپنا منھ آگے کر کے گانا سن رہی تھی۔ اننت گا نہ سکنے پر بھی گائے جا رہا تھا۔ گلا سوکھ رہا تھا۔ تارا سن پانے کی حالت میں نہ ہونے پر بھی سنے جا رہی تھی۔

اننت نے اپنا ہاتھ تارکا کے کندھے پر رکھا۔ تارکا اور آگے جھکی۔ اس کا ہاتھ تارکا کی پیٹھ پر پھرنے لگا اور اسی طرح اس کے سر کے بالوں سے کھیلتا رہا۔ "نابھو! لو اکّی کر رہی ہے، ذرا دیکھنا!" تارکا نے نابھی راج کو وہاں سے دور کرنے کے لیے کہا۔

نابھی راج اٹھنے کو ہی تھا۔ اتنے میں جھونپڑی کی اندر سے رتنا نے آواز دی، "تارا، ادھر آنا، یہ دیکھو، لڈو کی چاشنی بنائی تھی۔ پتہ نہیں دانے دار کیوں نہیں بن رہی۔ شاید زیادہ ابل گئی ہے۔" تارکا بے دلی سے اٹھی۔ اننت کے ہاتھ سے کتاب کھسک کر نیچے گر گئی۔ پھر دونوں کی نظریں ملیں۔ دونوں کی آنکھوں میں نشہ تھا۔ تارکا کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ دھیرے سے چلنے لگی۔ اننت بھی وہیں بستر پر پڑ گیا۔

اس دن کا سورج مغرب کے افق میں دھیرے دھیرے اترنے لگا۔ دھیرے دھیرے ہر طرف اندھیرا پھیلنے لگا۔ روز کی طرح کھانے پینے سے فارغ ہو کر سب سو گئے۔ اننت اور متل کھلے میں سوئے۔ تارا کے ساتھ رتنوا اندر لیٹی۔ دونوں کے بیچ نابھی راج سویا۔ اس رات تارکا کو نیند نہیں آئی۔ وہ رات بھر ادھر سے اُدھر کروٹیں لیتی رہی۔ ایک آدھ بار، نیند کھلنے پر، رتنوا نے پوچھ ہی لیا "کیوں، نیند نہیں آئی ؟" اس کے جواب میں تارا نے جھوٹ موٹ بول دیا۔ "ابھی ابھی آنکھ کھل گئی تھی۔" صبح پو پھٹنے سے پہلے ہی متل اٹھ بیٹھا اور جانوروں کے

پاؤں تلے پڑا ہوا کوڑا صاف کر ڈالا۔ تب رتنوا نے اٹھ کر اس کے لیے ناشتہ باندھ دیا۔ مٹی جیلوں کو لے کر او پر والے کھیت میں ہل چلانے چلا گیا۔ اس کے بعد رتنوا گیہوں کی ڈلیا کے ساتھ باہر جاتی ہوئی بولی۔

"میں گاؤں جا کر اناج پیس لاتی ہوں ہماری چکی رہائی نہیں ہے۔"

"میں بھی چلوں" بے دلی سے تارا نے پوچھا۔

"کوئی ضرورت نہیں، کل سے سسرال جا کر پیسنا تو ہے ہی یہاں تو چار دن خوب سو لے۔" یہ کہہ کر رتنوا گاؤں چلی گئی۔

دہاں اور کوئی نہیں تھا۔ چھوٹا نا بھی راج ابھی سویا ہوا تھا۔ باقی تھے وہاں تارا اور انت۔

تارکا نے بستر پر ایک دو بار کروٹیں لیں، تھوڑا کھانسی۔ اس نے انتظار کیا شاید انت بات کر لے۔ لیکن انت ابھی جاگ نہیں رہا تھا۔ اسے بھی صبح تک نیند نہیں آئی تھی۔ اس نے سونے کی کوشش کی لیکن اسے طرح طرح کے خیال ستاتے رہے۔ دوپہر کی رسیلی یاد آتی رہی۔ دل میں بے قراری تھی جو تسلی کی متلاشی تھی۔ وہ دوپہر کی بات بھولنے کی کوشش کرتا لیکن وہی بار بار یاد آتی۔ نیند نہ آئی، پلک نہیں جھپکی۔ اسے اس کا سبب تو سمجھ نہ آیا لیکن ایک امید اس کے اندر کو کرید رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی یہ خیال بھی آتا کہ میری یہ خواہش ٹھیک نہیں۔ میں سمجھدار ہوں، پڑھا لکھا ہوں، تہذیب اور تمدن کی باتیں کرتا رہتا ہوں۔ وہ گاؤں کی لڑکی ہے، بالکل انجان۔ اگر وہ ایسی کوئی حرکت کرے بھی تو مجھے آگے بڑھاوا نہیں دینا چاہیے۔ اسی ادھیڑ بن میں اسے بڑی دیر تک نیند نہ آئی۔ ابھی ابھی ہلکی سی جھپکی لگی تھی۔

کچھ وقت گذر گیا۔ چاروں طرف سکون تھا۔ صبح کی دھیمی ہوا چل رہی تھی۔ تارکا بستر سے اٹھی۔ دھیرے سے باہر آئی۔ انت کے بستر کی طرف گئی۔ تب اس کا دل ہچکچایا۔ اس نے چاروں طرف کا معائنہ کیا۔ ذرا گھبرائی۔ لیکن کوئی اندرونی خواہش اسے انت کی طرف کھینچ رہی تھی۔ وہ اس کشش کو روک نہیں سکی۔ وہ انت کے بستر کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی۔ اسے ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگی۔ نیند میں ڈوبا ہوا اس کا چہرہ بڑا پر کشش نظر آ رہا تھا۔ بکھرے ہوئے کالے بالوں کے بیچ اس کا چہرہ کالے بادلوں میں گھرے چاند کی طرح تھا۔ آنکھ، ناک، ماتھا سبھی نپے تلے ہونے سے خوبصورتی کو بڑھا رہے تھے۔ ابھرے اور بھرے بھرے گال تارکا کو ہمیشہ سے کہیں زیادہ پیارے لگے۔

کچھ دیر تک وہ کھڑی کھڑی نظارہ کرتی رہی۔ سانس لینے سے ذرا ذرا ہلتے ہوئے سرخ ہونٹوں کو چوم لینے کی خواہش اس میں بیدار ہوئی۔ دوسرے ہی پل میں اس کے پاس بیٹھ کر بکھرے ہوئے بالوں کو سنوارنے کی آرزو ہوئی۔ لیکن وہ کسی بھی بات کا فیصلہ نہ کر سکی۔ اس نے جھک کر انت کا چہرہ دیکھا۔ اسے کچھ ڈر سا لگا۔ دل کانپ اٹھا۔ کہیں کوئی ڈر اس کے دل میں بیٹھا تھا۔ وہ دھیرے سے پیچھے ہٹی۔ بغیر کسی آہٹ کے لوٹ چلی۔ چار

قدم جھونپڑی کی طرف گئی ہی تھی کہ پھر اسے دیکھنے کی خواہش ہوئی لیکن دیکھا نہیں اور آگے بڑھ گئی۔ دل کی دھڑکن قدم قدم پر بڑھ رہی تھی۔ اسے خیال آیا کہ نانی راج کو جگا لے۔ لیکن اس کی زبردست خواہش نے اسے ایسا نہ کرنے دیا۔ دروازے کی طرف گئی لیکن کسی طاقت نے اسے اندر نہ جانے دیا۔ مڑ کر پھر دیکھا۔ نرم آہنگ آرزوؤں کی ہوا اسے اس طرف کھینچے لیے جا رہی تھی۔ روئی کی طرح ہوا میں اڑنے والا اس کا دل اس طرف کھنچ رہا تھا۔ معلوم نہیں وہ کب اننت کے بستر کے پاس پہنچ گئی اور اس کے پاؤں کے پاس بیٹھ گئی۔ کچھ دیر تک اسے سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا کرے۔ آخر اننت کے پاؤں پر اس نے نرم ہاتھ رکھتے ہوئے پکارا: "اننت!" آواز کانپ رہی تھی۔

میٹھی نیند کا وقت تھا۔ اننت ادھوری نیند میں تھا۔ وہی پہلے والے خیال اس کے دماغ میں تھے۔ تارا کے ہاتھ کے ٹھنڈے لمس سے وہ جاگ اٹھا۔ اس کی آنکھیں کھلیں۔ سامنے تارا تھی۔

"کیا بات ہے اننت؟" کچھ نہ سمجھنے پر کہ کیا بات کرنی چاہیے، تارا نے کانپتے ہوئے پوچھا۔

اننت آنکھیں ملتا ہوا اٹھ بیٹھا۔ تارا اننت کے سامنے اس کے پاؤں کے پاس بیٹھی تھی۔ اننت جھٹ ہٹ کر بیٹھ گیا۔ وہ حیران ہوا۔ مڑ کر، ڈرتے ڈرتے پھوپھا کے بستر کی طرف دیکھا۔

"کوئی نہیں ہے" تارا نے اس کے خیال کو سمجھتے ہوئے کہا۔

"کہاں گئے؟" اننت نے پوچھا۔

"بابو کھیت پر گئے ہیں۔ ماں اناج پیسنے گئی ہے" اس کی آواز میں بے قراری تھی۔

اننت کا دل اچھل پڑا۔ تارا اسے کھوئی کھوئی سی دکھائی دی۔ اس نے سوچا میرا اس کے ساتھ اتنا گھل مل جانا ٹھیک نہیں رہا۔ وہ تھوڑی دیر تک بے حس سا بیٹھا رہا۔ آخر بولا "تم پیسنے نہیں گئیں؟"

تارا کا چپ رہی۔ منھ نیچے کیے بیٹھی رہی۔ پھر اننت نے پوچھا، "تمہیں یہاں آنے کی ضرورت کیوں ہوئی؟"

"کیوں آئی ہوں۔ تم بتاؤ" تارا کی آواز میں ٹھہراؤ تھا اس سے بھی زیادہ تھا انکسار!

اننت کو تسلی ہوئی۔ وہ سمجھ نہ سکا کہ آگے کیا کہنا چاہیے۔ پل بھر کے لیے ایک دوسرے کا چہرہ دیکھتے چپ چاپ بیٹھے رہے۔ آخر اننت کو لگا کہ کہے "تم یہاں سے چلی جاؤ" لیکن وہ ایسا کہہ نہ سکا۔ اس نے دھیرے سے شال منھ پر ڈال لیا اور لیٹ گیا۔ شال میں سے، پاؤں کے پاس بیٹھی تارا کا اب بھی دکھائی دے رہی تھی اس نے زور سے آنکھیں بھینچ لیں لیکن تارا کے روپ کو وہ بھلا نہ پایا۔ تارا اب بھی ستارے کی طرح چمک رہی تھی۔ اننت نے منھ کھولا۔ اس کے چہرے کو ہوا کا ایک جھونکا چھو گیا۔ شاید وہی اس کے من کو چھیڑ گیا۔ اننت اٹھ بیٹھا اور اب اس نے دور کھسکنے کی کوشش نہیں کی۔

تارا کا اور نزدیک آ گئی۔ "کیوں کچھ بولتے نہیں؟ نہیں کیا؟" وہ ذرا مدھم آواز میں بولی۔

اس پل اسے لگا کہ وہ نہیں کہہ دے۔ لیکن کسی زبردست اندرونی خواہش نے اسے ایسا کرنے سے روک

دیا۔ اس نے سیدھا تارا کے چہرے کی طرف دیکھا۔ وہ بھی اسے دیکھ رہی تھی۔ دانتوں میں نچلے ہونٹ کو اس نے دبا رکھا تھا۔ اننت کے ہاتھ نے انجانے میں ہی اس کے گال پر ایک پیاری سی چپت لگائی۔ ہونٹوں سے مسکراہٹ پھوٹ نکلی۔ تارکا کے ہونٹ بھی کھل اٹھے۔ ساتھ ہی اس کی بھنویں اٹھیں اننت کے دل کی بات کو جاننے کے لیے۔ اننت کی آنکھوں نے بھی شاید اجازت دے دی۔ تارا کا منھ ذرا ٹیڑھا ہوا۔ اننت کے منھ نے بھی اس کی نقل کی۔

چاروں طرف چاندنی پھیلی تھی۔ اس نے تارا کو بے حد خوش کر دیا۔ دھیرے سے تارکا بولی: "اندر چلو۔ آواز میں کپکپی تھی۔

"نا بھو؟" اننت نے پوچھا۔

تارکا چپ رہی۔ اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا تھا۔ اسے ایسے لگ رہا تھا جیسے کسی نے اس کی ساری طاقت کھینچ لی ہو۔ اس نے کچھ سوچا۔ آخر اس کے منھ سے نکلا" اندر چلیں"۔

"وہاں کیوں؟" مبہم انداز میں یہ الفاظ اننت کے منھ سے نکلے۔

تارکا نے چاروں طرف دیکھا۔ چاندنی تھی۔ شاید اسے روشنی میں ٹھیک نہیں لگا۔

ادھر اننت کے دل کی دھڑکن بھی تیز ہونے لگی۔ جسم میں خون کی حرکت بڑھ گئی۔ بیٹھے بیٹھے ہی سانس پھولنے لگی۔ سانس نتھنوں سے نہ نکلنے کے سبب نرم نرم آواز کرنے لگی۔ ایسا لگا جیسے اس کے بدن کی طاقت کافور ہو گئی ہو۔ سارے جسم میں کپکپاہٹ اور رومانی جذبات کی تیزی اتنی بڑھ گئی کہ اسے اپنی تسلی کے لیے کسی ٹھنڈی چیز کو پکڑنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ اننت کے ایک ہاتھ نے تارا کو آگے کھینچ لیا۔ دوسرا ہاتھ اس کے کاندھے پر تھا جو چھاتی پر بھی گیا۔ تارکا کے دونوں ہاتھوں نے اننت کے چہرے کو زور سے پکڑ لیا۔ نظریں ایک ہوئیں دونوں منھ آپس میں ملے اور راحت نصیب ہوئی۔ دوسرے لمحے تارا اننت کے بازوؤں میں جکڑی ہوئی تھی۔

مغرب میں چاند ڈوب رہا تھا۔ اس کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔ شاید وہ انتہائی محبت میں زمین کے بوسے لے رہا تھا۔ اسے دیکھ کر سامنے کی شفق کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ مشرق میں اس کی مسکراہٹ کی طرح ایک تارا چمک رہا تھا۔ ان سب کو دیکھ کر بھی ان دیکھی سی کرشنا ندی ایک طرف بہہ رہی تھی۔ پیڑ پودوں سے پرندوں کا گانا سنائی دینے لگا۔

تب، "تارا، تارا" پکارتی ہوئی رتنو آئی۔

13

سمجھدار شخص اگر غلط راستے پر جانا بھی چاہے تو ایک دم نہیں جا سکتا۔ وہ اس کے نیک و بد کے بارے میں دس بار سوچتا ہے اور صحیح راستے پر سوچتا سوچتا بہت دور چلا جاتا ہے۔ انسان کی گمراہ خواہشیں اسے وہاں بھی نا امید کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ تب اچھے بُرے کے احساس اور انسان کی سادہ عقل میں سنگھرش ہوتا ہے۔ اس میں زیادہ تر لوگ اپنی سادہ عقل کے مطیع ہو جاتے ہیں۔ یہ فطری بھی ہے۔ لیکن وہ کتنی دیر ؟ محض فوری خواہش کے پورا ہونے تک۔ فوراً اس کا نیک و بد کا احساس بیدار ہوتا ہے۔ تب اسے لگتا ہے کہ جو اس نے کیا ہے وہ غلط ہے۔ اس کا دل اس کی غلطی کا اقبال کرتا ہے اور وہ اسے چھپانے کی کوشش کرتا اور اسے پھر نہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔ اننت کی حالت بھی ایسی ہی تھی۔

اننت وہیں بستر پر پڑا ہوا کروٹیں لے رہا تھا اور شال میں اس نے منھ ڈھانک لیا تھا۔ اس وقت اسے اپنی زندگی ہی بوجھ لگ رہی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا، یہ کیسا حادثہ ہو گیا ہے ؟ کیا یہ بُوا کو معلوم ہو جائے گا ؟ پھوپھا کو اگر پتہ چل گیا تو کیا ہوگا ؟ یہ بات اگر تارکا کی سسرال تک پہنچ جائے تو اس کا حشر کیا ہوگا ؟ پہلے سے ہی ان چاہی بہو کو اگر وہ گھر سے باہر نکال دیں تو وہ کہاں جائے گی۔ کیا یہ گناہ مجھے جلا کر راکھ کیے بغیر رہے گا ؟ اکلوتی بیٹی کے سکھ کو اپنا سکھ مان کر جینے والے بُوا اور پھوپھا کا کیا حال ہوگا ؟ کچھ بھی ہوا ہو۔ اب بھگوان پہلے جیسا ہی رکھے تارکا اپنے خاوند کے گھر جلدی جائے اور آرام سے رہے۔ تب میرے گناہ کا ڈر ختم ہو جائے گا۔

اننت کے خیالات کا دھارا یہاں آکر رک گیا۔ شاید کسی اندرونی احساس نے اسے وہیں روک دیا۔ معاً خیالات کا وہ دھارا دوسرے راستے پر بہہ نکلا۔ تارکا خاوند کے گھر جا کر سکھ سے رہے ؟ ایسا کیوں ؟ تو کیا میرا گناہ مٹ جائے گا ؟ میں ایسا سوچتا ہوں نا ؟ اگر وہ وہاں سکھ سے رہے تو کیا میں بھی سکھی رہوں گا ؟ نہیں۔ اسے سکھی رہنے کی ضرورت نہیں ؟ کیوں ؟ میری تسلی کے لیے اسے زندگی بھر دکھی رہنا چاہیئے ؟ یہ میرا کیسا وچار ہے۔ خود غرضی سے بھرا ہوا۔ نہیں۔ . . . . نہیں۔ . . . . وہ سکھی رہے۔ میں دُکھی ہو کر مر بھی جاؤں تو کوئی فکر نہیں۔ میرے مرنے سے کیا تارکا سکھی ہوگی ؟ نہیں۔ . . . . کبھی نہیں۔ وہ اور دکھی ہوگی۔ اسے دکھی ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ سکھ سے ہنستی رہے، یہی میری آرزو ہے۔ تب دونوں کو ساتھ رہنا پڑے گا۔ وہ کیسے ؟"

اس کے خیالات کی ترنگوں نے پھر سے موڑ لیا۔ اس کے من میں ایک خیال اور اٹھا۔ آنے دو۔ اس غلط کردار کی ناانصافی سے سکھ کی خواہش میرا حصہ کیوں؟ یہ بات اگر کل میری بیوی کو معلوم ہو گئی تو وہ میرے بارے میں کیا سوچے گی؟ چھی! وہ کیا سوچے گی؟ میں نے کیا اسے بیوی کے روپ میں قبول کیا ہے۔ کہیں بچپن میں گڑیوں کی طرح اگر اس کا اور میرا بیاہ کرا دیا گیا تو کیا وہ شادی تھی؟ لیکن جیسے میں کسی دوسری عورت کے بس میں آ گیا ہوں ویسے ہی وہ بھی کسی دوسرے سے . . . . . . یہ نہیں ہو سکتا۔ اسے ایسا لگا جیسے کوئی نیا شخص جسے اس نے چھوٹی عمر میں بیوی کے روپ میں دیکھا تھا اس کی آنکھوں کے سامنے کھڑا اس کا مذاق اڑا رہا ہو۔ اس کا من ڈرنے لگا۔ اس شخص کے سامنے اننت اپنے آپ کا جائزہ لینے لگا۔

صبح کا سورج افق سے دو ہاتھ اونچا آ گیا تھا۔ ہلکی دھوپ نے قدرت کی پہنائیوں میں نئی آگہی کو پھیلا دیا تھا۔ تارکا معمول کی نسبت زیادہ جوش و خروش سے اٹھ کر برتن مانجھنے میں لگ گئی۔ ہمیشہ کی طرح ہوتا تو تارکا اب تک اننت کو جگا دیتی۔ لیکن آج اسے اننت کی طرف دیکھنے میں جھجک ہو رہی تھی۔ رتنو جب سے گاؤں سے لوٹی تھی اس نے چپ ہی سادھ لی تھی۔ آتے ہی پیسنے کی ڈلیا ایک طرف رکھ کر گھر کے کام میں جٹ گئی۔ کسی سے کوئی بات نہ کی۔ بیچ بیچ میں کچھ بڑبڑاتی جاتی۔ یہ دیکھ کر تارکا کو ماں سے بات کرنے کی جرأت نہ ہوئی چپ چاپ چولہے کے پاس بیٹھی برتن مانجھتی رہی۔ اس کا دل ڈر کے مارے زور زور سے دھک دھک کیے جا رہا تھا۔ اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے اس نے کوئی بڑا جرم کیا ہو۔ ماں کو غصے میں دیکھ کر اس کا منہ ایک دم فق ہو گیا۔ اسے شرم آئی۔ بدن ایسے کانپا جیسے اسے بجلی چھو گئی ہو۔ دکھ ہوا۔ اس کا من رونے کو چاہا۔ آنکھوں میں پانی بھر آیا۔ فوراً اس نے سر جھکا لیا تاکہ ماں دیکھ نہ پائے۔ اتنے میں رتنو نے حیرانی سے پوچھا: "اننت اب تک جاگا نہیں۔ کیوں؟ ابھی تک سویا ہوا ہے؟" بات میں سنجیدگی جھلکتی تھی۔

تارکا رک کر بولی: "پتہ نہیں کیوں آج ابھی تک نہیں اٹھا۔ روز اب تک جاگ جاتا تھا۔" تب تارکا کے چہرے پر خوف کے آثار آئے بغیر نہ رہے۔ بے چاری رتنا گاؤں کی عورت تھی۔ وہ ان باتوں کو کیا سمجھپاتی۔ فوراً جھونپڑی سے باہر آئی اور اس نے "اننت" کہہ کر اسے جگایا۔ اننت انگڑائی لیتے ہوئے اٹھ بیٹھا۔ اس کی آنکھیں لال تھیں۔ چہرہ اترا ہوا تھا۔ تیوریاں چڑھا کر اس نے چاروں طرف دیکھا۔

رتنو نے پوچھا: "کیا اب بھی نیند پوری نہیں ہوئی؟ تو اور سو گے؟ سو جاؤ اور تھوڑی دیر۔ تم اپنے گھر میں باہر نہیں سوتے تھے۔ یہاں رات نیند آئی کہ نہیں؟"

"نیند تو آئی مگر پتہ نہیں اب بھی آلس سا ہے؟"

"میں بھی یہی کہہ رہی تھی بیٹا۔ تم اب تک نہیں اٹھے تو میں ذرا گھبرائی۔ جیسے آئے ویسے ہی ٹھیک ٹھاک گھر پہنچ جاؤ۔ اسی میں میری تسلی ہو گی۔ یہاں منع کرنے پر بھی تم ٹھنڈے پانی سے نہانے لگے ہو۔

کہیں بیمار رہو کر گھر گئے تو تمھاری ماں مجھے کوسے گی۔ میلہ ٹھیلہ ہو گیا۔ کچھ گیہوں کے آٹے کے لڈو بنا کر باندھ دیتی ہوں۔ سکھ سے اپنے گھر پہنچ جا بیٹے۔" اتنا کہہ کر وہ اپنے کام پر چل دی۔

رتنوا کی اتنی ساری باتیں ختم ہونے تک اننت کی جان میں جان نہ تھی۔ بعد میں ایک ٹھنڈی سانس لے کر من ہی من میں بولا، "اب کیا خیریت سے جانا ہے؟"

جنم سے ماں کے مزاج اور باتوں کو سمجھنے والی تارکا ڈرتے ڈرتے دھیرے سے بولی: "ابھی اور چار دن رہنے دو۔ بدھوار کو میں بھی جا رہی ہوں۔ وہ بھی اسی دن چلا جائے گا۔ بہت دنوں کے بعد آتا ہے۔ بار بار کب آتا ہے؟ ہمیشہ اسکول کی ہی رٹ لگاتا رہتا ہے۔"

"تم بھی بدھوار تک کیوں رہو گی بیٹی؟ کل سوموار ہی کو چلی جانا۔ جو کچھ بھی ہے چار لڈو ساتھ باندھ دیتی ہوں۔ گھر میں ساڑھی رکھی ہے۔ لڑکیوں کو گھر میں رکھ کر کیا ان کا اچار ڈالنا ہے؟ انھیں جہاں رہنا ہے وہیں رہیں تو اچھا ہے۔" رتنوا یہ باتیں ذرا سختی سے کہتے ہوئے، لوٹا لے کر دودھ دوہنے کے لیے گوٹھ میں چلی گئی۔ ماں کو جاتے ہوئے تھوڑی دیر تک دیکھتے رہنے کے بعد تارکا نے لمبی سانس لی اور منھ نیچے کر لیا۔

باہر بیٹھے اننت کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ 'بُوا نے دیکھ تو نہیں لیا' یہ سوچ کر وہ گھبرایا۔ چہرہ فق ہو گیا۔ منھ لپیٹ کر بستر میں پڑ گیا۔ اسے لگا کہ کسی کو منھ بھی نہیں دکھانا چاہیے۔ پاس کے آم کے پیڑ پر بیٹھے کوّے کی کائیں کائیں بھی اسے اپنا مذاق اڑاتی ہوئی سی لگی۔ منھ لپیٹے، اننت ذرا اور سکڑ گیا۔ گھنٹہ دو گھنٹہ بیت جانے پر بھی تارکا کو گھر بھائیں بھائیں کرتا سا لگا۔ ماں گوٹھ میں بھینس سے کچھ کہہ رہی تھی تو بھی تارکا کو ڈر سا لگ رہا تھا۔ اس کے دل کا خوف جیسے کوئی ایکانت میں مل مل کر نچوڑے ڈال رہا تھا۔ اسے بہت ڈر لگا۔ اسے لگا جیسے بھرا لال آنکھوں سے اسے گھورے جا رہا ہے۔ اسے سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کام کرے۔ وہ دھیرے سے اٹھ کر باورچی خانے میں آگ سلگانے لگی۔ اسے لگا جیسے چولہے کی آگ کی لپٹیں بھی غصہ ظاہر کر رہی ہیں۔ بھک بھک کر اٹھنے والے دھوئیں میں ڈانٹ کی سی آواز لگی۔ پانی ڈالنے کو گھڑا اٹھایا۔ اونچا نہ اٹھا سکی تو گھڑا دھپ سے گر پڑا۔ گوٹھ سے رتنوا نے پکار کر پوچھا: "کیا گرا دیا ری؟" ماں کی بات سن کر تارکا کا من زور سے چیخ پڑنے کو چاہا۔ رتنوا گوٹھ سے آنے لگی۔ اس کے قدموں کی آہٹ تارکا کے دل کو دبانے لگی۔ اس کے ہاتھ پاؤں کانپنے لگے لیکن کسی طرح وہ کھڑی رہی۔ ماں کے آتے ہی اس سے لپٹ کر سسک سسک کر رو پڑی۔ تارا نے ماں کے آنچل سے منھ چھپا لیا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کہہ رہی ہو: "ماں اتنی غلطی تو اپنے میں چھپا لو۔"

رتنوا آنسو بہاتے ہوئے بولی: "میں تجھے گھر پر رکھنے سے بھلا منع کرتی ہوں۔ تیری ساس دسیوں آدمیوں کے سامنے بکتی پھرتی ہے۔ اسی لیے بیٹیا کل جانے کو کہہ رہی ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے بیٹی کے آنسو پونچھے۔

تارکا نے ماں کے چہرے کو دیکھتے ہوئے ڈر اور تشویش سے پوچھا: "کس کے سامنے کہہ رہی تھی؟"

"راستے میں چانگو ابڑھیا ملی تھی۔ تیری ساس نے اس کے سامنے یہ کہا ؟" "پگادی کے تیوہار پر گئی تھی۔ چار دن میں تیوہار سے نمٹ کر اسے لوٹ نہیں آنا چاہیے کیا ؛ دلوبی کا بیاہ بھی پاس آگیا۔ اس لیے میکے میں رہ گئی۔ ویسے میلے میں ابھی پندرہ دن تھے۔ اسے کس بات کی فکر ہے۔ ہم یہاں مرتے ہیں۔ کام کرتے کرتے ہماری تو ہڈیاں گھس گئیں۔ ابھی کچھ دن اور گھسیں گی ہی کسی طرح۔ اسے کیا تکلیف ہے ؛ وہ تو یہاں آکر گدی پر بیٹھی ہے۔"

"وہ تو پیٹ کے جائے کو بھی ڈھنگ سے نہیں دیکھتی، مجھے کیا دیکھے گی ؛" تارکا نے نڈر ہو کر کہا۔ غصے سے منھ تمتا اٹھا تھا۔

تارکا کے من میں سسرال کے لیے جو چڑھ تھی اسے کم کرنے کے لیے ہی رتنوا بولی: "لوگوں کی بات جانے دو، ان کا کیا ؛ چوہا نکل جائے تو کہتے ہیں شیر نکل گیا۔"

اب اننت کی جان میں جان آئی۔ یہ سوچ کر کہ یہ تو تھوڑا کی بات تھی، اس پر کوئی شک کی بات نہ تھی وہ دھیرے سے اٹھ کر اندر آیا۔ تارکا نے جھجک سے اٹھ کر لوٹا پانی سے بھر کے دے دیا۔ اننت باہر گیا اور بنا کسی سے کچھ ندی پر اشنان کر آیا۔ پھر بھی ہر روز جیسا جوش خروش اس میں نہیں تھا۔ دوپہر کا کھانا کھا کر اس نے پھر بستر بچھایا۔ آج اس سے کچھ پڑھائی لکھائی نہ ہو پائی۔ معلوم ہوتا تھا کہ جیسے وہ کسی سنجیدہ مسئلے کو حل کرنے میں کھو تھا۔ من فکر سے جل رہا تھا۔ دن ڈھلے مل نے اسے کھانے کے لیے جگایا۔ تب اننت نے کہا: "بھوک نہیں۔" تب مل نے مذاق کرتے ہوئے کہا: "پتہ نہیں تم لوگوں کا کیا حساب کتاب ہے۔ میں تیسری بار کھا رہا ہوں۔ تم لوگ تھوڑا گرم پانی پی لیتے ہو، اس لیے بھوک نہیں لگتی۔ تم تو پورے بیس سال کے جوان لڑکے ہو۔ ایک دن بھی میں نے تمھیں ایک پوری روٹی کھاتے نہیں دیکھا۔ ہمارے گاؤں کے تم سے بھی چھوٹے چھوٹے لڑکے کھانے بیٹھتے ہیں تو تین تین روٹیاں کھا لیتے ہیں۔" کہہ کر وہ کھانا کھانے بیٹھ گیا۔

شام ہونے لگی۔ اننت آم کے پیڑ تلے، کمبل پر پڑا پڑا کروٹیں لے رہا تھا۔ رتنوا اس کے پاس آئی۔ اسے چھو کر دیکھا۔ "وہ ٹھیک تھا۔ کیوں چہرہ بہت اتر گیا ہے ؛ بخار تو نہیں ہے ذرا دیکھوں۔ تارا کے لیے پانی گرم کر رہی ہوں۔ تم بھی چار لوٹے ڈال لو۔ بدن ہلکا ہو جائے گا۔ رات کو کپڑا اوڑھ کر ہمارے پاس ہی سو جانا۔ باہر شاید تم بنا کپڑا اوڑھے سو جاتے ہو۔" یہ کہہ کر وہ جھونپڑی کی طرف چلی گئی۔ جاتے ہوئے پھر بولی: "جاؤ، گھوم گھام آؤ۔ گاؤں میں جا کر دیکھو، بھرما ہے یا نہیں۔ چھوا سے پیار باتیں کر آؤ۔ وہ لوگ یہ نہ کہیں کہ گاؤں آیا تھا لیکن گھر تک نہیں آیا۔ یہاں بھی بیٹھے بیٹھے کیا کرو گے۔ ایک ہی جگہ بیٹھے رہنے سے وقت نہیں گزرتا۔"

"ہونہہ۔ وہاں کیوں جائے گا ؟ وہ کون سے بڑھیا لوگ ہیں ؛ گھر سے کوئی جائے تو کوئی ہنس کر بھی بات کرتا ہے ؟ کوئی ایک پیالہ چائے بھی بنا دیتا ہے ؛ یوں ہی چلے جانا چاہیے۔"

"یہ سب نہ ہونے پر بھی جانا چاہیئے بھئی۔ تمھیں کیا پتہ۔ دوسروں کا من جیتنا کوئی آسان کام ہے؟ اور چار دن.........!"

"اس کا من جیتنا ہے، جیتنا ہے' یہ سوچ کر تم 'اس کے پاؤں دھو کر پیو۔ میرے بس کا تو ہے نہیں بھئی۔ اب تک 'کوئی اور ہوتی تو چپ نہ رہتی۔ اب تک ان لوگوں کو خود آکر خبر لینی تھی۔ میں ایسی جگہ جا کر کیسے رہوں؟" تارا نے ذرا تیکھے لہجے میں کہا۔

یہ باتیں سن کر' اننت کے چہرے پر مسکراہٹ دکھائی دی۔

14

تارکا کے سسرال جانے کا صبح ہی مہورت تھا۔ اس لیے رتنو آج بہت سویرے ہی اٹھ گئی۔ اس نے بیٹی کے اشنان کے لیے پانی گرم کیا' ساتھ ہی تھوڑا چاول بھی بنایا۔ اشنان کرنے کے بعد پہننے کے لیے اسے نئی ساڑی دی۔ سورج نکلنے کے ساتھ ہی کھانا کھلا دیا۔ سسرال جانے پر محلے کے دس پانچ لوگوں میں کچھ بانٹنے کے لیے پچاس ساٹھ لڈو ڈبے میں بند کیے'۔۔۔۔ یہ لڈو تیل میں تل کر بوندی سے تیار کیے گئے تھے۔ ایک چھوٹے ڈبے میں اصلی گھی کے بنے لڈو رکھے تاکہ گھر جا کر کھا سکے۔ جاتے ہی کیوں چولہا سلگائے'، اس لیے گھر والوں کے لیے ایک وقت کا کھانا بھی ٹوکری میں رکھ دیا۔ ان سب کو ایک بڑی گٹھری میں باندھ کر مل کے سپرد کرنے کے بعد اس نے تارکا کے کپڑے لتوں کی ایک گٹھری تیار کی۔ ایک پڑوسی لڑکے کو ساتھ کر کے نابھی راج کے ساتھ اسے تارکا کے سسرال بھجوایا کیونکہ پرانے کپڑوں کے ساتھ لڑکی کو بھیجنا مبارک نہیں ہوتا۔ یہ سب تیاری ہوتے ہوتے 'تارکا کے گھر سے نکلنے تک سورج کافی چڑھ آیا تھا۔ تارکا نے آنکھوں میں آنسو بھر کر ماتا پتا کو نمسکار کیا۔ اننت کو بھی نمسکار کیا۔ اننت نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا۔ دونوں کی نظریں ملیں شاید تارکا کی نظر نے اس سے پتی کے گھر جانے کے لیے اجازت مانگی ہوگی۔ پھر وہ سسرال کے لیے چل پڑی۔ تب تک رتنو جھونپڑی سے باہر آکر اچھے شگون دیکھ رہی تھی۔ اتنے میں ایک بوڑھا چمار سر پر گھاس کا بوجھا لے کر پیچھے سے آرہا تھا۔ رتنو نے فوراً پکارا: "تارا' لوٹ آ بیٹی۔ یہ تو سامنے سے نہیں آیا۔ پھر بھی فضول میں وہم کیوں؟" یہ کہتے ہوئے

بیٹی کو بیٹھنے کے لیے کہہ کر بیٹے کو پانی اور کھانے کو پھر دو لڈو دیے۔ کچھ دیر بعد تارا کا پھر سے چل پڑی۔
اس بار گاؤں کی حد تک کوئی نہیں آیا۔ پتہ نہیں اور آگے کون آجائے؟ یہ سوچتی ہوئی رتنوا اپنی جھوپڑی کو لوٹی۔

ان لوگوں کے گھر پہنچنے تک چھوّا دروازے پر تالا لگا کر کھیت کی طرف چل پڑی تھی۔ یہ دیکھ کر مٹی کو غصہ آیا لیکن اس نے ظاہر نہیں کیا۔ چھوّا نے ان کو آتے دیکھ کر کہا: "آگئے؟ اب تک راہ دیکھ رہی تھی۔ یہ سوچ کر کہ آپ لوگ آئیں گے کہ نہیں میں کھیت کی طرف چل پڑی تھی۔" کہتے ہوئے وہ تالا کھولنے لگی۔

مٹی بولا: "کل کہلا بھیجا تھا' صبح ہوتے ہی آجائیں گے۔ اس میں نہ آنے کی کیا بات تھی؟ اور کچھ دیر تک راہ دیکھنی تھی۔"

"ٹھیک ہے' راہ تو دیکھنی چاہیے تھی لیکن گائے بھینس کا گوبر ہٹانا ہے کہ نہیں؟ سارا کوڑا کرکٹ ویسے ہی پڑا ہے۔ گائے تھوڑا سا دودھ دیتی ہے تھوڑی دیر ہو جائے تو تین ٹانگ پر کھڑی ہو جاتی ہے۔ اب دھوپ زیادہ ہو جانے پر مجھ سے یہ کام نہیں ہو سکتے' بھیا۔"

"تارا آکر کر لیتی" مٹی نے ایک ہی بات کہی۔

"ہاں کر لیتی۔ پہلے کیا ہوتا تھا' تو اب کرتی؟ یہ سب ہمارا نصیب ہے۔ مرنے پر ہی ان سب سے پیچھا چھوٹے گا۔"

مٹی نے گھر کے اندر جاتے ہوئے دھیرے سے کہا، "اب تھیں کیا؟ وہ لوگ اپنا گھر بار دیکھے بنا چھوڑ دیں گے کیا؟ تم دو روٹیاں کھا کر چپ چاپ ایک کونے میں بیٹھی رہو۔"

"ہاں، چپ چاپ بیٹھی رہوں تو یہ لوگ کھانا دے دیں گے۔ اب تک ہاتھ پیر مضبوط ہیں، اس لیے دھیان رکھتے ہیں۔ کل میں کمزور ہو کر ایک کونے میں بیٹھ جاؤں تو آج کل کی بہوویں دیکھ بھال کریں گی؟" چھوّا نے طنز آمیز لہجے میں کہا۔

اس بار مٹی اپنا غصہ روک نہیں سکا۔ اس نے بھی طنزیہ انداز میں کہا: "سب تمہارا ہے۔ تم جیسے بولو۔ چل جائے گا۔ بہوویں کیا کر سکتی ہیں؟ سب کچھ ساسوں کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔"

"اس طرح تم لوگ روز اپنی بیٹی کو سکھاتے رہو تو وہ میرے سامنے کہاں جھکے گی۔ سامنے کھڑی ہو کر میرے ساتھ زبان چلاتی ہے۔ میکے والے ہی آکر بیٹی کو ایسی عقل سکھاتے ہیں؟ اس طرح اس کی طرف سے نہیں بولتے۔ اب پندرہ دن میکے میں رہ کر خوب سیکھ کر آئی ہوگی۔ اب کیا ہمارے گھر میں محنت کرے گی؟ میں تو میکے کی شکل ہی نہیں دکھاتی۔"

"کیوں دکھلاؤ گی بہن؟ تمہارے ہی گھر میں وہ سکھی رہے۔ بس ہماری اسی میں خوشی ہے۔ ہم ہی کہاں

اسے بار بار بلاتے ہیں؟ کبھی کبھار تیج تیوہار ہو تب ہی تو بلاتے ہیں"

"یہ بات نہیں ہے۔ ایک بار لے گئے "بگادی" ہولی¹ پھر منگل وار آیا۔ تب لڑکی بھیجی نہیں جا سکتی ہے۔ پھر میلہ آگیا۔ یہاں گھر میں کام کرنے والا کون ہے؟ کام کرتے کرتے ہماری ہڈیاں گھس گئیں۔"

ملیا اب اٹھا۔ بولا "تم جھگڑا کرنے پر تلی ہو۔ تمہاری طرح میں جھگڑنے نہیں آیا۔ میرا چادرا کھول کر لاؤ میں چلتا ہوں۔"

"یہ کہو، میں جھگڑا کرنا چاہتی ہوں۔ تم جانتے نہیں تھے، میں گاؤں بھر میں بدنام تھی۔ اتنا جانتے ہوئے تم نے اپنی بیٹی یہاں کیوں دی؟" دراصل جھگڑا کرنے کے ارادے سے ہی تیمّوا نے پوچھا۔

مل نے آگے بات نہیں بڑھائی۔ من میں کہا "دیکھ کر ہی کھائی ہے نا۔ اب کیا؟"

پھر بھی تیموّا تارکا کی طرف دیکھتے ہوئے بولی "کیوں ری، تمہیں معلوم نہیں تھا کیا؟ میں ایسی ہی تھی؟" یہ کہہ کر اس کی لائی گٹھری کھول کر دیکھتے ہوئے غصے سے پوچھا: "یہ سب کیوں لائے؟ پھر میا کیا ابھی سے مٹھائی کھانے لگے گا؟ انھیں گزرے ایک سال بھی پورا نہیں ہوا ہے۔ تم لوگوں کو اتنی بھی سمجھ نہیں؟ کم سے کم تمھیں تو بتانا چاہیے تھا۔"

اس پر تارکا کچھ نہ بولی۔ مل نے ہی جواب دیا۔

"پھر مّوا اکیلا نہ کھائے تو کیا ہوگا؟ تم لوگوں کو بھی منع ہے کیا؟ تم لوگ کھاؤ۔ چار نوکر چاکروں کو دو۔ ہم کس لیے بنا کر لائے ہیں، اتنا خرچ اور محنت کر کے؟ لوگوں کے کھانے کے لیے ہی تو۔"

"خرچ کرنے کے لیے کس نے کہا تھا؟ اپنی بیٹی کے لیے من میں سوچنے والا میں نے نہیں دیکھا۔ ابھی بوڑھے کو مرے سال بھی پورا نہیں ہوا۔ دن رات میرے منھ سے ہائے نکلنا بند نہیں ہوا۔ اس سے تم لوگوں کو کیا؟ اپنے لڈو سڑ جاؤ۔" یہ کہہ کر اس نے ڈبے کو سے کر زمین پر مل کے سامنے پٹک دیا۔

"بس رہنے دو۔ بہت سمجھدار ہو گئی ہو تم۔" کہہ کر مل اٹھا اور چادر اے کر چل پڑا۔ لڑکے اس سے پہلے بھاگ گئے تھے۔ تارکا منھ لٹکا کر سب دیکھتی کھڑی رہی۔ وہ دل میں سوچ رہی تھی: "ان لوگوں کے لوٹنے کے بعد مجھ سے یہ سب کہنا چاہیے تھا۔ ساتھ اپنا پورکا لڑکا بھی آیا ہے۔ وہ کیا سوچے گا من میں؟ شرم جیسی کوئی چیز اس کے پاس نہیں ہے۔ سنسار میں بھی اکیلی ساس بنی ہے؟ کیا گاؤں میں اور کوئی ساس نہیں ہے۔ لڑائی کے لیے سدا تال ٹھوک کر تیار کھڑی رہتی ہے۔ گھر میں کوئی آئے تو خیر مقدم تک نہیں کرتی ہمیشہ جلی بھنی سی رہتی ہے۔"

---

¹نئے سال کی شروعات: یہ شروعات مارچ میں ہوتی ہے اور بطور تیوہار منائی جاتی ہے۔

چھوٹا بولی: "کیوں پتھر کی طرح کھڑی ہے۔ جا اندر۔ باپ کے پیچھے جانے ہی کیا ؟ یہ ساڑھی اتار کر پرانی ساڑھی پہن اور کھیت پر چل۔ ابھی ابھی اکا تائی اور ے (پھلیاں) توڑنے گئی ہے۔ وہ میری راہ دیکھ رہی ہوگی۔"

ادھر رتنوا نے اپنی بیٹی کے گاؤں جانے کے بعد راستے میں ہوئے شگونوں کا پتہ لگانے کے لیے راستے اور جھونپڑی کے بیچ کوئی دس چکر لگائے۔ اتنے میں دونوں لڑکے بھاگتے ہوئے آئے۔

رتنا نے پوچھا: "کیوں بھاگ رہے ہو؟"

گاؤں کے لڑکے نے مایوسی سے کہا: "چائے زیادہ ہوگئی"

وہ تار کا کو پہنچانے اس لالچ سے گیا تھا کہ وہاں کچھ کھانے پینے کو ملے گا۔ اس لڑکے کی بات رتنوا کی سمجھ میں نہیں آئی۔ اس نے خوشی خوشی سے پوچھا: "آج کس طرف سے سورج نکلا بھیا جس سے تم لوگوں کو چائے مل گئی؟"

اتنے میں پیچھے پیچھے مل آیا۔ کاندھے پر چادر اڈال رکھا تھا۔ منھ اترا ہوا تھا۔ ماتھے پر پسینہ تھا۔ پتی کو دیکھ کر رتنوا سمجھ گئی کہ کوئی خاص بات ہوئی ہے۔ پھر بھی اس نے پوچھا: "لگتا ہے چائے وغیرہ پی کر آئے ہو"

مل کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کہے؟ پھر کچھ رک کر کہا: "ہاں چائے پینے ہی گیا تھا۔" پھر دھوتی سے منھ پونچھنے لگا۔

"کیوں کیا ہوا؟"

"ہونا کیا تھا۔ وہی پرانا راگ جو پانچ چھ سال سے الاپا جا رہا ہے اور ہم دیکھ رہے ہیں۔ ایک دن بھی شانتی سے نہیں رہی۔ وہ تو اوچھی عورت ہے۔ لڑکی کو پہنچانے کے لیے گھر گیا تھا۔ کچھ تو شانتی سے رہنا چاہیئے۔ اس میں تو شانتی کا نام تک نہیں ہے۔ پتہ نہیں کیوں ہمیشہ آگ اگلتی رہتی ہے۔ کیا ہم ایسے گئے گزرے ہیں اس کے لیے؟ آئندہ سے اس کے گھر کی چوکھٹ پر قدم بھی نہیں رکھوں گا۔"

"کیوں، کیا ہوگیا؟ پھر کہیں جھگڑا تو نہیں کر لیا؟ تم تو لڑکی کے لیے کوئی نہ کوئی مصیبت کھڑی کر دیتے ہو۔" اگر وہ بیچ میں نہ پوچھتی تو پتہ نہیں مل کتنی دیر تک بولتا رہتا۔

"میں کیوں بلا وجہ جھگڑا کرنے لگا؟ وہی اوٹ پٹانگ بولنے لگی"

رتنوا نے گہری سانس لے کر پوچھا: "راستے میں جاتے وقت سامنے کون پڑا تھا؟"

مل نے ذرا ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا "شگون ٹھیک نہیں ہوا۔" پھر ذرا رک کر آنسو پونچھتے ہوئے بولا: "بھکاری ملا تھا، جھولی لیے ہوئے۔"

"ستیاناس ہو اس کا۔ وہ کہاں سے آمرا؟"

"اسے کیوں کوستی ہو۔ کوئی نہ کوئی راستے میں مل ہی جاتا ہے۔ لڑکی کا اس گھر میں بسنا صرف..... ؟"
دو دن بیت گئے۔ تیسرے دن چھوّا نے پڑوس کی ایک عورت کو بلا کر تارکا کے لائے ہوئے لڈوؤں کو واپس دے آنے کے لیے کہا۔ تارا نے روکنا چاہا لیکن چھوّا بولی: "کسے چاہئیں تمھارے یہ لڈو؟ ایسے لڈو کھلا کر تم لوگ کون جانتا ہے اور کس کو مارنا چاہتے ہو؟ گھر میں کھانے کے لیے الگ الگ باندھے گئے ہیں؟" تارکا آگے بات نہیں کر سکی۔

پھر ما، یہ سب پاس ہی کھڑا سن رہا تھا، اس کی طرف تارا نے ایک نظر ڈالی۔ اس نے بھی اس کی طرف دیکھا لیکن وہ محض دیکھتا ہی تھا۔ تب تارا کے دل میں اننت کی تصویر ابھر آئی۔ اس کے ساتھ ہی کچھ صبر کے آثار اس کے چہرے پر نمودار ہوئے۔ پڑوسن گٹھری لے کر رتنوا کے گھر کی طرف گئی۔ رتنوا نے ایک بار سوچا کہ لوٹا دے۔ پھر اپنے خاوند سے بات کر کے، فیصلہ لینے کی غرض سے بولی: "گھر کی لکشمی پھر گھر آ گئی۔ اچھی بات، دے جاؤ۔" اس نے سامان لے لیا۔ وہ شام تک رک نہ سکی۔ دوپہر ہی کو گاؤں میں چھوّا کی ایک رشتے دار سے یہ شکایت کی، "ہم نے اپنا گھر سمجھ کر بیٹی دی۔ ان کے لیے اپنا سارا کچھ لٹا دیا۔ لیکن اس نے لڑکی کو ایک دن بھی سُکھ نہیں دیا۔ روز صبح ہوتے ہی جھگڑا ——سانپ اور نیولے کی طرح! آج ٹھیک ہو جائے گی، کل ٹھیک ہو جائے گی —— یہ سوچ کر چپ رہی۔ لیکن اس کی زیادتیاں بڑھتی ہی رہی ہیں۔ کیا اس نے سمجھ لیا کہ لڑکی کی طرف سے کوئی بولنے والا ہی نہیں۔ آج شام کو انھیں آنے دو، لڑکوں کو پہنچانے گئے ہیں۔ اب تک آئے نہیں۔ ہم بھائی کلکرنی سے کہہ کر اس کی عقل ٹھیک کراتے ہیں۔ لڈو کوئی لوٹاتا ہے؟ اسے نہیں چاہیئے تھے تو اپنے گھر کے کتوں کو ڈال دیتی۔" رتنوا نے یہ باتیں ذرا زور سے کہیں۔
چھوّا نے رتنوا کا آنا کسی طرح دیکھ لیا تھا۔ اس لیے اس کے پیچھے پیچھے آ کر گھر سے باہر کھڑی ہو کر سمدھن کی ساری باتیں سنیں۔ اب وہ بھی آگے آ کر بولنے لگی۔ دونوں عورتیں۔ اب کہنا ہی کیا تھا؟ محلے کی سبھی عورتیں سمجھاتے سمجھاتے تھک گئیں۔ چھوّا جوش میں آ کر بولی: "اصلی ماں کی بیٹی ہوں تو بیٹے کی دوسری شادی کرا کے چھوڑوں گی۔ تمھاری لڑکی کو گھر سے نہیں نکالا تو میرا نام بدل دینا۔" یہ تک کہہ دینے میں بھی وہ ہچکچائی نہیں۔

اسی دن چھوّا نے اپنے دُور کے جیجا بھیمپا کو بلا کر بہت دیر تک باتیں کیں۔ دل کا سارا دکھڑا رو دیا۔ سمدھیوں کی غلط باتوں کو نمک مرچ لگا کر سنایا۔ بھیمپا بیچ بیچ میں کچھ نہ کچھ کہہ کر اس کو اکساتا رہا۔ آخر میں چھوا نے اس سے کہا: "ان کے مرنے کے بعد لڑکے کو میں نے تمھاری گود میں ڈال دیا ہے۔ جو چاہو کرو۔ اس کی ایک اور شادی کرا دو یا ویسے ہی رکھو۔ میں تو ٹھہری عورت ذات۔ گاؤں میں سمدھی چھاتی پر کھڑے ہیں۔ میں اکیلی ہوں۔ کچھ کر ڈالیں تو کیا ہوگا؟ سارا گھر ان کا ہی ہو جائے گا۔" اتنا کہہ بیٹی کے ہاتھوں چائے

بنوا کر اسے پینے کو دی۔

چائے پی کر اٹھتے ہوئے بھیپا بولا: "اس طرح مار ڈالنے کے لیے گاؤں میں کیا کوئی پوچھنے والا نہیں ہے؟ کیا ہم آئیں ہیں؟ بات پہلے سے معلوم نہ ہونے کی وجہ سے بھیا ہمارے ہاتھ سے نکل گئے۔ دوسری شادی کرا کے دم لوں گا۔ لڑکیوں کی کون سی کمی ہے؟ ٹکے کی سیر ملتی ہیں۔ اب مہورت کے دن نہیں۔ برسات کے دن ختم ہو جائیں۔ تلسی کے بیاہ تک کہیں نہ کہیں سے ایک لڑکی لا کر شادی کرا ہی دیں گے۔ اس میں بات ہی کیا ہے؟"

جھوّا اسے چھوڑنے' دروازے تک آکر بولی: "بس سب تمہارے ہی اوپر ہے۔ چاقو بھی تمہارے ہاتھ میں ہے اور خربوزہ بھی۔ جو چاہو کرو۔ پیسہ کی کوئی فکر نہیں۔" یہ کہہ کر وہ لوٹ گئی۔

دیوالی کے بعد بھیپا، بھرما کے لیے، پانچ چھ جگہ، لڑکیاں دیکھ آیا۔ 'بیٹھ جانا ہے' 'پوجا کے لیے جانا ہے' 'میلے میں جانا ہے'، وغیرہ وغیرہ کے بہانے کر کے جھوّا بھی دو تین جگہ لڑکیاں دیکھ کر آئی۔ جہاں بھی جاتی، وہاں یہی پوچھا جاتا: "دوسری کیوں کر رہی ہو؟" اس پر وہ مختصر اً یہی کہتی 'گونا ہوئے پانچ چھ سال ہو گئے۔ اب تک بچے نہیں ہوئے۔ اکلوتا بیٹا ہے' اور کتنے دن انتظار کیا جا سکتا ہے۔ گھر میں کھانے پینے کی کون سی کمی ہے؟ دو بھی رکھ سکتے ہیں۔" دو ایک لڑکیاں پسند کر کے بھی آئی۔ لیکن جن لوگوں نے گھر دیکھنے کے لیے آنے کو کہا تھا' ان میں سے کوئی بھی نہیں آیا۔ جہاں جہاں بھیپا گیا تھا' ان میں سے ایک دو آئے بھی، لیکن گاؤں میں آنے کے بعد ان کا ارادہ بدل گیا۔ پہلے لڑکی دینے کا وعدہ کر کے پھر مکر جانے کا سبب یہی ہو گا کہ گاؤں میں کسی نہ کسی نے ان کے کان بھر دیے ہوں گے۔ کان بھرنے کی بھی کیا بات تھی، چند وزدوں میں ہر کوئی یہی کہتا: "وہاں کیوں لڑکی دیتے ہو؟ کیا وہ اسے گھر میں رہنے دے گی۔ اگر آپ لوگوں پر لڑکی بوجھ بن گئی ہے تو کسی مزدور کے گلے باندھ دو۔ سکھ سے رہے گی۔" ایسی حالت میں لڑکی دینے کا حوصلہ کسے ہوتا؟ روز آنے والے لوگ لوٹنے لگے تو جھوّا کو فکر ہونے لگی۔

یہ بات جھوّا پر پوری کھل گئی کہ جب تک اس گھر میں تارا رہے گی' اسے دیکھ کر کون اپنی لڑکی دے گا؟ اس لیے گھر میں وہ تارا کو زیادہ سے زیادہ تنگ کرنے لگی۔

بھیپا بھی کئی جگہوں پر گیا' بہت کوشش کی لیکن کچھ نہ بنا۔ اس لیے سب کام بھگوان کے بھروسے پر چھوڑ کر سر پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گیا۔ اسے دیکھ کر لوگوں نے کہنا شروع کر دیا "شادی کرانے کے لیے بھیپا ادھر ادھر فضول بھاگا پھر رہا ہے۔ ایک بیوی کے ہوتے لڑکی بھلا کون دے گا! دوسری شادی کرانا کوئی آسان کام ہے؟ کیا بھگوان کی آنکھیں نہیں ہیں؟ ایسا کام کہیں ہوتا ہے؟ لڑکیاں کیا کمہار کے گھر میں بنتی ہیں؟" جوں جوں دن بیتتے گئے لوگ منھ پر کہنے سے بھی نہیں ہچکچائے۔ لیکن کسی کو اس بات کا دھیان نہیں تھا کہ

ان کی اِن باتوں کا نتیجہ کیا نکلے گا؟ لوگوں کی باتیں سن کر بھیپا نے بھی ارادہ کرلیا کہ وہ شادی کرا کے ہی دم لے گا اور وہ سب طرح کے داؤ پیچ سوچنے لگا۔

لڑکی دینے کو کوئی تیار نہ ہوگا، یہ سوچ کر منگدم کی ایک عورت نے طعنے اور ہنسی میں پوچھ ہی ڈالا: "شادی کب ہے بھئی؟" جھوّا کو ایسا لگا جیسے زخم پر کسی نے پتھر داغ دیا ہو۔ "پھر بھی ہو جائے گی۔ شادی کرنے کے لیے تیل جاتے پر لڑکی دینے والوں کی تو بھیڑ لگی رہتی ہے۔ ہم ہی آگے پیچھے کی سوچ رہے ہیں۔ اپنے ہی خاندان کی لڑکی ہے۔ اس پر دوسری کیوں لائیں؟" اپنی شرافت دکھانے کے لیے وہ بولی۔ اس کی بات کا مطلب جانتے ہوئے اس نے کہا: "ارے آپ کو لڑکی کا کہاں خیال ہے؟" اور وہ مذاق میں ہنستی ہوئی آگے چل دی۔ اس ہنسی نے جھوّا کا منھ ہی بند کر دیا۔ لیکن اس ہنسی نے اس کے من کو اور اکسایا کہ لڑکے کا بیاہ کر ہی دینا چاہیے۔

جب گاؤں کے لوگوں کو اتنا معلوم ہوگیا تو کیا تارکا کے ماں باپ کو معلوم ہوئے بغیر رہ جاتا؟ رتنوا تو بھیپا کو ہی اٹھتے بیٹھتے کوسنے لگی۔ کبھی کبھی کہتی: "اس کی بھی لڑکیاں ہیں۔ اس کو بھی ہمارا دکھ لگے، وہ کس لیے میری لڑکی کے ہوتے دوسری شادی کرا رہا ہے؟ اس لیے نا کہ بچے نہیں ہوئے؟ میری بیٹی کو بچے کیسے ہوں گے؟ کہیں گھر والے کا منھ دیکھنے سے بچے ہو جاتے ہیں؟ بال سفید ہو گئے اس کے۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آئی؟ یہ بوڑھا کیسے ہوگیا؟" یہ کہہ کر انگلیاں چٹکاتے ہوئے رونے لگتی۔ ملّی یہ کہہ کر اسے سمجھاتا "دوسروں کو ایسی گالیاں دینے سے کیا فائدہ؟ لڑکی کی جو قسمت میں ہے وہی ہوگا۔ جو ہونا ہے وہ رکے گا نہیں۔" اس کی بات کے انداز سے یہ ظاہر ہوتا تھا "شادی کیا روز روز ہوتی ہے؟ سوت کے ہوتے لڑکی کون دے گا؟ یہ کیسی بات ہے؟" رتنا کہتی "آپ کیا پاگل ہو گئے ہیں؟ وہ تو شادی کر کے ہی چھوڑے گا۔ ہماری بیٹی کا کوئی نہیں۔ وہ بنکھ کٹی چڑیا کی طرح ہو جائے گی۔" اس پر ملّی پھر اسے سمجھاتے ہوئے کہتا: "ہمارے بھی بھائی بند بہت ہیں۔ ہمارے کیا رشتے دار نہیں؟ وہ کہتے ہیں دیکھیں تو شادی کیسے کرتے ہیں؟ منڈپ ڈالنے دو۔ اس میں ہم آگ لگا دیں گے۔ لڑکی دینے والے یہاں کیسے آئیں گے؟ کیا انھیں اپنی لڑکی کی جان پیاری نہیں؟ جب ہماری پیٹھ مضبوط ہے تو ہم کیوں بھاگتے پھریں؟" خاوند کی باتیں سن کر رتنوا جلدی سے کہتی: "جو کرنا ہے سو ابھی سے کرو، چپ چاپ مت بیٹھنا۔ ایک بار ہو جائے تو بعد میں کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ بعد میں بنا دانے کے گھنگرو کی طرح چپ رہنا پڑے گا۔" اس پر ملّی کہتا: "چڑھی ہلدی اتروا دیں گے۔ ابھی سے کیا ہو گیا؟"

ایک دن شام کے وقت ملّی گھر میں ہی بیٹھا تھا۔ بھیپا گوٹھ کی طرف یا کہیں اور جا رہا تھا۔ ملّی کو وہ دکھائی دیا۔ تبھی اس کے دل میں یہ خیال آیا "ہم نے کوئی جھگڑا نہیں کیا ہے۔ ہاتھا پائی نہیں کی ہے۔ صرف

چارے کی بات پر اس نے مجھ سے بات چیت بند کی ہے۔ اگر میں ہی بات چیت شروع کر دوں تو اس میں غلطی کیا ہے؟ اس سے کیا میں چھوٹا ہو جاؤں گا؟ وہ عمر میں بھی بڑا ہے۔ دل میں یہ خیال آتے ہی اس نے بھیما کی طرف دیکھ کر اسے بلایا: "ذرا تمباکو پی کے جاؤ۔"

"دیر ہو گئی بھیا، گائے بیلوں کو بھی لانا ہے۔" یہ کہہ کر وہ دو قدم آگے بڑھا۔ شاید اس طرف آنے کی مرضی نہ تھی۔

پھر بھی مَتّی نے اسے دوبارہ بلایا، یہ کہتے ہوئے کہ ابھی تو گھڑی بھر دن باقی ہے۔ میل جول کی بات کو دھیان میں رکھ کر بھیما کو آنا ہی پڑا۔ مَتّی نے اٹھ کر کمبل بچھایا۔ بھیما بیٹھتے ہوئے بولا: "ابھی تک گھر میں کیسے بیٹھے ہو؟ گائے وغیرہ کھیت میں نہیں ہے؟"

"ابھی تو وہیں ہیں۔ گائے، بچھڑا بھی۔ دودھ دینے والی بھینسیں بھی وہیں ہیں۔ ایک ایک مہینے کے بعد کہیں جگہ ٹھیک کر کے وہاں جانا ہی پڑے گا۔ برسات شروع ہو رہی ہے۔"

بھیما نے کہا: "تمہیں کیا؟ داماد کا گھر اتنا بڑا ہے۔"

بھیما کی بات کے لہجے کو سمجھ کر مَتّی نے کہا، "ان کا گھر ہونے سے ہمیں کیا فائدہ؟"

"کیوں؟" تعجب کی اداکاری کر کے بھیما نے پوچھا۔

"ایسے بات کر رہے ہو جیسے معلوم ہی نہیں۔ یہ تو ایسا ہوا جیسے دائی ہی بچے کو نہ جانتی ہو۔" مَتّی نے کچھ تیکھے لہجے میں اس کی بے عزتی کرتے ہوئے کہا۔

بھیم کچھ گھبرایا، چہرہ فق ہو گیا۔ وہ سوچنے لگا۔ تھوڑا کھانسنے کے بعد بولا: "جموّا ابھی پاگل ہے۔ اس کے پاس سمجھ کچھ ہے ہی نہیں۔ اسے ایسا نہیں کرنا چاہئے لیکن کیا کرے؟" بات ختم کرتے کرتے پھر کھانستے کھانستے سوچتے ہوئے چلم مَتّی کے ہاتھ میں دے دی۔

"اکیلی جموّا کیا کرے گی؟ ارے ایسے لوگ بھی تو ہیں جو دیہا لی جانے کے لیے، جموّا جو چاہے، کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ ان کے بھروسے پر ہی تو وہ ناچتی پھرتی ہے۔ لیکن ان کے بھی برے دن آئیں گے۔" یہ کہہ کر مَتّی نے بات بھیما کے اوپر ہی ڈال دی۔

بھیم نے ماتھا سکوڑتے ہوئے کہا: "سب کو چھوڑ کر تم ہم لوگوں کے پیچھے کیوں پڑے ہو؟ وہ بلاتی ہے تو ہم چلے جاتے ہیں۔ آخر بھائی بند کے یہاں جانا ہی پڑتا ہے۔"

اتنے میں رتنوا کھیت سے دودھ کی ہنڈیا لے کر آئی۔ وہ گھر کے پاس پہنچنے ہی والی تھی کہ پیچھے سے ایک عورت بولی، "ہاں تو رتنا، بیٹی کو ایسی سُولی پر کیوں چھوڑ رکھا ہے؟ کیا تمہارے دس بارہ بچے ہیں؟ اسے کھانا تک نہیں ملتا۔ سویرے اٹھتے ہی گالیوں کی بوچھاڑ شروع ہوتی ہے۔ اگر گھڑے کا منہ ہوتا تو

بھی کا نوٹ گیا ہوتا۔ لڑکی وہاں کیسے رہے گی؟ ہم تو دیکھ نہیں سکتے بھائی! اپنے گھر کیوں نہیں بلا لاتی؟ تمہاری لڑکی کونسی گھر والے کے پیچھے مری جا رہی ہے؟ ایسی حالت میں اسے وہاں کیوں چھوڑ رکھا ہے؟" اتنی باتیں کہتے کہتے ساتھ ساتھ باہر کے دروازے تک آئی۔ اندر بھیپا کو بیٹھا دیکھ کر وہ زبان کاٹ کر وہیں سے لوٹ گئی۔

سامنے شاید بھیپا کو دیکھ کر ہی رتنوا کہنے لگی۔

"اس کی بھی ایک لڑکی ہے۔ اس کی حالت بھی ہماری لڑکی جیسی ہی ہوگی۔ ایسے چھٹکارا کیسے ملے گا؟ اِس ہاتھ سے لو اُس ہاتھ سے دو۔ میری لڑکی کو جلاتی رہتی ہے۔ کیا اس کا اثر پڑے بنا رہے گا؟ سب پر پڑے گا، کرنے والوں پر بھی اور کرانے والوں پر بھی۔" یہ کہتے ہوئے وہ اندر آئی۔ دودھ کی ہنڈیا کو نیچے رکھ کر اور گھوم کر بولی: "آؤ بہن، یہ لوگ مل کر میری بیٹی کی گرہستی کو توڑنے لگے ہیں۔" اسے اس عورت کے بیچ میں ہی لوٹ جانے کا پتہ ہی نہ تھا۔ بعد میں اس نے بھیم کی طرف دیکھا۔

"ہم کیوں توڑیں رتنا؟ کیا ہماری بیٹیاں نہیں ہیں؟ میں کہاں تڑواتا ہوں کسی کا گھر؟"

"رہنے دو، سب معلوم ہے۔ پرسوں منگ سولی جا کر کیا کر آئے؟ ہم سے کیا چھپا رہے ہو۔" یہ کہہ کر اس نے اس کی غلطی کو اسی کے سامنے کھول کر رکھ دیا۔

بھیپا کی حالت اس چور کی طرح ہو گئی جسے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا جائے۔ "کیا کر کے آئے ہیں؟ ایسے تو سب کی شادیاں ہو جائیں گی؟ گھر میں اچھی خاصی بہو ہے دوسری شادی کے لیے لڑکی کون دے گا؟ چھوٹا سارے گاؤں میں بدنام ہے۔ تمہاری تارکا ہی اس کے یہاں سب سہہ رہی ہے۔"

"کیا سہن کرے گی۔ وہ تو اس تاک میں ہے کہ اسے کب گھر سے نکالے۔ لڑکی کو سر چڑھتے ہیں بڑی سپاری کی طرح کر رکھا ہے۔"

"وہ تو پاگل عورت ہے۔"

"پاگل کیوں ہے۔ بڑی چالاک ہے۔ وہ تاک میں ہے کہ دوسری شادی کب کر دے۔" بھیپا کو جاتے دیکھ کر رتنا کی آواز تیز ہو گئی۔

"کیوں ابلتی ہو، چار دن اِدھر اُدھر مٹک کر چپ ہو جائے گی۔ اپنوں کو ہی دشمن بنائے گی۔ کل کو کھٹے پر پیشاب کرنے والے بھی نہیں ملیں گے۔" بھیپا نے دھیرے سے یہ کہتے ہوئے باہر کا دروازہ پار کیا۔

"چپ کیوں بیٹھے گی۔ کرنے دو اپنے لڑکے کی دس شادیاں۔ ہمارا کیا جاتا ہے۔ کہیں بھی رہے ہماری بیٹی کو تو دو روٹیاں مل ہی جائیں گی۔ خود ہی اس کے سر پر کوئی لڑکی کھڑی کرنے لگی ہے۔ ہم اپنی بیٹی کو گھر لائیں گے ہی۔" اس نے یہ بات بھیپا کو سنانے کے لیے زور سے کہی۔

یہ بات بھیپا کے کان کو بُری تو لگی ہوگی لیکن اس سے اس کا من خوش ہی ہوا ہوگا۔

دوسرے دن صبح ہونے سے پہلے ہی بھیپا چموّا کو ساتھ لے کر، بنا کسی کو بتائے منگ سولی گیا۔ اس کا خیال تھا، یہاں اس نے جو لڑکی دیکھی تھی اس کی خبر کسی کے کانوں میں نہیں پڑی ہے۔ لیکن کل رتنوا کی بات سن کر وہ دنگ رہ گیا۔ اب اسے بات کی فکر ہوئی کہ کوئی ان کے بھی کان نہ بھر دے اور وہ رشتہ بھی ہاتھ سے نکل گیا تو دوسرے رشتے کے لیے تارے گننے پڑیں گے۔ اس لیے وہ اسی دن ان کی ساری شرطیں مان کر شام کو گھر لوٹے۔ بس سے اتر کر، گاؤں کا راستہ پکڑنے کے بعد بھیپا نے کہا: "اب اور کچھ بھی نہ ہوگا۔ ایک بار لڑکی پکی ہو گئی۔" اس کے سر سے ایک بوجھ سا اتر گیا تھا۔

"بات پکی تو ہو گئی۔ اب بغیر کسی اڑچن کے کنارے لگ جانی چاہیئے۔" آگے کی بات سوچتے ہوئے چموّا نے کہا۔

"کنارے لگانے کی کیا ہے؟ شادی کے جھنجٹ کے بارے میں سوچتی ہو۔ وہ بھی ہو جائے گی۔ زیادہ سے زیادہ چار پیسے زیادہ ہی تو خرچ ہوں گے اور کیا؟"

"یہ بات میں نہیں کہہ رہی ہوں۔ پیسے کی کیا بات ہے؟ وہ تو کسی طرح ہو ہی جائے گا۔ یہ ایک کام تو ہو گیا۔ لیکن بیٹی کے بارے میں مجھے ڈر سا لگ رہا ہے۔"

"ارے وہ لوگ ایسے نہیں ہیں۔ ہماری لڑکی کی بات پکی ہونے تک وہ بھی پریشان تھے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ کیوں اتنی جلدی کرتے؟ ان کے ماما کے آتے ہی انھوں نے کہلا بھیجا۔ اکلوتی کو اس طرح گھر میں نہیں دوگی تو کیا تمھارے لڑکے کی شادی ہوگی؟" ان الفاظ کے ساتھ بھیپا نے اپنے کیے کی اہمیت کو جتایا۔

"اسی لیے تو میں بھی چپ ہوں۔ ہماری لڑکی کو تو لیں گے ہی۔ لیکن ہمارے لڑکے کا مسئلہ بھی تو حل ہو۔"

"یہ بھی ہو گیا سمجھو۔ اب کیا باقی رہ گیا؟" بھیپا کچھ رک کر بولا "تم اس طرف سے جاؤ۔ میں کھیت کی طرف سے آتا ہوں۔ گاؤں میں ساتھ ساتھ جانا ٹھیک نہیں ہے۔" پانچ چھ قدم جانے کے بعد کچھ یاد آیا تو لوٹ کر اس نے کہا: "اب خوشی خوشی جاؤ۔ باجے بجا کر ایک ساتھ دو شادیاں کریں گے۔"

"اب گاؤں میں کسی کے سامنے یہ بات مت چھیڑنا۔ نہیں تو......"

چموّا کو آگے بولنے سے روک کر بھیپا نے کہا: "تم پاگل تو نہیں ہو گئیں؟"

15

گرمیوں کی صبح کی ٹھنڈی ہوا جب اننت کے کمرے میں چلنے لگتی تو رات بھر کے جاگے اننت کو نیند آنے لگتی۔ اس کی نیند تب کھلتی جب سورج کی کرنیں کھڑکی پار کر کے اس کے منھ پر پڑتیں۔ لیکن اس کے بدن میں کوئی چستی نہ آتی اور بدن میں ایک طرح کی سُستی سی چھائی رہتی۔ چہرے پر ہمیشہ فکر کی یاسیت نظر آتی۔ پڑھنے کو بیٹھتا تو کتابیں کھلی کی کھلی ہی رہ جاتیں۔ وہ بیٹھا بیٹھا کچھ اور ہی سوچتا رہتا۔ ماں کے کہنے پر بے دلی سے سکول جاتا اور واپس آتا۔ سکھ چین نہیں تھا۔ پڑھنے میں دلچسپی نہ تھی اسے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ اس میں کسی طرح کا دکھ بھی ہے کہ نہیں۔ خوشی کی امید تو وہ چھوڑ ہی بیٹھا تھا۔ اس کی حالت ایک ایسے مادرزاد مفلس جیسی تھی جس کو دولت ملی ہو اور وہ دولت دیکھتے ہی دیکھتے کسی دوسرے کے ہاتھوں میں چلی جائے۔ اننت کو ایسا لگا جیسا کہ اس کی زندگی کے سکھوں کا پیڑ اُگتے ہی سُوکھ گیا اب اس کی کونپلیں کبھی نہ پھوٹیں گی اسے مکمل پیڑ کے روپ میں وہ زندگی بھر دیکھ نہ پائے گا۔ وہ سوچتا کہ اب پڑھائی اور امتحان کی کیا ضرورت ہے؟ کبھی کبھی وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر بستر پر کروٹیں بدلتا۔ دیا جوں کا توں جلتا رہتا۔ سندرا بائی نے یہ سب کئی بار دیکھا تھا۔ وہ پوچھتی: "اننت کیا پڑھائی ہو گئی؟" تب اننت اداسی کے لہجے میں 'ہاں' کہہ کر دیا بجھا کر سو جاتا۔ اننت کی اس حالت کا اس کے پتا رامپا کو پتہ نہ تھا 'میٹرک کی پڑھائی ہے، رات دن پڑھائی کر رہا ہے' یہ سوچ کر اس نے اس طرف دھیان نہ دیا۔

پتہ نہیں کیا سوچ کر سندرا بائی کبھی کبھی اپنے خاوند سے بہو کو وداع کروا کر لے آنے کو کہتی۔ آج کل کے بچے آتے جاتے رہیں تو اچھا ہے۔ اس بات کو رامپا نے کچھ ایسے سمجھا گویا اس کی بیوی کا خیال ہے کہ اگر لڑکی بڑی ہو کر آئے گی تو اپنے آپ کو گھر کے رنگ ڈھنگ کے مطابق ڈھال نہیں پائے گی۔ اس لیے وہ کہہ دیتا؟ "بڑی ہونے دو۔ لے آئیں گے، کون سی جلدی پڑی ہے۔" وہ پھر اپنے بیوپار اور دوکان کے کام میں ڈوب جاتا۔

ایک دن اپنے پہ قابو نہ پا کر، سندرا بائی نے خاوند کے گھر آنے پر اس سے پوچھا: "اننت ایسا

کیوں ہو گیا ہے ؟"

"اسے کیا ہو گیا ہے ؟"

وہ بھی وہی پوچھ رہا تھا۔ بھلا وہ کیا جواب دیتی ؟ اننت کی نفسیاتی حالت کو دونوں نے اپنے اپنے انداز سے دیکھا۔ کھانا کھاتے کھاتے رامپا نے بیچ میں کہا: "میٹرک کی پڑھائی ہے۔ بہت پڑھنا پڑتا ہے۔ اسی وجہ سے ایسا ہو گیا ہو گا۔"

"پڑھائی کرنی ہے تو کیا ہوا ؟ گھر کے ہر آدمی کو کاٹنے کو دوڑتا ہے۔"

"پڑھ پڑھ کے تھک جانے پر ایسا کرتا ہو گا۔"

اس کی بات کو بیچ میں کاٹ کر سندرا بولی: "رہنے دیجیے۔ آپ تو یونہی کچھ کہہ دیتے ہیں۔ وہ تو گرمیوں کی چھٹیوں کے بعد سے ہی کچھ ایسا ہو گیا ہے۔ بُوا کے گھر چار دن رہ آیا، تبھی سے ایسا ہو گیا ہے۔ سال ہو گیا۔ لڑکی ادھر بڑی ہوتی جا رہی ہے اسے لے آئیے۔" یہ کہتے ہوئے سندرا بائی نے بہو کو لے آنے کے معاملے کی طرف بات موڑ دی۔

رامپا کو یہ بات ٹھیک نہ جچی۔

سات آٹھ دن بعد رامپا صبح نہا دھو کر دوکان پر گیا۔ لیکن ایک گھنٹے کے اندر ہی لوٹ آیا۔ وہ گاؤں جانے کی تیاری میں تھا۔ اچانک خاوند کے گھر لوٹ آنے پر سندرا بائی رسوئی گھر سے باہر آکر پوچھنے لگی: "اس وقت گھر کیوں لوٹ آئے ؟" سفر پر جانے والے کو ٹوکنا نہیں چاہیئے۔ یہ سوچ کر اس نے زیادہ پوچھ تاچھ نہیں کی۔

"دو دن کے لیے چندُور جا رہا ہوں۔ ابھی ابھی رتنا کا سندیسہ آیا ہے۔"

چندُور کا نام سنتے ہی اننت نے باہر آ گیا۔ سندروا نے کہا "آپ کو اب بُلایا ہے۔ کل آنے والے شکروار کو چھمّی بھرما کی دوسری شادی رچانے والی ہے۔ ہم نے تو تبھی کہا تھا کہ وہاں بیٹی نہ دو لیکن بلپّا نے ایک نہ سنی۔"

"ہاں، پھر سے دوسری شادی کر رہے ہیں، کیوں ؟" چنچل دل کے ساتھ اننت نے پوچھا۔ اس کی آواز میں روانی تھی۔ مگر دل میں ایک طرح کا ڈر بیٹھا تھا۔

"جب سے لڑکی کے کپڑے واپس آئے ہیں تب سے ان کی آپس میں بنی نہیں۔ ساس بہو میں بنی نہیں۔ پتہ نہیں کیا بات ہے ؟"

سندر بانے پوچھا: "اب اس کا کیا ہو گا ؟ چاہے رہے یا گھر چھوڑ کر چلی جائے، انھیں کیا ؟"

"تارا آج کل کہاں ہے ؟" اننت نے پوچھا۔

"لڑکی کی تو زندگی بگڑ گئی" سندربا نے لمبی سانس لے کر کہا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

رامپا کی آنکھوں میں بھی پانی بھر آیا۔ ہاتھ سے پونچھتا ہوا بولا: "پرسوں اسے میکے لے آئے ہیں۔ انہی دنوں بھرما کی دوسری شادی کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے انھوں نے لڑکی کو بہت تنگ کیا، یہاں تک کہ وقت پر کھانا بھی نہیں دیتے تھے۔ اگر دیا بھی تو باجرے کی روٹی اور مرچ۔ کئی بار ایک ایک، دو دو دن بھوکا بھی رکھا۔ اڑوس پڑوس والوں نے برداشت سے باہر دیکھا تو کھانا کھلا دیا۔" گلا بھر آنے سے بات بیچ میں ہی رک گئی۔ وہ پھر بولا: "بہو برابر کی ہو گئی۔ جھاڑو لے کر مارنے کو دوڑی۔ اس کا کیا مطلب؟ لڑکی ڈر کے مارے گلی میں بھاگ گئی۔"

"یہ تمّی ہمیشہ سے ایسی ہی تھی۔ آپ بھی جا کر کیا کریں گے؟" سندربا نے ناامیدی سے پوچھا۔

"کیا کرنا پڑے گا، یہیں سے کیا بتاؤں۔ وہاں جا کر ہی تو پتہ چلے گا کہ کیا ہوا، کیا نہیں؛ تبھی سوچنا ہو گا کہ کیا کرنا ہے، کیا نہیں؟ ایسے موقعہ پر ہم ہی نہ جائیں تو کیسا لگے گا؟ کبھی نہ کبھی کوئی بات ایسی ہو جاتی ہے کہ جانا ہی پڑتا ہے۔ ذرا چموّا سے بات تو کر دیکھوں۔ ادھر رتنا چھاتی پیٹ رہی ہے۔ اسے بھی دیکھنا ہے۔ دیکھتا ہوں کیا ہو سکتا ہے؟" یہ کہہ کر وہ چلتا بنا۔

"بے چارے اُن لوگوں کو بھی کیا پتہ ہے" پھر سندربا یہ کہتے ہوئے "دو لقمے تو کھاتے جاؤ، پتہ نہیں وہاں جا کر کب کھانا نصیب ہو؟" دروازے تک گئی۔

"ابھی نہیں چاہیے۔ سائیکل پر جا رہا ہوں۔ پیچھے کی ہوا ہے" یہ کہتے ہوئے کچھ آگے گیا۔ پھر لوٹ کر بولا: "گھر کا دھیان رکھنا۔ انت کو کہہ دینا شام کو ایک گھنٹے کے لیے دوکان کھول لے۔" یہ کہا اور چل پڑا۔

سندربا کے اندر آتے ہی انت نے پوچھا: "ایسی حالت میں اب وہ وہاں کیسے رہ سکے گی؟ دوسری شادی کے بعد اس کا وہاں کیا رکھا ہے؟" تب سندربا کو بیٹے کے چہرے پر ایک طرح کا سکون دکھائی دیا جو ایک سال سے دکھائی نہیں دیا تھا۔

دو تین دن بیت گئے۔ ایک دن دوپہر کے وقت رامپا تارکا کے ساتھ گھر لوٹا۔ ابھی وہ دروازے پر ہی تھا کہ سندربائی نے بے تابی کے ساتھ پوچھا: "کیا بات بنی؟" رامپا نے آنکھ سے چپ رہنے کا اشارہ کیا اور بولا: "کیا بنتا ہے؟ تارکا کو کچھ دنوں کے لیے یہاں لے آیا ہوں۔" اتنا کہہ کر چپ ہو گیا۔ تارکا بھی پیچھے پیچھے اندر آئی۔ اس کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ آنکھیں لال تھیں۔ مامی کو دیکھتے ہی ابھی تک رکے ہوئے آنسو پھوٹ پڑے۔ سندربا بھی روتے ہوئے تارکا کو چھاتی سے لگا کر تسلی دینے لگی: "کیوں روتی ہے بیٹی، اب کیا کیا جائے؟ چل اندر چل۔" پھر اسے اندر

لے گئی۔ تارکا اندر جاکر چپ چاپ بیٹھ گئی۔

شام کے وقت اس نے مامی سے دھیرے سے پوچھا: "بچے کہاں ہیں؟ دکھائی نہیں دے رہے۔" پتہ نہیں کیوں اننت کا نام لے کر اسے پوچھنے میں ہچکچاہٹ ہو رہی تھی۔ سندر با بولی: "سکول گئے ہیں بیٹی۔ پڑھائی کے علاوہ اسے کچھ سوجھتا ہی نہیں۔ رات دن ایک کر رکھا ہے۔" یہ سن کر تارکا چپ ہو گئی۔ ایک بوری بچھا کر وہ پڑ رہی۔ سندر بائی ہی بیچ بیچ میں کچھ پوچھتی رہی اور تارکا ان سب باتوں کا "ہاں یا نا" میں جواب دیتی گئی۔

شام کو اننت سکول سے آیا۔ گھر میں تارا کو دیکھ کر ہنستے ہوئے پوچھا "کب آئی تارا؟" تارا نے مزید دلچسپی ظاہر نہیں کی۔ صرف امید بھری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ کر بولی: "دوپہر کو آئی۔" اننت کئی باتیں پوچھنا چاہتا تھا۔ ماں وہیں موجود تھی۔ اس لیے کچھ نہ پوچھا۔ اس سے پہلے وہ ماں کے سامنے اس سے بات کر لیا کرتا تھا لیکن اب اسے کچھ جھجکاہٹ سی ہوئی۔ اننت اپنے کمرے میں چلا گیا۔ پھر بھی اس کی آنکھوں کے سامنے تارکا کی اداس مورتی تھی۔ اس میں پہلے جیسا جوش و خروش نہ تھا۔ آج کا اترا ہوا بے حوصلہ چہرہ دیکھ کر اس نے سوچا 'کیا یہ وہی تارا ہے؟' اس طرح سوچتا ہوا اننت کچھ دیر یوں ہی کھڑا رہا۔ اس دن، رات تک راما اور اس کی بیوی سندر بائی میں بہت دیر تک بات چیت ہوتی رہی۔

"دوپہر کو میرے آتے ہی تم نے پوچھا تھا لیکن تب تارا میرے ساتھ تھی۔ اس کے سامنے کیا بتاتا۔ لڑکی بہت دکھی ہو گئی ہے اسی لیے میں نے تمھیں آنکھ سے اشارہ کیا۔ اس نے تمھیں کیا بتایا؟"

"کچھ بھی نہیں، چپ چاپ پڑی ہے۔ شام کو چائے پینے کے لیے کہا، وہ بھی نہیں پی۔ منھ میں ایک بوند پانی تک نہیں ڈالا۔ وہاں کیا ہوا؟" سندر با نے خاوند کی طرف منھ کر کے پوچھا:

"ہونا کیا ہے؟ علاحدگی ہو گئی۔"

"ہاں۔ کل کی لڑکی ہی تو ہے۔ ہمارے اننت سے بس دو ہی سال بڑی ہے۔ آپ لوگوں نے الگ کیسے کرا دیا۔ وہ دوسری شادی کر بھی لیتا۔ یہ بھی تو ساتھ رہ سکتی تھی۔" سندر با کی آواز میں بے قراری تھی۔

"کیسے رہتی؟" راما نے کہا: "وہاں لڑکی جی نہیں پائے گی۔ وہاں چھوڑنے سے فائدہ کیا؟ مانگنے پر اب شادی کا خرچ بھی واپس کر سکتے ہیں۔ شادی کر لینے کے بعد کیا وہ ہماری سنیں گے؟"

"ٹھیک ہے، بھاڑ میں گیا خرچا۔ اس کے کون سے دس بارہ بچے ہیں۔" پھر کچھ دیر بعد پوچھا: "کتنا لوٹایا انھوں نے؟"

"تین سو روپے دیے۔"

"کیا دے دیا۔ رتنا نے گھر لٹا کر ہزاروں روپے خرچ کیے تھے۔ اپنی نند کا ہی لڑکا سوچ کر۔"

"اب ان سب باتوں سے فائدہ؟ کہیں اچھا سا گھر دیکھ کر شادی کر دیں گے۔ بوڑھے بڑھیا دو نواسے نواسیاں تو دیکھ لیں۔ کچھ نہ کچھ ہوگا ہی۔ اس لیے میں اسے یہاں لے آیا۔"

"چمّو اسے ایک بار بات کرنی تھی۔ کیا اس سے کوئی پوچھ تاچھ کرنے والا نہیں، جو جی میں آیا کرتی جاتی ہے؟" غصّے میں سُندر با نے پوچھا۔

"جس دن یہاں سے گیا تھا اُسی شام میں وہاں گیا۔ میرے جانے تک ملپا کا خیال کچھ اور ہی تھا۔ برادری کے لوگوں سے مل کر شادی کو روک دینا چاہیئے وہ یہ کہہ رہا تھا۔ لیکن میں نے کہا، ایسا کرنے سے وہ لوگ باہر جا کر شادی کر سکتے ہیں۔ اب یہ کام رک نہیں سکے گا۔ میں نے چمّی کو بلوایا کہ اس سے بات کریں لیکن وہ آئی ہی نہیں۔ مجبور ہو کر شام کو چار آدمی لے کر میں اسی کے گھر گیا۔"

"تو آپ اس کے گھر بھی ایک بار ہو آئے ہیں۔"

"جانا نہیں چاہیئے تھا کیا؟ بھانجی جو دے رکھی تھی۔ اسے بہت سمجھایا لیکن اس نے دو ٹوک جواب دے دیا: ان کی اور ہماری باہمی رنجش پیدا ہو گئی ہے۔ اب کچھ بھی کریں وہ ٹھیک نہیں ہو سکتی۔ میں تو بیٹے کی دوسری شادی کر کے چھوڑوں گی۔"

"رنجش کی کون سی بات ہو گئی؟"

"پوچھنے پر کہنے لگی کہ ہونا کے مرنے پر لڑکے کے ہاتھ میں ایک روپیہ تک نہیں رکھا یہ کہہ کر کہ قمیض بنوالے۔ کیا میں اس کا روپیہ رکھ لیتی؟"

"ہوں تو وہ تو من مانی کرتی رہی مگر اب ان ہی پر دوش دھرتی ہے۔" سندر با نے کہا۔

بیوی کی بات سُن کر رامپا کی مونچھیں کچھ اونچی ہوئے بنا نہ رہیں۔ اس نے سوچا کہ عورت سمجھدار ہے۔

"اب اس سے یہ کیا کریں گے؟ ساس بہو کو ٹھیک طرح نہیں رکھتی تھی۔ اسی غم میں وہ رات دِن گھل گھل کر مر گیا۔ اسی نے اسے مارا ہے۔ بھاڑ میں جائے اب اس کی باتوں سے ہمیں کیا؟ اب لڑکی کا آگے کیا ہوگا؟"

"کہیں بھی اچھا سا گھر دیکھ کر شادی کرا دیں گے اور کیا کرنا ہے؟" رامپا نے کہا۔

"وہاں وہ دوسری شادی کر رہے ہیں۔ وہاں کیوں رہے؟ اس لیے تارا کو ساتھ لے آیا۔"

"اکا تائی کو کہاں دیا:"

"اُسے نہیں دیتے تو انھیں لڑکی کون دیتا۔ منگ سُولی کو انھوں نے اپنی بیٹی دی۔ اس کی بہن سے بھرما کی شادی کریں گے۔"

"ادیو! تو یہ ہے کارنامہ۔ چلو اچھا ہوا۔ اس بہو کے ساتھ اس نے کچھ کیا تو اُدھر اس کی بیٹی کا جھونٹا کھینچے گا۔ ہماری سونے جیسی لڑکی کا یہ حال کیا، کیا یہ پاپ انھیں لگے بنا رہے گا؟ دوپہر سے بچی کا منھ ذرا سا نکل آیا ہے۔ ایک نوالہ بھی نہیں کھایا۔ شرم سے مری جا رہی ہوگی۔ بڑی مان والی بچی ہے۔"

"اس کی کیا بات کہتی ہو؟ دو دن ہو گئے کہ رتنا کے آنسو بھی نہیں رکے ہیں۔ رات دن یہی روتی ہے — ہائے میری بچی کے ساتھ کیا ہو گیا۔ چاہے کیسے ہی سمجھاؤ، سمجھتی ہی نہیں۔" رامپیا نے اپنی بہن کی حالت بتائی۔

"تو کل میں ہو آؤں؟ تارا آپ کو اور اننت کو دو روٹی بنا دے گی۔ اننت کو تارا کا دھیان رکھنے کے لیے کہہ دوں گی۔"

16

یہ بات اننت کو معلوم نہ تھی۔ اسے یہ بتایا بھی نہیں گیا تھا۔ اگر بتایا گیا ہوتا تو نہ جانے اس کی نفسیاتی حالت کیسی ہوتی؟ پھر بھی تارکا کے گھر میں آنے کے بعد وہ ذرا حوصلے سے ہی ہنستا تھا۔ دوسرے دن ہی اس کی ماں چندو رگئی۔ رامپیا سارا دن دوکان پر رہتا تھا۔ گھر میں بس اننت اور تارکا تھے۔ نابھی راج بھی ماں کے ساتھ گاؤں چلا گیا تھا۔ تو بھی اننت تارکا کے ساتھ پہلے کی طرح کھلا نہیں تھا۔ ویسی بات بھی نہ کرتا تھا۔ شاید اب یہ سوچنے لگ گیا تھا کہ دوسرے کی عورت کے زیادہ اپنائیت نہیں بنانی چاہیئے۔ اس کا تجربہ اسے یہ بتا رہا ہوگا کہ اس سے پیار کر کے محض پچھتانا ہی پڑتا ہے۔ لیکن ایک دُکھی شخص کے ساتھ جتنی تسلی دلانے والی باتیں اور برتاؤ کرنا چاہیئے وہ ویسا ہی کرتا تھا۔ وہ تارکا کی ساس اور خاوند کو من میں لعنت ملامت کرتا تھا۔

ایک دو دن کے بعد تارکا نے ذرا سہارا محسوس کیا۔ مامی کے گاؤں جانے سے گھر کا سارا کام اُسی کو کرنا پڑتا تھا۔ شاید اس نے سوچا ہوگا کہ بے سہارا ہونے کے سبب اُسے سب سے بنا کر رکھنی چاہیئے۔ سارا گھر کا کام وہ من لگا کر کرتی تھی۔ ماما کو وقت پر چائے بنا کر دیتی، کھانا لگانا اور دوسرے کاموں کو وہ بڑی ہوشیاری سے کرتی تھی۔ اسی طرح اننت کی سیوا بھی من لگا کر کرتی تھی۔ لیکن اننت کے برتاؤ کو دیکھ کر اسے ناامیدی سی ہوئی۔ ایک دن دوپہر کو اننت گھر آیا اور اس نے اپنے فطری انداز میں پوچھا: "تم سسرال کب جاؤگی؟" ساتھ ہی اس کا چہرہ اتر گیا کیونکہ اُسے محسوس ہوا کہ یہ سوال اُسے کرنا نہیں چاہیئے تھا۔ نہ جانے تارکا اِس سے کتنا دکھی ہوئی ہوگی۔ لیکن منھ سے نکلی بات کب واپس لی جا سکتی ہے؟ اس کی بات کا اثر تارکا پر ویسا نہ ہوا جیسا کہ اس کا خیال تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا: "اب کہاں جاؤں؟" اس کی مسکراہٹ میں اپنائیت تھی۔ اس سے یہ تمنا صاف ظاہر تھی کہ اب تمھیں میرا سہارا ہو، یہی میرا گھر ہے۔ اننت حیران رہ گیا۔ یہ بات اور یہ گھر اسے ناقابلِ برداشت لگا۔ اس نے سوچا یہ گاؤں کی عورت ہے۔ اس دن کی تصویر اس کے دل کے پردے پر تھوڑی دیر کے لیے اُبھر آئی۔ اسے فوراً باہر جانے کی خواہش ہوئی لیکن دل نہیں مانا۔ "اچھا، تو یہ بات ہے" کہتے ہوئے وہ بیٹھ گیا۔

تب تارکا نے بیچ کے کمرے کی کھڑکی سے باہر جھانک کر دیکھا۔ بعد میں آنکھوں میں آنسو بھر کر بولی: "کیا تم میرا ہاتھ چھوڑ دوگے؟"

اننت کا دل پگھل گیا۔ اس کی آنکھیں بھی گیلی ہو گئیں۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا جواب دیا جائے۔ ویسے ہی بدھو کی طرح بولا: "اُس کے لیے راستہ کونسا ہے؟"

تارا نے اس سے ایک سوال پوچھ ہی ڈالا: "کیا تم دو بیویوں کے ساتھ نہیں رہ سکتے؟"

"پریم ایک سے ہی کیا جاتا ہے۔ اسے دو میں کیسے بانٹا جا سکتا ہے؟ اسے میں نے ایک بار تمھیں دے دیا ہے۔ اب میں اسے کیسے دوں۔ میری بھی شادی کر دی گئی ہے۔ کیا وہ شادی کہی جا سکتی ہے؟"

تارکا کو اننت کی محبت کا وہ اصول کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ اس لیے اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ چپ چاپ سوچنے لگی۔

اننت نے پھر پوچھا: "ایسا کیوں پوچھتی ہو؟"

"کیوں پوچھ رہی ہوں، تم ہی بتاؤ۔" جواب کی صورت میں تارکا نے سوال کیا۔

"وہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن تم جو کہتی ہو، ویسا کرنا کیسے ممکن ہے؟"

"کیوں نہیں؟" مسکراتے ہوئے تارکا نے پوچھا

"مرد تو دو عورتوں سے شادی کر سکتا ہے. لیکن عورت دو آدمیوں سے کیسے شادی کر سکتی ہے. تم تو پاگلوں کی طرح کہہ رہی ہو؟"

"عورت تو دو شادیاں نہیں کر سکتی لیکن مرد تو دو شادیاں کر سکتے ہیں یا نہیں؟" اننت کا ہاتھ پکڑ کر ہمدردی کی درخواست کے لہجے میں تارکا نے پوچھا۔

"تمہارے خاوند نے کی ہے کہ نہیں؟"

"کون؟"

"بھرما؟"

"ایسے پوچھ رہے ہو جیسے معلوم ہی نہیں ہے۔ اُس نے مجھے چھوڑ کر دوسری کر لی" تارا منھ لٹکا کر بولی۔

اننت کو حیرانی ہوئی. یہ بات نہیں کہ اس بات کو سننے سے اسے کچھ خوشی نہ ہوئی ہو. اس کا ہاتھ اس کے بالوں کو سہلا رہا تھا۔ یہی اس حالت کی گواہی دے رہا تھا۔ اُس نے حیرانی سے پوچھا: "کیا یہ سچ ہے؛ مجھے تو معلوم نہ تھا"

اننت کا چہرہ دیکھتے ہوئے تارکا نے کہا: "کیا میں تم سے جھوٹ بول رہی ہوں؟"

کچھ دیر چپ رہنے کے بعد اننت بولا: "باپو یہ کہہ کر چند در گئے تھے کہ تمہارا گھر والا دوسری شادی کرنے والا ہے۔ باقی مجھے کچھ بھی معلوم نہیں"

تارکا نے بے اعتباری کے انداز میں مسکراتے ہوئے کہا: "نہیں پتہ ہے"

"تمہاری قسم مجھے معلوم نہیں"

"ماما جی نے پہنچ کر تواجی (ساس)، کو سمجھایا لیکن بات کچھ بنی نہیں۔ ماں پہلے سے ہی کہہ رہی تھی پھر الینا چاہیئے۔ ایسا ہی ہوا" تارا نے اختصار کے ساتھ ساری بات کہہ دی۔

اننت حیران ہوا۔ اس کی بات پر اسے ایک دم اعتبار نہ آیا. انسان کی فطرت ہے جب اس کی من پسند بات ہوتی ہے تو وہ اسے پکا کر لینے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی طرح اننت نے پھر پوچھا: "کیا یہ سب سچ ہے؟"

"ہاں یہ سچ ہے"

"تو اتنی اداس کیوں ہو گئی ہو؟"

تارکا کا چہرہ کچھ دُھندلا ہو گیا۔ کچھ دیر بعد بولی: "جانے دو۔ تم ایسے پوچھتے ہو تو میں اُداس

کیوں نہ ہوؤں گی ؟"

اننت کو اب انتہائی خوشی ہوئی۔ جس طرح گرمی میں سوکھ جانے والی ندی برسات میں پھر سے بھر کر بہنے لگتی ہے ویسے ہی اننت اور تارکا کی محبت چپ چاپ دل میں امنڈ پڑی۔

بیچ میں مل ایک دو بار بیٹی کو لے جانے کے لیے چندور سے آیا۔ تب سندر بائی نے کہا: "یہیں رہنے دو۔ یہاں رہی تو کیا ہو گیا۔ ایک ہی تو بات ہے۔ بات جب تک دوسری جگہ طے نہیں ہو جاتی، وہاں وہ لوگ اپنی خوشی سے اس کی چھاتی پر مونگ دلیں گے۔ وہاں کیوں لے جاتے ہو؟" اس طرح کہنے کا سبب ممکن ہے یہ بھی رہا ہو گا کہ تارکا اگر گئی تو گھر کا سارا کام اس پر آن پڑے گا!

مل کو سندر بائی کی بات ٹھیک لگی۔ بیٹی کو خوش دیکھ کر اس نے سوچا کم سے کم بیٹی یہاں تو چار دن آرام سے رہے۔ وہ یہی کہہ کر لوٹ جاتا: "تو یہیں رہنے دو سال، چھ مہینے۔ تمھاری بھی بیٹی نہیں، بہو کے آنے تک رہتی رہے گی۔"

اننت کا کمرہ صاف کرنا تارکا کی ہی ذمہ داری بھی۔ تب وہ اپنی سمجھ کے مطابق اننت کی کتابیں ٹھیک کرتی۔ ویسے تو اس کے کتابیں ٹھیک کرنے کے بعد اننت کو کتابیں چھانٹنے میں کچھ دقت ضرور ہوتی لیکن وہ تارکا کا کام دیکھ کر خوش ہوتا اور اس کی تعریف کرتا کبھی کبھی دوپہر کی چائے کے وقت وہ بلانے پر پڑھائی چھوڑ کر نہ آتا تو تارکا کو ہی چائے پہنچانی پڑتی۔ تارکا چائے دیتے ہوئے ایک بار مسکراتی تو اننت بھی چائے پیتے پیتے ہنس پڑتا۔ چائے اپنے اوپر گرا لیتا تو تارکا کھل کھلا پڑتی۔ اس ہنسی کو سن کر سندر با پوچھتی: "کیا ہوا اننت؟"

اس پر اننت ہنستے ہوئے جواب دیتا: "دیکھو ماں! اس نے چائے میری قمیض پر گرا دی۔"

"دھیان رکھا کرو بیٹی تارا" کہہ کر سندر با سمجھاتی۔

"میں کیا کروں؟ اسی کا ہاتھ لگ گیا۔" جھوٹ بول کر بناوٹی غصے سے اننت کو دیکھتی۔

ایسے ہی معلوم نہیں کتنے ہی واقعے ہوتے۔

ایک دن صبح، اننت بیٹھا ہوا کچھ لکھ رہا تھا۔ اس کی ماں کسی کام سے کمرے میں آئی۔ بنا کسی خاص کام کے وہ اس کے کمرے میں نہ آتی۔ اننت نے لکھنا چھوڑ کر سر اٹھا کر پوچھا: "معلوم ہوتا ہے تمھارا سارا کام ختم ہو گیا۔"

'ہاں!' کہہ کر مسکراتے ہوئے وہ اننت کے پاس بیٹھ گئی۔ اس کے چہرے سے پتہ چل رہا تھا کہ وہ کچھ کہنا چاہتی ہے۔ اننت نے اپنا لکھنا جاری رکھا۔ کچھ دیر بعد سندر ابائی بولی: "تارا

بہت اچھی لڑکی ہے۔ گھر کے کام میں بڑی ہوشیار ہے لیکن کیا کریں اس کا نصیب ہی خراب ہے"
اننت نے لکھتے لکھتے ہی پوچھا: "کیسے ؟"
"بے چاری کو ایسا روپ، ایسے گن ہونے پر بھی اچھا گھر نہیں ملا۔ ہماری لڑکی کو بھی ایسی عقل نہیں ہے ؟"
بیچ میں ہی اننت نے شک کے انداز میں پوچھا "کسے ؟"
"اس کی بات نہیں۔ اندرا کی بات کہہ رہی ہوں۔ اسے لاکر گھر میں کچھ سکھانا چاہتی ہوں۔ لیکن یہ مانتے نہیں ہیں۔ وہ بھی لڑکی بڑی ہونے تک بھیجنا نہیں چاہتے۔"
"اپنے پاس ہی رکھنے دو، یہاں اسے کون چاہتا ہے۔"
سندرا بائی کے چہرے پر اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔
ماں کے دل کی بات پاکر وہ انجان بن کر ہنستے ہوئے بولا: "تمھاری اور اس کی پٹے گی نہیں۔ اسے وہیں رہنے دو۔ گھر میں بہو آتے ہی ساس تھانے دار بن جاتی ہے۔"
"سبھی چھوا جیسی ہوتی ہیں کیا ؟"
اننت نے اپنا لکھنا جاری رکھا۔ اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ تب سندرا ہی آگے بولی: "اب تارا کیا کرے، بتاؤ ؟ اس کے پتا مل اس کے لیے لڑکا اِدھر اُدھر ڈھونڈ کر تھک گئے۔ کوئی ٹھیک گھر ہی نہیں ملا۔ چھ سات مہینے ہو گئے ٹھیک طرح سے نیند آئے، دن رات کوشش میں لگے ہیں۔"
اننت نے کوئی بات سوچتے ہوئے، لکھنا چھوڑ کر پوچھا: "اب اس کی دوسری شادی کریں گے کیا ؟"
"اب دوسری بار شادی کرنی ہے کیا ؟ دوسری بار گھر کرنا ہی ہوتا ہے نا !"
"اس کے گھر والے کی تو شادی ہوئی لیکن اس کی کیوں نہیں ؟"
"وہ تو مرد ہے بھیا۔ وہ بہت کچھ کر سکتا ہے۔ عورتیں مٹی کے گھڑے کی طرح ہوتی ہیں۔ ایک بار چھوا، بس ختم۔"
اننت کا دل دھک سا رہ گیا۔ شاید اسے اپنے واقعے کی بات یاد آگئی سندرا بائی نے بات کو ذرا آگے بڑھایا: "اب تو اسے اچھا خاوند ملے۔"
"کیا وہ کسی سے شادی کیے بغیر رہ نہیں سکتی ؟" اننت نے فکر مند ہو کر پوچھا۔
"چھی! عورت خاوند کے بغیر کیسے رہ سکتی ہے۔ کسی اچھے گھر میں ہی دینی ہے۔ یہاں تو وہ

ٹھیک ہے لیکن اُدھر ماں باپ کی زندگی دوبھر ہوگئی ہے۔"

"کیوں ؟" انت نے پوچھا۔

"تھیں کیا پتہ بیٹا ؟ تم تو صرف پڑھائی لکھائی میں ہوشیار ہو" سندربا اٹھ کر جاتے ہوئے بولی۔

اسی دن شام کو مل اینا پور آیا۔ وہ تارا کے لیے ایک لڑکا دیکھنے گیا تھا۔ اینا پور سے دس بارہ میل پر ہادوگیری میں ایک گھر تھا۔ وہ اسے دیکھ کر آیا تھا۔ وہ گھر اسے ٹھیک ہی لگا۔ آتے ہی وہ اپنی بیٹی سے بولا" ہاروگیری میں 'اکی واٹے' خاندان کے لوگ ہیں۔ گھر میں ماں اور بیٹا دو ہی ہیں۔ لڑکے کا نام اپنا ہے۔ ماں تو ہے لیکن بہت بوڑھی ہے۔ شاید اسے آنکھوں سے ٹھیک دکھائی بھی نہیں دیتا۔ گھر اپنا ہے، کھیتی ہے، ایک باغ بھی ہے اور باغ میں ہی رہتے ہیں۔ گاؤں میں بھی چار کمرے کا مکان ہے اور کیا چاہیئے ؟" باپ کی باتیں سن کر تارا پر بجلی سی گری۔ وہ وہیں پر دھپ سے بیٹھ گئی۔

انت کو باہر سے آتے ہی یہ خبر ملی۔ ایک بے معنی سی ہنسی ہنس کر اس نے پوچھا: "گھر کیسا ہے ؟"

"گھر تو اچھا ہے۔ گھر میں ساس ہوتے پر بھی نہ ہونے کے برابر ہے۔ کھانے پینے کی کمی نہیں"۔ مل نے بتایا۔

"لڑکا کیسا ہے ؟"

"لڑکا تیس پینتیس سال کا ہوگا۔ دیکھنے میں اچھا ہے۔ اس موئے بھر مانے تو اچھا ہے۔"

"اس کی پہلی بیوی ہے کیا ؟"

"وہ تو نہیں ہے۔ اسے دس برس پہلے اس نے چھوڑ دیا تھا۔ بال بچے بھی نہیں ہیں۔"

"تو اب دوسری کیوں کرنا چاہتا ہے ؟" انت نے پوچھا۔

مل نے اس بارے میں زیادہ چھان بین نہیں کی تھی۔ اس لیے کچھ رک کر بولا"سنا ہے وہ پہلے شادی ہی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ماں اور بھائیوں کے کہنے پر اب کہیں جا کر مانا ہے۔ اس لیے اب لڑکی ڈھونڈی جا رہی ہے۔"

"ذرا سوچ سمجھ کر رشتہ کیجیے گا۔ ایسے ویسے کے گلے مت مڑھ دیجیے گا۔ پہلے بھی ایک بار بھگت چکے ہیں۔ یہ بھی ویسا ہی نہ نکلے۔ ایک ٹھوکر کھانے کے بعد آنکھیں کھول کر ہی چلنا چاہیئے۔"

"ان سب کی ذمہ داری میں اکیلا نہیں لے سکتا۔ پہلی بار سب کی رضامندی کے بغیر ہی میں نے لڑکی دے دی تھی۔ ایک بار غلطی کرکے اب تو کان پکڑے ہیں۔ تارا کی ماں دن رات رو رو کر جان دے رہی ہے۔ اس بار آپ سب لوگ موجود ہیں۔ اچھی طرح دیکھ بھال کر رشتہ دیجیے۔" یہ کہہ کر مل نے اپنی ذمہ داری کو کم کرنے کی کوشش کی۔

"اتنی جلدی کیا ہے، آرام سے دیکھیے۔"

"دھیرے دھیرے کیا کروگے، کہیں بات بن جائے تو ٹھیک ہی ہے۔ کل وہ لوگ بھی چندور آئیں گے۔ ادھر سے آپ لوگ چلیں۔ دیکھ سن کر کچھ کر ہی ڈالیں۔ وہ لوگ وہیں تارا کو بھی دیکھنا چاہتے ہیں۔"

یہ سن کر اننت چپ ہوگیا۔ پاس ہی کھڑی تارا نے اس کی طرف دیکھ کر کچھ نہ کہنے کا اشارہ کیا۔ اننت اس کا اشارہ سمجھ گیا۔ پھر بھی وہ اس بارے میں کچھ کہنے کی حالت میں نہ تھا۔ غالباً اسی لیے اس نے تارا کا اشارہ نہ سمجھنے کی اداکاری کی۔ اُس دن وہ صبح ہونے تک سو نہ پایا۔ رات بھر وہ چھت کی کڑیاں گنتا ہوا پڑا رہا۔

صبح تارا اننت سے وداع لینے آئی۔ تب اننت کمرے میں چہل قدمی کر رہا تھا۔ تارا بڑی دیر تک اُس کے پاؤں پکڑ کر روتی رہی۔ اس کے منھ سے لفظ ہی نہ نکلے۔ اننت بھی کچھ نہ بولا۔ چپ چاپ کھڑا رہا۔ دو بڑی بڑی آنسو کی بوندیں تارا کے سر پر گریں۔ اس نے اننت کی طرف دیکھا۔ تبھی مل نے اسے پکارتا ہوا وہاں آیا۔ تارا کے ہاتھ میں ایک ہار دیتے ہوئے بولا: "یہ تمھاری ماں کا ہے۔ اسے گلے میں پہن لو۔ کل وہ لوگ دیکھنے آئیں گے۔"

"اچھا۔" کہہ کر، باپ سے آنسو چھپاتی ہوئی تارا وہاں سے چلی گئی۔

اننت کا باپ چندور گیا تھا۔ تین دن میں تارا کی رسم طے کرکے گھر لوٹا۔ لوٹنے کے بعد اس نے اننت سے کہا۔ "اسی اتوار کو تارا کی رسم پوری کرنے کا فیصلہ ہوگیا ہے۔ سنیچر وار کو تم چندور چلے جاؤ اور ان لوگوں کے ساتھ جاکر سب کام نپٹا کر آجاؤ۔"

"میری پڑھائی بہت باقی ہے۔ میں نہیں جاؤں گا۔ امتحان بھی قریب آگیا ہے۔"

"تمھاری تو سدا پڑھائی ہی لگی رہتی ہے۔ میں جا نہیں سکتا۔ گھر اور دوکان دونوں دیکھنے ہیں۔ وہ نہیں جا سکتی۔ اب تمھارے علاوہ گھر میں جانے والا کون ہے۔" کچھ غصے میں ہی رامپا نے کہا۔ اننت زیادہ بول نہ سکا۔ اسے جانا ہی پڑا۔

اننت کا آنا دیکھ کر تارا کو ناامیدی میں بھی امید کی جھلک دکھائی دی۔

اتوار کو منھ اندھیرے ہی سب لوگ گاڑیوں میں بیٹھ کر ہار وگیری کو چل پڑے۔ ایک گاڑی میں عورتیں تھیں اور دوسری میں مرد۔ مردوں کی گاڑی میں اننت بھی بیٹھا تھا۔ عورتوں کی گاڑی چھت والی تھی۔ دھوپ چڑھنے کے بعد دھوپ کا بہانہ کر کے تارکا نے اننت کو اپنی گاڑی میں بُلا لیا۔ عورتیں بھی اننت سے کہانی سننا چاہتی تھیں۔ لیکن اننت وہاں آکر چپ چاپ بیٹھ گیا۔ اس نے کوئی خاص بات نہیں کی۔ رات کے ایک بجے دونوں بیل گاڑیاں ہار وگیری پہنچیں۔ وہاں اُن کے ٹھہرنے کے لیے ایک دوسرے گھر میں انتظام تھا۔ وہاں جا کر سب اُترے۔

دو تین گھنٹے بیت گئے۔ گاڑیوں سے سامان اتار کر اندر رکھا گیا۔ سمدھیوں نے گڑ اور پانی لا کر دیا۔ اننت بنا کچھ کھائے ایک کونے میں بچھے بستر پر لیٹ گیا۔ رات کے کھانے کے لیے سمدھیوں سے بلاوا آیا۔ سب جانے کو تیار ہوئے لیکن اننت یہ کہہ کر کہ مجھے بھوک نہیں ہے، وہیں پر لیٹا ہی رہا۔ تارکا اس وقت ان کے گھر کھانے کے لیے نہیں جا سکتی تھی۔ رتنوا نے ایک بار پھر اننت کو بلاتے ہوئے کہا: "بھوک نہیں ہے کہنے سے کیسے کام چلے گا بیٹا! دوپہر کو ایسا کیا کھایا تھا؟" تب بھی اننت نے کہا "بھوک نہیں"۔ رتنوا تب تارکا کے پاس جا کر بولی: "اننت کھانا کھانے نہیں جا رہا ہے۔ تو اسے بکس میں سے دو لڈو نکال کر دے جنھیں کھا کر وہ پانی تو پی لے۔"

ماں کے کہنے پر تارا کا دھیان نہ تھا۔ رتنوا نے پھر پوچھا: "کیا میری بات نہیں سنی؟"

"ہُونہہ" بولی تارا۔

سب لوگ کھانا کھانے گئے۔ بستر پر اننت کروٹیں لے رہا تھا۔ دل میں سوچ رہا تھا۔ اگر میری اب تک شادی نہ ہوئی ہوتی اور مجھے لڑکی پسند کرنے کی آزادی ہوتی تو کیا میں تارا کو نہیں چن سکتا تھا؟ تب میں کتنا سکھی ہوتا! وہ سکھ، کیا اِس جنم میں ملنے کا امکان ہے؟ نہیں! ایسا کیوں؟ کس لیے ایسا ہوا؟ یہ سب سماج کی پسماندگی اور دقیانوسی کے سبب ہی سے تو ہے۔

تارکا باہر جا کر یہ دیکھ کر آئی کہ سب لوگ کھانے کو چلے گئے۔ پھر اننت کے پاس آکر آنسو بہاتے ہوئے بولی: "میری ایک بات مانو گے؟"

اننت بھی بہت بے حال تھا۔ تارا اسے لپٹ کر رو پڑا۔ جب رونے کا جوش کچھ کم ہوا تو اس نے پوچھا: "کیا کرنے کو کہتی ہو؟"

"یہ رات گزرتے ہی سب ختم ہو جائے گا۔ تمھارا اور میرا کوئی تعلق نہیں رہ جائے گا۔ اب کچھ کرنا ہوگا۔"

بھولے بھٹکے کی طرح اننت بولا: "کیا کرنا ہوگا؟"

"وہ میں بتاؤں گی، لیکن......"

"تو کیا؟"

"وہ بہت بُرا کام ہے"

بُرا کام؟

"ہاں سب لوگ گالی دیں گے"

"تو کیا کریں؟"

"کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔"

"کیوں؟"

"یہ میں نہیں جانتی۔ لیکن اتنا کہوں گی، اگر وہ نہیں کیا تو مرنے تک بھی ہم دونوں کو سُکھ نہیں ملے گا۔"

"کرنے سے سُکھ ملے گا؟"

"مل سکتا ہے۔"

"تو کریں۔"

"ہم دونوں یہاں سے ابھی نکل چلیں۔"

"کہاں؟"

"کہیں بھی۔"

"ایسے ہی؟"

"اس میں کیا ہے؟"

"میرے بدن پر گہنے ہیں۔ انھیں بیچ کر کھانا کھائیں گے!"

"تو نکل چلیں، اٹھو۔"

تارا کا دل ذرا ہلکا ہوا۔ چہرے پر حوصلہ آگیا، تسلی دکھائی دی۔ کچھ دیر تک صبر سے بیٹھی رہی۔ کچھ سوچنے لگی۔ غالباً یہ سوچ رہی تھی کہ ساتھ کون کون سے کپڑے لے جائے۔

اننت نے کہا: "تارا۔"

"کیا؟"

"آگے کیا کرنا ہے۔"

"چلنا ہے۔"

"چلنا تو ٹھیک ہے۔ آگے؟"

"آگے کی بات آگے۔"

ماتھے پر تیوریاں چڑھا کر انت سوچ میں ڈوب گیا۔

"میں محنت کر کے لاؤں گی۔ اگر کھانے کے لیے نہ ملا تو کنویں یا ندی میں کود کر مر جائیں گے۔"

"ہوں۔ اوں۔"

"اٹھو چلیں۔"

انت نے آگے بات نہ کی۔ وہ پتھر کی طرح بیٹھ گیا۔ اس سے بھی کچھ کہتے نہ بنا۔ کچھ وقت اور گزر گیا۔ چاروں طرف خاموشی چھا گئی۔ تارکا انت کی طرف دیکھ رہی تھی چھپکلی بول پڑی۔ تارکا لگاتار دیکھ رہی تھی۔ پیٹرومیکس جل رہا تھا۔ آخر میں تارکا ہی بولی: "کیوں انت پہلے کی سب باتیں بھول گئے، تمھارے لیے ہی میں اب تک جی رہی ہوں۔ تمھیں اب چلنا ہی چاہیے" اس طرح وہ ضد کرنے لگی۔ اس ضد کا سبب یہ تھا کہ وہ سوچتی تھی کہ اس پر اس کا اختیار ہے۔ اس کی اپنی تمنا کے مطابق یہ اختیار تھا بھی۔ حالانکہ یہ اختیار اسے کسی نے دیا نہیں تھا' وہ قسمت سے ہی اسے ملا تھا اگرچہ یہ بات اُسے خود معلوم نہ تھی۔ اس کے دل کی بے قرار حالت ہی ان جانے میں انتہائی گہرا اختیار جما بیٹھی تھی اور اس سے وہ بے خبر تھی۔ اس کے لیے انت نے ہی موقعہ دیا تھا۔ اس اختیار کا اتنا صاف علم نہ ہونے پر بھی اسے فضول برباد ہوتا دیکھ کر اس کا دل شدّت سے محسوس کرنے لگا۔

17

اس دن رات کے لگ بھگ گیارہ بجے وہ لوگ تارکا کو دوسری طرف لے گئے۔ چار ودھواؤں نے اُسے غسل کرایا۔ سفید دھوتی پہنا کر پوجا گھر میں لے گئیں۔ اس سے پہلے ہی اپنّا وہاں آ کر بیٹھ گیا تھا۔ اپنّا کی عمر چالیس کے لگ بھگ تھی۔ رنگ کالا تھا۔ پان کھانے سے ہونٹ خوب لال تھے۔ بڑھی ہوئی کھچڑی کی طرح مونچھیں تھیں۔ قد چھوٹا اور بدن ذرا موٹا تھا۔ دھوتی

پہنے، ایک بڑا سا شال اوڑھے بھگوان کی مورتی کے سامنے چوکی پر مشرق کی طرف منھ کر کے اکڑ کر بیٹھا تھا۔ تارکا کو لے جاکر اس کے پاس بٹھا دیا گیا۔

آگے سب ٹھیک ٹھاک ہی چلا۔

دوسرے دن صبح کھانے کے بعد تارکا کے جسم کو چار پانچ گہنے زینت دینے لگے۔ اسی دن اپنا خوشی سے دوڑ دوڑ کر کام کر رہا تھا۔ دل میں حوصلہ تھا۔ تارکا کو اب اسی کے گھر کو اپنا گھر سمجھ کر گھر کے اندر ہی کام کرنا تھا۔ اس کی سہیلی، سمتی اسے دیکھنے کے لیے لڑکے کو گود میں لے کر اندر آئی۔ ہنستے ہوئے اس نے کہا: "ہمیں تو اپنے بوجھ سے نجات ملی۔"

وہاں اور کوئی نہ تھا۔ تارکا کچھ رک کر بولی: "سولی پر چڑھا کر آپ لوگ الگ ہو گئے۔ کہنے والے ہزار ہیں لیکن سولی پر چڑھنے کے لیے کوئی نہیں۔"

"ایسے کیوں کہتی ہو؟"

"کہنا کیا ہے! کیا تمھیں سب معلوم نہیں ہے؟"

سمتی کو معلوم تھا کہ تارا اننت سے پیار کرتی ہے۔ اسی لیے وہ بات بدل کر بولی: "اننت آج کھانے کے بعد چلا جائے گا۔"

تارکا حیرانی میں اس کا ہاتھ پکڑ کر بولی: "کیوں؟ کیا اس پاپی گھر میں ایک دن اور ٹھہر کر نہیں جا سکتا؟"

سمتی کا گلا بھر آیا۔ "اسے ٹھہرانے کی کیوں سوچ رہی ہے؟"

"سوکھا ہوا پھول بھگوان پر چڑھانے کے قابل نہیں رہتا......" اس سے آگے کوئی لفظ اس کے منھ سے نہیں نکلے۔ آنکھیں جھک گئیں۔ ہاتھ پر آنسو کی دو بوندیں گریں۔

اتنے میں امّوا، تارا کی نئی ساس، "کیا کر رہی ہے" کہتے ہوئے اندر آئی۔

دونوں آنسو پونچھ کر "کچھ بھی نہیں" کہتی باہر آئیں۔

دوپہر کا کھانا ہوتے ہی اننت چل پڑا۔ پھوپھا اور ٹوا نے کہا: "کل ساتھ ہی چلیں گے۔ اب آئے ہو تو گھر ہو کر جانا۔" وہ رکا نہیں۔ جاتے وقت سب سے وداع لی۔ تارکا دروازے کے پیچھے کھڑی تھی۔ اس سے بھی وداع لینی پڑی۔ تب اسے اتنا دکھ ہوا جیسے ہزار بچھوؤں نے ایک ساتھ ڈنک مارا ہو۔ آواز کانپ اٹھی۔ اسے لگا جیسے بھاری ظلم ہو گیا ہو۔ دھیرے سے وہاں سے نکلا۔ دل کہہ رہا تھا کہ بھاگ کر ان لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل ہو جائے۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ اس کے جانے کے بعد ایک عورت بولی: "پتہ نہیں کیوں، لڑکا کل سے کچھ ڈھیلا ہی تھا،

کھایا پیا بھی نہیں کچھ۔"

تمی کا دل کہہ رہا تھا: "عجیب آدمی ہے!"

اننت کڑچی اسٹیشن سے تیرداں جانے کی شاہراہ پر پہنچا۔ تھوڑی دیر بس کا انتظار کیا۔ بعد میں کڑچی کے ڈاک بنگلے کی طرف چل پڑا۔

ایک فرلانگ کے بعد دوسرا فرلانگ، ایک میل کے بعد دوسرا ــــــ اس طرح وہ چلتا ہی رہا۔ پیچھے سے ایک بس آئی۔ اُسے روک کر اس میں بیٹھنے کا اسے دھیان نہیں تھا۔ خیالات کی آندھی میں چلتا ہی رہا۔ سورج غروب ہوا۔ اندھیرا ہو گیا۔ اسے کسی کا دھیان نہیں تھا۔ کسی طرح رات کے دس بجے کڑچی اسٹیشن پر پہنچا اور وہاں جا کر ایک بنچ پر بیٹھ گیا۔

اننت کو انتہائی دکھ محسوس ہو رہا تھا۔ اسے کوئی جسمانی تکلیف تو نہیں تھی لیکن اس کے دل میں وہ درد تھا جو بیان سے باہر تھا۔ اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے اس نے اپنے ہی ہاتھوں اپنا سُکھ کھو دیا۔ اس کی حالت ایسی تھی جیسے کوئی شخص کسی نایاب چیز کی آرزو میں بیٹھا ہو اور اس چیز کے مل جانے کی صورت پیدا ہو جانے پر وہ یہ سمجھنے لگے کہ اب تو یہ میری ہو ہی گئی ہے لیکن وہ چیز اسی وقت اس کے سامنے اس سے چھین لی گئی ہو۔ کسی چیز کے چھن جانے کے بعد ہی اس کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔ اس رات اننت کو اس بات کا احساس ہونے لگا۔ اپنی چیز دوسرے کے ہاتھ میں جاتے دیکھ کر اسے بچا لینے کی کوشش کیوں نہ کی؟ اس کا جواب اب اننت کو نہیں مل رہا تھا۔ اب اس کی روح کا ایک حصہ اس سے الگ ہو گیا۔ وہ پھر واپس نہیں آئے گا۔ آج مکمل صورت میں چلا گیا۔ پُرانی باتوں کو اب یاد کرتے رہنا محض بے وقوفی ہے۔

اس طرح اننت خیالوں کے سمندر میں ڈوبا ہوا تھا کہ مشرق سے اُجالا ہونے لگا۔ تب اسے معلوم ہوا کہ اُسے گھر جانا ہے، وہ ابھی کڑچی کے اسٹیشن پر ہی ہے۔ اٹھ کر اپنا پور کا راستہ پکڑا۔ پاگلوں کی طرح قدم بڑھاتا چل پڑا۔ رات بھر جاگنے کے سبب آنکھیں لال ہو گئی تھیں۔ سارے کپڑے میلے ہو گئے تھے۔ کسی طرح چلتا بیٹھتا شام ہوتے ہوتے گھر پہنچا۔

تب سندر بائی اندر کے کمرے میں کام کر رہی تھی۔ باہر پاؤں کی آہٹ سن کر اس نے پوچھا: "کون؟"

اننت بولنے کی حالت میں نہ تھا۔ وہ کچھ بولا نہیں۔ سندر با جھٹ سے اٹھ کر باہر آئی اور اسے دیکھ کر حیرانی سے پوچھا: "کیوں اننت، کدھر سے آئے؟" اننت بولا: "ہاروگیری سے آیا ہوں۔"

"آپ لوگ کب چلے؟ منھ اترا ہوا ہے۔ تم چنڈور ہو کر نہیں آئے؟"

"میں پرسوں چل پڑا تھا۔ وہ لوگ ابھی وہیں تھے۔"

اس نے حیران ہو کر پوچھا: "پرسوں چلے تو آج سارا دن کہاں تھے؟"

"کرچی اسٹیشن پر تھا۔"

"پتہ نہیں بھائی، تم تو جہاں چاہے، گھومتے رہتے ہو۔ کوئی چیز پیچھے پڑ جائے تو؟" تھوڑی دیر چپ رہ کر پھر اس نے پوچھا: "سارا کام ٹھیک ہو گیا؟"

اننت جہاں کھڑا تھا وہیں بیٹھ گیا۔ سندر با گھبرائی سی پاس آ کر بولی: "کیوں اننت طبیعت ٹھیک نہیں؟" پھر اس کی دھوتی کو چھو کر بولی: "ارے ساری دھوتی بھیگ گئی ہے؟ ندی پار کرتے وقت دھوتی اٹھا کر نہیں چلے کیا۔ ویسے ہی ٹھنڈا پانی تمھیں راس نہیں آتا۔"

اننت کو دھوتی کا بھیگ جانا اب معلوم ہوا۔ وہ بولا: "ہاں، ساری دھوتی بھیگ گئی ہے۔"

اتنے میں شام کا کھانا کھانے کے لیے اس کا باپ گھر آیا۔ اننت کو دیکھ کر "سارا کام ٹھیک ٹھاک ہو گیا؟ تارا کا خاوند تمھیں کیسے لگا؟ تم کب آئے؟" اس نے قمیص اتارتے ہوئے پوچھا۔ اننت نے کوئی جواب نہیں دیا۔ رامپا نے پوچھا: "اننت کھانا کیوں نہیں کھا رہا؟"

"کہیں ہوٹل میں کھا کے آیا ہو گا۔" یہ کہہ کر سندر با نے خاوند کو کھانے کے لیے بلایا۔

رامپا بولا: "تم وہاں گئے تھے، چار دن ٹھہر جاتے تو کیا ہو جاتا؟ بیس سال کے ہو گئے۔ اب ہم تمھیں کیا کہیں!"

سندر با سوچتے ہوئے خاوند کو بتانے کے لیے بولی: "شادی کے بعد لیتا آئے گا میں نے یہی سمجھ کر گلے کا ہار دیا تھا۔"

کھانا بیچ میں ہی روک کر رام نے پوچھا: "کیسے؟"

"تارا کے گلے میں کچھ بھی نہیں تھا، بھائی ملپا نے کہا تھا، کل دیکھنے آئیں گے، چار دن کے لیے دے دو۔ تب تارا کے جانے وقت میں نے دے دیا تھا۔" وہ ذرا ڈرتے ہوئے بولی۔

"گاؤں کی لڑکی ہے۔ پتہ نہیں کہاں ڈال دے گی، توڑ مروڑ کر رکھ دیں گے چار دن میں ہی۔ اب پتہ نہیں کب لوٹائیں گے؟ اب تو وہ اپنے سسرال میں رہی گی۔ ایک ایک چیز بناتے جان چلی جاتی ہے۔" رامپا غصے سے بولا۔

"شادی کے دوسرے دن، شادی پر آنے والوں کے ہاتھ بھجوا دوں گا، ایسا ایک ذمہ دار آدمی نے کہا تھا میں کیسے منع کر سکتی تھی۔"

"یہ ادھر چلا آیا۔ اب وہ کس کے ہاتھ بھیجیں گے؟"

سندر با بولی: "شادی کے بعد اگر رتنو یاد سے اسے ساتھ لے جائے گی تو چار ایک دن میں ملیا کے ہاتھ بھجوا دے گی۔ وہ بھول گئی تو پھر جلدی مل نہیں سکتا۔"

"جاتے وقت کیا تھیں لڑکے کو یاد نہیں دلانا چاہیئے تھا؟ پہلی بات تو یہ ہے کہ تھیں عقل نہیں ہے۔ اب لڑکے کے نام مڑھتی ہے۔"

سندر با بیچ میں بولی" ارے اسے جاتے وقت میں نے یاد دلایا تھا۔ کام کاج میں اسے یاد نہ رہا ہوگا۔ اسے ہی یاد کر کے لانا چاہیئے تھا؛ بڈھا ہوگیا۔ اسے اتنی سمجھ تو ہونی چاہیئے؟"

"بس چپ ہی رہو۔ جو ہونا تھا سو ہو ہی گیا۔ اب اسے کہنے سے فائدہ؛ لڑکا برا نہ مانے۔" راماپا نے بات وہیں ختم کر دی۔

بات اس سے دس گنا زیادہ بھی ہوتی تو اننت برا ماننے کی حالت میں نہیں تھا۔ اس نے آگے پڑھائی میں من لگانے کی کوشش کی۔ اس میں بھی مایوسی ہوئی۔ آخر میں اسے امتحان میں بیٹھنے کی اجازت نہ ملی۔ اس نے سکول جانا چھوڑ دیا۔ راماپا نے ایک بار پھر محنت کر کے امتحان دینے کے لیے کہا۔ اننت یہ کہہ کر چپ ہوگیا۔ "گرمیوں کی چھٹیوں کے بعد دوں گا۔" گرمی کی چھٹیاں ختم ہوگئیں۔ دیوالی کی چھٹیاں بھی آگئیں لیکن اننت سکول نہیں گیا۔ پڑھائی شروع نہیں کی۔ اگر اس کا دل کرتا تو وہ دو تین گھنٹے دوکان پر جا بیٹھتا۔ نہیں تو کھیت کی طرف چلا جاتا۔ اس سے بھی اگر اوب جاتا تو وہ دوستوں کے گھر جا کر تاش یا چوپڑ کھیلنے میں اپنا وقت کاٹتا۔ اس بار رام نومی کے دن سات آٹھ دوستوں نے مل کر چوپڑ کھیلنے کا پروگرام رکھا تھا۔ یہ پروگرام آگے بھی چلنے لگا۔ ایک دن رات کے بارہ بجے تک چوپڑ کھیل کر وہ گھر آ کر لیٹا ہوا تھا۔ صبح سردی کے موسم کی ٹھنڈی ہوا سے نیند کھل جانے پر بھی بستر میں ہی کروٹیں لے رہا تھا۔ تب بھی اسے نیند آ رہی تھی۔ سر پر سستی سوار تھی اس لیے پھر چادر تان کر سونے کی کوشش کر رہا تھا۔ اتنے میں اس کا بھائی نابھی راج دوڑتا ہوا آیا اور خوشی سے اس کے کان میں کہا: "تیری دال والی بھابھی مہینے سے ہوگئی۔"

اننت نے تیوری چڑھا کر اسے یہ کہتے ہوئے پرے دھکیل دیا "ہٹ پرے، بکواس کرنے آیا ہے۔"

پاس ہی باہر کھڑی سندر با بول پڑی: "کیوں رے اس طرح غصہ دکھاتا ہے؛ تیری بیوی مہینے سے ہوئی۔ مٹھائی کھلانے کے بدلے اس طرح غصہ دکھا رہا ہے۔"

اس پر اننت کچھ نہ بولا۔ جماہی لیتے ہوئے انگڑائی لے کر اندر منھ دھونے گیا۔ سندر با بولی:

"جا بیٹا نابھو، دوکان سے انھیں بُلا لا۔ کہنا تیر دال سے پنڈت جی مٹھائی لے کر آئے ہیں۔" پھر آئے ہوئے پنڈت کی طرف مڑ کر پوچھا: "کب ہوئی؟ مہورت اچھا تھا، پنڈت جی؟"

"کل صبح ہوئی۔ مہورت اچھا تھا۔ صبح اٹھ کر دونوں بہنیں جنگل گئی تھیں لوٹے لے کر۔ وہیں ہوئی لگتی ہے۔ وہیں سے آکر اندر الگ کھڑی ہو گئی۔ تب سب گھر والوں کو معلوم ہو گیا۔"

"ابھی بچی ہی تو ہے۔ پتہ نہیں پلا بھی ڈھنگ کا تھا کہ نہیں۔"

"پہلے والی ساڑھی ہی تھی۔ وہ ہری ساڑھی تھی۔ سب ٹھیک ہی تھا بہن۔ سب کو بہت خوشی ہوئی۔" یہ کہتے ہوئے پنڈت منھ میں بھرے پان کو تھوک کر آیا۔

"وہ بٹھلائیں گے یا نہیں؟"

"بٹھائیں گے۔ شادی تو آپ لوگوں نے ایک ہی رات میں کر ڈالی۔ تیر دال کے اس پنڈت کو چھوڑ کر کہیں ایسا ہو سکتا ہے؟ ناگ اپا کو کس بات کی کمی ہے؟ بیٹھائے گا ہی۔"

اتنے میں رامپا دوکان سے آگیا۔ دروازے سے ہی پوچھا: "کب آئے پنڈت جی؟"

"ابھی صبح کی موٹر سے آیا۔" پھر رسوئی کی طرف گھوم کر بولا: "ناگپا نے آتے ہوئے ان کو ساتھ لے جانے کے لیے کہا ہے۔ کچھ صلاح مشورہ کرنا ہوگا۔"

رامپا نے بیوی سے پوچھا: "پنڈت جی کو کچھ چائے وغیرہ پلائی؟ چائے بناؤ نا!"

"اس کی کیا ضرورت ہے؟ میں ابھی ابھی اسٹیشن پر پی کر آیا ہوں۔"

"پی کر آئے ہو تو کیا ہوا؟ ایک بار اور سہی۔ حجت نہ کیجیے۔ ہمارے یہاں چائے ہمیشہ تیار رہتی ہے۔"

سُندربا نے جلدی ہی دو کپ چائے لاکر دونوں کو دی۔

پنڈت جی چائے کا پیالہ ہاتھ میں لیتے ہوئے بولے: "ہم حجت کریں تو ہو چکی بھائی۔ روز کسی نہ کسی کے گھر میں کھانا رہتا ہے۔ حجت کریں تو روز بھوکا رہنا پڑے۔ ضرورت پڑے تو خود مانگ کر کھا لیتے ہیں۔"

"ہاں، اس میں کیا بات ہے۔ ہمارے گھر میں تو صبح سے شام تک چولہے پر چائے کا پانی ابلتا ہی رہتا ہے، ان کے لیے، بچوں کے لیے، میرے لیے اور آپ جیسے آنے جانے والوں کے لیے۔"

سندربا نے پنڈت جی کی بات کاٹتے ہوئے اپنے گھر کی بڑائی کرتے ہوئے کہا۔

رامپا نے چائے پیتے ہوئے پوچھا: "انت اٹھ گیا کیا؟" اس پر انت باہر آیا تو وہ اس سے بولا: "جاؤ بیٹا دوکان پر، وہاں بچہ اکیلا ہے۔ میں بھی پیچھے پیچھے ہی آرہا ہوں!"

انت دوکان پر گیا۔ رامپا نے سب باتیں پوچھیں: "بہو کب مہینے سے ہوئی؟ مہورت کیسا ہے؟"

وغیرہ وغیرہ۔ پنڈت جی نے پھر ساری باتیں کھول کر بتائیں۔ آخر میں پیالہ نیچے رکھتے ہوئے پوچھا؛ "اس کا بیٹھانے کا خیال ہے یا نہیں؟"

"وہ سب آپ کے وہاں آنے پر سوچ وچار کر طے ہوگا۔"

"میرا آنا کیا، بٹھا دینا چاہیئے۔ اس میں کیا دقت ہے؟"

اسی طرح بات چیت کر کے رامپا پنڈت کو ساتھ لے کر دوکان پر گیا۔ اننت واپس گھر آیا اور روز کی طرح نہا دھو کر دوستوں سے ملنے نکل پڑا۔ اتنے میں اس کا ایک دوست سامنے سے آتا دکھائی دیا۔ اس کے ہاتھ میں کچھ تھا۔ اس نے اُسے پیٹھ کے پیچھے چھپا رکھا تھا۔ "تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟" اننت یہ پوچھنے کو ہی تھا کہ اس نے تیزی سے آگے آکر اس پر رنگ ڈال دیا، اور ہنسنے لگا۔

اننت اپنی ٹوپی اُتار کر جھاڑتے ہوئے بولا، "یہ تم نے کیا کیا؟"

"یہ کیا کیا؟ تم نے پیڑے کھلائے؟"

"تم سب لوگوں کو پیڑے چاہئیں لیکن . . . . . ." بات یہیں تک روک کر اننت نے اپنی زبان کاٹ لی۔

اننت کے دل کی بات سمجھے بغیر وہ دوست زور سے ہنستا ہوا بولا: "ہمیں پیڑے ملیں گے اور تمہارے گھر بیوی آئے گی۔"

"بڑی آئی بیوی!"

دوست نے طنز سے کہا: "سبھی ایسے ہی کہتے ہیں"

"یہاں اور بات ہے!"

"وہ سب چار دن میں پتہ لگ جائے گا۔ کل بیوی کو آنے دے، گھر سے باہر بھی نکلا تو میرا نام نہیں۔ اب تو ہماری چوکڑی کی محفل ٹوٹی سمجھو۔"

"وہ سب تمہیں بعد میں معلوم ہو جائے گا۔" اننت نے یاس آمیز لہجے میں جواب دیا۔ پھر بھی اس کا دوست خوشی سے ہی ہاتھ پکڑ کر بولا: "بس بس رہنے بھی دو۔ اب چلو، ابھی سے ہی گھر میں مت بیٹھو۔"

"یہ رنگ والے کپڑے تو بدل آؤں۔"

"کاہے کو؟ لوگوں کو بھی ذرا پتہ تو چلے۔ کیا دوسرے کپڑے بھی خراب کرانے ہیں؟"

دونوں دوست ساتھ ساتھ چل پڑے۔ وہیں دروازے پر سندر با آئی اور بیٹے پر رنگ ڈالے جانے کو خوشی کی کھلی آنکھوں سے دیکھتی ہوئی بولی: "اننت، کھانا کھانے کو ذرا جلدی آجانا۔

پنڈت جی کی خاطر تواضع کرنی ہوگی۔ وہ بھی شاید پنڈت جی کے ساتھ تیر دال جائیں۔ تمھارے نہ ہونے سے غصہ کریں گے۔ وہیں بیٹھ نہ جانا۔ جلدی آنا۔"

18

ادھر تارا؟

اب تارکا کے سسرال والوں کا خاندانی نام 'اکی واٹے تھا'۔ اکی واٹے اپنا کی شادی کے لیے گاؤں آئے تھے۔ شادی پر آئے دوست اور مہمان کے جانے کے بعد وہ لوگ پھر باغ والے مکان میں چلے گئے۔ بیٹی کے ساتھ چار دن رہ کر واپس جاتے کے خیال سے رتنوا بھی ہاروگیری میں ہی ٹھہر گئی تھی۔ رتنوا نے بیٹی کا گھر بڑے پیارے سنوارا۔ بیٹی کو دو چار نصیحتیں دیں۔ اموا سے بھی بہو کو دھیان سے رکھنے کی گزارش کی۔ پہلے والی ساس کی تھوڑی بہت نکتہ چینی بھی کی۔ داماد کو بھی دو باتیں کہہ کر اپنے گاؤں چلی گئی۔

ایک دن اموا نے بہو کو اپنے پاس بٹھا کر کہا: "بیٹی، تو ہی اس گھر کی مالکن ہے۔ تجھے ہی سب کچھ سنبھالنا ہوگا۔ گھر میں جو بھی اناج وغیرہ آئے گا اسے صاف ستھرا کر کے رکھنا ہوگا۔ میری تو آنکھیں کام نہیں کرتیں۔ تیرے ہاتھ سے ہی گھر بنے گا۔ لیکن میرے لڑکے کو عورتوں کا دوسرے مردوں سے بات کرنا پسند نہیں۔ بس اور کچھ نہیں۔ کھانے پینے، پہننے اوڑھنے، کسی بات کی بھی اس گھر میں کمی نہیں۔"

تارکا نے اس پر کچھ نہیں کہا۔ ساس کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھا۔ ساس آگے بولی: "اسی سے پہلے والی بہو کا ستیاناس ہوا۔ اس لیے میرا بیٹا اتنے دن گھر والی کے بغیر رہا۔ اگر وہ ڈھنگ سے رہتی تو اب تک میں چار پانچ پوتے، پوتیوں کا منھ دیکھ لیتی۔" پہلے روکھی سی لگنے والی آواز ہمدردانہ ہوگئی۔ تارکا کو بھی ساس کی باتوں میں دلچسپی پیدا ہوئی۔ بعد میں وہ ساس کے اور بھی پاس ہو کر بیٹھ گئی۔ اس نے انکسار آمیز لہجے میں پوچھا: "کیا بات ہوئی تھی، اماں جی! انھیں گزرے کتنے برس ہو گئے؟" ساس اب کھلے بندوں کہنے لگی: "وہ کہاں مری ہے۔ مرجاتی تو چین تو آجاتا۔

تب میرا بیٹا دوسری کر لیتا۔ اسی پر مانی گاؤں کی لڑکی ہے۔ اچھی لڑکی، سمجھ دار، چار پانچ سال ڈھونڈنے کے بعد اسے بیاہ کر لائے تھے۔ تب ہم لوگ گاؤں میں ہی تھے۔ ان دنوں وہ کمینہ ستیہ میرے بیٹے کے پاس بہت آتا جاتا تھا۔ میں بھی یہ سوچ کر کہ میرے بیٹے کا اور کوئی سگا نہیں ہے اور ایسے لوگوں کا ساتھ ملنے سے بیٹے کو ایک سہارا ہوگا، اُسے خوب کھلاتی پلاتی تھی۔ پتہ نہیں اُس نے اِسے پھنسایا یا اِس نے اُسے، بھگوان ہی جانے۔ شام کا وقت ہے بنا اپنی آنکھوں سے دیکھے کیسے کہوں؛ ایک دن ایک بات ہو گئی۔ میرا بیٹا باغ سے گھر آ رہا تھا۔ باغ جاتے جاتے یہ ستیہ کے گھر کے اندر کلیوے کی ٹوکری لے کر جا بیٹھی۔ یہ پتہ لگتے ہی یہ آگ بگولہ ہو کر گھر آیا۔ اسے جان سے مار ڈالوں گا، کہہ کر کلہاڑی لے کر چل پڑا۔ پوچھنے پر کچھ بھی بتا نہ رہا تھا۔ چار چھ آدمی سمجھاتے سمجھاتے ہار گئے۔ اسی دن ہم اُسے اُس کے میکے چھوڑ آئے۔ تب سے ہم اِدھر، وہ اُدھر۔ ایک سال بعد اس کے ماں باپ آکر میرے ہاتھ پیر جوڑ کر دہیج کا سامان واپس لے گئے۔ لڑکا دینے سے منع کر رہا تھا۔ لیکن لوگوں نے سمجھا بجھا کر دلا دیا۔ عورت کا سامان کیا رکھنا! اب کہیں "کرُدواہ" میں کسی کے ساتھ رہ رہی ہے۔"

تارا نے پوچھا: "بال بچے ہوئے تھے کیا؟"

"اس کے بچے کہاں سے ہوتے۔ مہینے سے ہو کر سال بھر میں ہی یہ سب کرتوتیں کر ڈالیں۔ اسے بعد میں دوسری کرنے کہا تو تیار نہیں ہوا۔ بڑا ضدی ہے۔ سر پھرا ہے۔ میرا بیٹا ہے۔ اس سبب سے میں اس کی کوئی بات چھپاتی نہیں۔ دوسری کی بات کہنے پر غصّے سے بھر جاتا۔ میرے ساس سسُر کے نیک کاموں کی وجہ سے تم مل گئیں۔ بھائی بند بھی تو ہیں لیکن سبھی جلنے والے ہیں۔ ان لوگوں کے اپنے آپ آگے بڑھ کر کرنے کی بات تو دُور، جہاں ہم کرنے جاتے، وہاں جا کر ان لوگوں کے کان بھر آتے۔ پتہ نہیں کیسے اس بار وہ تم لوگوں تک پہنچ نہیں پائے۔ ہاں۔ اس کے لیے وقت ہی نہیں ملا۔ چار دن میں ہی بات پکی ہوئی اور شادی بھی ہو گئی۔"

تارکا کے لیے یہ موضوع نیا تھا۔ نئے گھر میں آنے کے بعد لڑکیوں کو بہت سی نئی باتوں کا پتہ چلتا ہے۔ کئی بار نہ سمجھنے سے ان کے دل میں بہت سی غلط فہمیاں رہتی ہیں اور غلط قدم اٹھا جاتی ہیں۔ کئی قسم کی غلط فہمیوں کا شکار بن کر ہی بہت سی لڑکیوں کا پھول سا جیون برباد ہو جاتا ہے۔ گھر میں نئی بہو آنے پر بڑوں کو چاہیے کہ وہ گھر کے ریتی رواج اور لوگوں کے مزاج کا تعارف کرا دیں۔ ایسا کرنے کا رواج گاؤں میں نہیں ہے۔ اس لیے لڑکیوں کو اپنے آپ پانچ چھ سال باریک بینی سے معائنہ کرنا پڑتا ہے اور ساس کے منھ کی طرف دیکھنا ہوتا ہے۔

تارکا ان باتوں میں اپنی ہم عمر لڑکیوں سے کچھ زیادہ ہی سمجھ دار تھی۔ غالباً اس کا سبب اس کا تمبوا کے ہاتھوں میں رہنا ہو۔ پھر بھی اس نئے خاوند کے بارے میں اسے کچھ اور جاننے کی تمنّا ہوئی۔ اس لیے اس نے آگے پوچھا: "ہاں آپ کو تو آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتا، گھر میں پکاتا کون تھا؟"

"ویسے ہی اندازے سے میں کچھ بنا لیتی ہوں۔ کوئی بھی اڑوسی پڑوسی دو روٹی بنا دیتے تھے۔ کبھی کبھی وہ کچھ بنا لیتا۔ لیکن وہ یہاں باغ میں رہتا کہاں تھا!"

تارکا نے بیچ میں ہی سوال کیا۔ "باغ میں نہیں رہتے تھے تو کہاں رہتے تھے؟"

"رات دن گاؤں میں ہی بھٹکتا تھا۔ گھر کی طرف اس کا دھیان ہی کہاں تھا؛ کبھی کبھار کھانے کے لیے باغ میں آتا نہیں تو چار چار دن غایب رہتا تھا۔ میں راستہ دیکھتے دیکھتے مری جاتی تھی۔"

تارکا کو لگا ساس کچھ چھپا رہی ہے۔ تالاب کا پانی صاف نظر آنے پر، نیچے گندگی ہے یا نہیں، یہ جاننے کے لیے ایک پتھر پھینک کر دیکھنے کی خواہش سے تارکا نے پوچھا: "ان کا کھانا؟"

"اُسے کھانا دینے والوں کی کیا کمی ہے؟" یہ کہہ کر اموا نے بات وہیں روک دی اور زبان کاٹ لی۔ شاید اندھیرے میں تارکا وہ دیکھ نہ پائی۔

نئی شادی کے بعد اپنا نے باغ کے کام کی طرف دھیان دینا شروع کیا۔ وہ سدا نوکروں کے ساتھ کام میں لگا رہتا۔ گاؤں کی طرف جاتا ہی نہ تھا۔ ایک آدمی کو کام سے ہٹا دیا اور اس کا کام خود کرنے لگا۔ گھر کے لیے ضروری سامان گاؤں جانے والے نوکروں چاکروں سے منگوا لیتا۔ کچھ دنوں سے اس نے چائے چھوڑ دی تھی مگر کیونکہ تارکا چائے پیتی تھی اس لیے چائے اور چینی منگوا کر گھر میں رکھ دی تھی۔ اب دونوں وقت کھانا کھانے کے لیے ٹھیک وقت پر آجاتا۔ بیچ بیچ میں کام چھوڑ کر گھر آتا بیوی سے ہنسی مذاق کر کے کام پر چلا جاتا۔ خاوند کے لیے تارکا بھی ہنستی اور گپیں مارتی۔ کبھی کبھی اپنا اپنی ماں سے کہتا: "اب تم چولہے کے پاس مت جایا کرو۔ وہاں جا کر چیزیں ادھر اُدھر گرا لیتی ہو۔ بس تم یہیں دیکھا کرو کہ وہ کیسے گھر سنبھالتی ہے۔"

"ہاں بھیا، تو نے نیک کام کیے تھے۔ اتنے دن انتظار کے بعد اچھی بہو ملی۔ میں اب کیوں جاؤں چولہے کے سامنے۔ وہ جو تین بار کھانے کو دے دیتی ہے، کھا کر آرام سے رہتی ہوں۔"

گھر میں دو نوکر تھے۔ بارہوں مہینے باغ میں کام رہتا ہی تھا اس لیے کام کرنے والوں کی ضرورت بنی ہی رہتی تھی۔ اس وجہ سے تارکا کو پانچ چھ آدمیوں کا کھانا بنانا ہی پڑتا۔ اس سے پہلے نوکر اپنے اپنے گھروں میں کھانا کھاتے تھے اس سبب سے انھیں مزدوری زیادہ دینی پڑتی تھی۔ اتنا ہی نہیں۔

وہ کھانا کھانے گھر جاتے تو کام رک جاتا۔ ان سب جھنجھٹوں سے بچنے کے لیے اپنّا نے نوکروں کو گھر پر کھانا کھانے کے لیے کہہ دیا۔ ان سب کا کھانا، گھر میں گائے بھینس کی دیکھ بھال ــــ ان سب کاموں میں تارّکا کو وقت کا پتہ نہ چلتا۔ یہاں آنے کے بعد تارّکا نے بھینس کا دودھ دوہنا سیکھ لیا تھا۔ سات آٹھ دن وہاں رہنے کے بعد تارّکا سمجھ گئی کہ بھائی بندوں کو اس کا خاوند زیادہ پسند نہیں کرتا۔ اس لیے ان لوگوں سے بہت کم بات کرتی لیکن جب بھی بات کرتی تو ہمدردی اور پیار سے کرتی تھی۔ پہلے نوکر چاکر گھر میں بے روک ٹوک آتے تھے لیکن اب کھانا کھانے آنگن میں ہی بیٹھتے۔ صرف اپنّا اندر بیٹھتا۔ شروع میں اپنّا نے کہا تھا:" باہر کیوں بیٹھتے ہو، اندر کیوں نہیں آتے ؟"

تب نوکروں نے آپس میں ایک دوسرے کا منھ دیکھ کر منھ ہی منھ میں ہنستے ہوئے کہا تھا: "اندر کیوں بھیا، یہیں ٹھیک ہے۔"

تب ان کی ہنسی کو بھانپ کر وہیں بیٹھی اموّا نے پوچھا: "کیوں ہنس رہے ہو؟"

ہنستے ہوئے ہی ایک نے کہا، "نہیں تو، آپ کو کہاں سے نظر آگیا کہ ہم ہنس رہے ہیں ؟"

ساس کی آنکھوں سے نہیں نظر آتا۔ یہ سوچ کر بہو اور کچھ کرنے لگے تو یہ کہہ کر نوکر نے وہیں اپنی بات روک لی۔ وہ سب اس ڈھنگ سے بات کرتے تاکہ کھانا لگانے والی یہ سب باتیں سمجھ نہ سکے۔ لیکن تارا سب سمجھتے ہوئے بھی انجان بن کر ہنستے ہوئے سب کو کھانا لگا دیتی۔ اس کی ہنسی قدرتی ہی معلوم ہوتی تھی۔

تارّکا، اپنّا اور نوکروں کا کھانا الگ نہ پکاتی۔ سب کو ایک ہی طرح کے پکوان ملتے۔ ان لوگوں کا کھانا کچھ دن دیکھنے کے بعد اپنّا نے سوچا کہ اسے شاید نوکروں کا کھانا پکانا نہیں آتا۔ اس لیے بیوی کو اشارے سے کہا:" ان کا کھانا الگ ہونا چاہیے۔ ہمارا کھانا ہی انھیں دیا جائے تو کام کیسے چلے گا؟ موٹا کھانا اور میٹھا انھیں دو۔ محنت کر کے آتے ہیں۔ چاول سے پیٹ کیسے بھرے گا؟" لیکن وہ پہلے جیسا ہی کھانا پکاتی رہی۔ یہ بات نہ تھی کہ الگ کھانا پکانے میں اسے کوئی دقت تھی بلکہ اس کا خیال تھا کہ مرنے پر کون ساتھ باندھ کر لے جائے گا؛ نوکروں کو الگ اور گھر والوں کو الگ اس طرح کا فرق کر کے پاپ کیوں کمایا جائے۔ سب کو ایک ہی نظر سے دیکھنا چاہیے۔ جب تک رہیں لوگوں کے منھ سے اچھا نام سنیں اور اسے لے کر دنیا سے جائیں۔ اس لیے اس نے خاوند کی باتوں پر کان نہ دھرا۔ اپنّا بھی گھر کے لیے سب ضروری چیزیں منگا دیتا۔ وہ دوسری بیوی کا من دکھانا نہیں چاہتا تھا۔

ایک دن صبح وہ اندر کھانا پکا رہی تھی۔ نوکر بدھا ڈھیکلی چلا رہا تھا۔ اتنے میں پانچ چھ برس کی ایک بچّی آکر اندر کے کمرے میں جانے لگی۔ اس بچّی کے پاؤں کی آہٹ پاکر تارکا مڑ کر دیکھنے کو ہی تھی کہ کسی کو اس بچی سے یہ کہتے ہوئے سنا: "اندر تمھارا باپ نہیں ہے ری!"

آنے والی بچّی نے وہیں رک کر پوچھا: "ہاں، کہاں گیا؟" آواز پیاری سی تھی۔

"کہیں اوپر والے کھیت میں ہوگا۔ کیوں آئی؟ تمھاری ماں بھی آئی ہے کیا؟"

اتنے میں کنوئیں پر ڈھیکلی چلاتا ہوا بدھا بولا: "اس کی ماں یہاں اب کیوں آنے لگی۔ یہ چھوٹی کس کے ساتھ آئی ہے؟"

"کسی کے ساتھ آگئی ہوگی۔"

"لڑکی کو ایسے بھیجا جاتا ہے؟" کہتے ہوئے اندر آئی تارکا کی چچیا ساس نے مذاق کے لہجے میں کہا: "تارا دیکھو تو، تمھاری بیٹی آئی ہے۔"

تارکا کی سمجھ میں نہ آیا کہ یہ ابھی تک اس سے چھپی ہوئی بات ہے یا چچیا ساس کا سیدھا سادہ مخول ہے۔ باہر کی بات چیت کو سن کر اس نے حیرانی سے پوچھا: "کس کی بیٹی؟"

"تمھاری ہی بیٹی، معلوم ہوتا ہے تمھیں ابھی یہ معلوم نہیں ہے۔" تارکا کچھ دیر تک چپ رہی۔ جب سے وہ خاوند کے گھر آئی تھی تب سے خاوند کے بارے میں اور گھر کے بارے میں کوئی نہ کوئی نئی بات روز معلوم ہوتی ہی رہتی تھی۔ اس لیے وہ کسی بھی بات پر گھبرائے بغیر خوشی کے ساتھ جو بھی آتا اس کا سواگت کرتی۔ اس کے پاس اور کوئی چارہ بھی تو نہ تھا۔

"اچھا ہے۔ بیٹی ہے تو کیا اوپر گر ے گی۔" اس نے چچیا ساس سے کہا۔

چچیا ساس نے سمجھا کہ بچّی کے بارے میں نہ جاننے کے سبب سے وہ اس طرح کہہ رہی ہے۔ اس لیے وہ بولی: "ہم نے سپنے میں بھی نہیں سوچا تھا کہ اُگو دوسری کرے گا۔ لڑکا ہاتھ سے گیا سمجھ کر ماں بھی امید چھوڑ بیٹھی تھی۔"

تارا نے پوچھا "کیوں؟"

یہ سوال ہی تو وہ سننا چاہتی تھی۔ وہ آگے بولی "گاؤں میں ایک رکھیل رکھی ہوئی ہے۔ اس کا نام سونا ہے۔ اُس ستیاناسی کی وجہ سے لڑکے کا بیڑا غرق ہوگیا۔ گاؤں میں چار آدمیوں سے دشمنی ہوگئی۔ اپنا گھر بھی بگڑا۔ اس کے خرچ اٹھانے کے چکر میں اپنے آپ بھی خراب ہوگیا۔ جو بھی کمائی ہوئی سب ڈاکٹروں کی جیب میں گئی۔ پہلے کبھی دوسری شادی کی بات پر کان نہیں دھرا مگر اب پتہ نہیں کیسے عقل آگئی۔ تمھیں دیکھتے ہی شادی کے لیے راضی ہوگیا۔ اب تو شاید

وہاں نہیں جاتا ہے نا؟"

تارکا دھیمے لہجے میں بولی: "پتہ نہیں، جو جو قسمت میں لکھا ہے، وہ ہو کر رہتا ہے۔ کوئی اور ہے تو شوق سے رہے۔"

یہ بات سن کر تارا کی چچیا ساس حیران رہ گئی۔ وہ تو یہ سوچ کر زہر گھول رہی تھی کہ کسی طرح گھر ٹوٹ جائے لیکن تارا کی بات سن کر اس کے سب منصوبے مسمار ہو گئے۔ اس لیے کچھ طنزیہ انداز میں بولی: "اب تو یہ کہنا ہی پڑے گا۔ ہاتھ سے گرے کھانے کو صاف کر کے کھانا ہی پڑتا ہے۔ اب تک تو باغ میں سونا کا ہی دربار تھا۔ اس کلموہی نے تو ہم لوگوں کو بھی دُور رکھ دیا تھا۔ کیا شان تھی اُس کی! اب منھ چھپا کر بیٹھی ہے کہیں۔"

"منھ چھپانے کی کیا ضرورت ہے؟ آتے جاتے رہنا چاہیئے اسے۔"

"کیا کہہ رہی ہو؟ ارے کیا پگلی ہو گئی ہو؟ تم سے شادی کرنے سے یہ گھر چل نکلا۔ اب یہ اس کے گھر کیوں جانے لگا۔ اس کا اس گھر میں کیا کام؟ چپکے سے ہمارے لڑکے کو پھسلا کر ایک ہل کی زمین اپنے نام کرا لینا چاہتی تھی۔"

"جب یہ اسے چاہتے ہیں تو اس کے لیے اتنا بھی کرنا نہیں چاہیئے کیا؟ اس کو بھی کوئی سہارا چاہیئے یا نہیں؟ ان مردوں کا بھروسہ کیا ہے؟ کیا وہ اب شادی کر سکتی ہے؟ سات آٹھ سال اس نے ان کے ساتھ کاٹے ہیں۔"

تارکا کی اس بات کی طرف اس کی چچیا ساس کا دھیان نہ تھا۔ وہ آگے کہنے لگی: "ہاں وہ سب ہاتھ سے چلا گیا سمجھ کر ہی ایسا کرنے لگی ہے۔ کل اس نے کسی کے ہاتھ بلوا بھیجا تھا لیکن اپو گیا نہیں۔ تمھارے ساتھ شادی کرنے کے بعد اس نے اُدھر جھانکا بھی نہیں۔ تمھیں دیکھ کر لوٹنے کے بعد ایک بار دونوں میں لڑائی ہو گئی۔ اپو نے کہہ دیا، تم سے زیادہ خوبصورت عورت لا سکتا ہوں۔ تب سے اس نے اُس کا منھ بھی نہیں دیکھا۔"

اتنے میں دور سے اموا آتی دکھائی دی تو یہ کھسکنے لگی۔ اس پر نوکر سیدھا بولا: "کہاں ہماری مالکن کا روپ اور کہاں اُس کا! وہ تو ان کا پاسنگ بھی نہیں۔"

"وہ بھی بڑی سُندر تھی کبھی۔ تمھارے مالک کے پاس رہتے اُسے کس بات کی کمی تھی۔ اب وہ ویسی نہیں رہی۔ عمر بھی ڈھلنے لگی۔ کچھ وقت پہلے پُونا کی طرف بھی گئی تھی۔ اُدھر کے کئی لوگوں کو خراب کر کے اِدھر آئی۔ یہاں کے لوگوں کا بھی ستیاناس کیا۔ پتہ نہیں یہ چوکری غلطی سے کیسے پیدا ہو گئی۔"

"توکاکی کیا تمھارا خیال ہے کہ اس کے بچے ہو سکتے تھے؟" سدھا نے یہ ظاہر کرتے ہوئے جیسا کہ اسے سب معلوم ہے، اس کے آگے نہ بولنے کے اشارے کو وہ سمجھ نہ پایا۔"اب ہمارے مالک کے بھی بچے کیسے ہوں گے؟" اس نے دھیمے لہجے میں اپنی بات کہہ ہی ڈالی۔ امّوا کا ہاتھ پکڑ کر آتی ہوئی بچّی کو دیکھ کر اس نے بات کا موضوع بدلنے کے مقصد سے پوچھا:" وہ چھوٹی کہاں گئی؟"

سامنے دیکھ کر سدھا نے کہا: "اپنی دادی کا ہاتھ پکڑے چلی آ رہی ہے۔"

تارکّا کو سب باتیں معلوم ہو گئیں۔ دل میں چاہے اس نے سب مردوں کی ذات کی بُرائی کی ہو لیکن ظاہراً اس نے کچھ نہ کہا۔ پہلے جیسی ہی رہی۔ ایک دن اس کا باپ ملیّا اسے لینے کے لیے آیا۔ داماد سے پوچھا: "کیا اسے چار دن کے لیے لے جاؤں؟" اپنّا تارا کے سامنے ہی اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا: "اسی سے پوچھ لیجیے۔ جائے تو لے جائیے۔" خاوند کے مدعا کو سمجھ کر تارکّا بولی: "بابو! گھر میں کھانا بنانا پڑتا ہے، اماں جی کو ٹھیک طرح دکھائی نہیں دیتا۔ اس کے علاوہ دو تین نوکر بھی یہیں کھانا کھاتے ہیں۔"

مل ہنس پڑا اور دل میں سوچا: "معلوم ہوتا ہے، بیٹی کو اب گرہستی اچھی لگنے لگی ہے۔" پھر جا کر بیوی سے بولا: "اب وہ کہاں آئے گی؟ اب اسے گرہستی کا لطف آنے لگا ہے۔ گھر میں گائے بھینس ہے۔ دودھ دہی کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ نوکر چاکر ہیں۔ بیٹی اب کیسے آ سکتی ہے؟"

رتنوا بیٹی کے نہ آنے کی بات پر دُکھی ہونے کی بجائے اس کے سُکھی گرہستی کی بات سن کر بہت خوشی سے بولی۔" نہ آئے تو کوئی بات نہیں۔ ہم ہی کچھ نہ کچھ کھانے پینے کا سامان لے کر اسے مل آئیں گے۔"

کچھ دن کے بعد چمپا جو تارکّا کی بیٹی لگتی تھی، باغ میں آئی۔ تارکّا نے اسے بلا کر لڈّو کھانے کو دیے جو چند روز سے اس کا باپ لایا تھا۔ لیکن اس بچّی نے وہ لڈّو نہیں کھائے۔ یونہی ہاتھ میں لئے کھڑی رہی۔ تارکّا نے دو بار کہا لیکن اس نے نہ کھائے۔ تارا کے زیادہ تاکید کرنے پر، بے بس ہو کر بولی: "گھر لے جاؤں گی۔"

تارا بولی، "گھر لے جانے کے لیے اور دیتی ہوں۔ یہ تو کھا لے۔" لیکن بچی نے تب بھی نہ کھائے۔ پاس ہی بیٹھی امّوا بولی: "اس کی ماں نے منع کیا ہوگا۔ اس لیے چھوٹی نہیں کھاتی ہوگی۔" پھر چمپا کو اپنے پاس بلا کر پوچھا: "کیا تمھاری ماں نے ہمارے گھر میں کچھ کھانے سے منع کیا ہے؟" لڑکی نے سر ہلا کر 'نہ' کہی۔

تارا نے آگے بڑھ کر پوچھا: "تو پھر کھاتی کیوں نہیں؟" لڑکی چپ کھڑی رہی۔ تارا نے کچھ سوچ کر اور رک کر پوچھا، "کیا میرا دیا کھانے کو منع کیا ہے؟"

"ہو" کہہ کر چمپا نے سر ہلایا۔ تارکا ذرا دکھی ہوئی۔ آنکھوں میں آنسو آگئے۔

اس کے دل میں بار بار یہ بات آنے لگی کہ اتنی سی بچی کو زہر دیکر اس جنم میں کیسے اس پاپ سے نجات پاؤں گی؟ یہی خیالات تین چار دن تک اس کے دل میں چکر لگاتے رہے۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اس عورت کے من سے کیسے ان خیالات کو نکالے؟ وہ بچی کو تو ممتا کی نظر سے ہی دیکھتی تھی۔

اب اپنا باغ میں خوب محنت کرتا۔ دن بھر خوب کام کرنے کے سبب جلدی ہی لیٹ جاتا۔ اس کے کھانا ختم کرنے تک تارکا بستر تیار کر دیتی۔ اس سے پہلے ساس کے لیے آنگن میں کھاٹ پر بستر تیار کر دیتی۔ امتو اسورج غروب ہونے تک شام کا کھا کر وہاں لیٹ جاتی۔ تارکا گھر کا کام ختم کر کے خاوند کے برابر میں جا لیٹتی۔ یہی اس کا روز کا کام تھا۔ جس دن بہت تھک جاتی اس دن خاوند کو نہ جگاتی۔ کبھی کبھی وہ جاگتا رہتا تو وہ اس سے پیار کی باتیں کرتے ہوئے پاؤں دبانے کو کہتا۔ پتہ نہیں کیوں اسے تارکا سے اپنائیت کے ساتھ باتیں کرتے سے جھجک ہوتی۔ کبھی کبھی پاؤں دباتے ہوئے تارکا کے لیے اپنے دل کے پیار کو اس طرح ظاہر کرتا: "چھ آٹھ برس انتظار کرنے کا پھل اچھا ہی نکلا۔"

تارکا پاؤں دباتے ہوئے کہتی: "اچھا ہی ہوا نا!"

تو وہ کہتا: "جب تک تم نہیں آئی تھیں، اس باغ میں مجھے ایک گھنٹہ ایک سال کے برابر لگتا تھا۔"

تارکا خاوند کے چال چلن کو یاد کر کے من ہی من نفرت محسوس کرتی لیکن اس کے ہونٹوں پر مسکان بنی رہتی۔ ایک دن اس مسکان کو دیکھ کر وہ بولا: "وہ چمپا بچی ہے، کتنی خوبصورت ہے؟ دیکھنے پر بڑا پیار آتا ہے۔ لڑکی بڑی ہوشیار ہے۔ ماں کے منع کرنے پر بھی وہ یہاں بھاگ آتی ہے۔" وہ آگے کچھ کہنے کو تھا کہ ہچکچا کر چپ رہ گیا۔

اس ہچکچاہٹ کو بھانپ کر تارکا بولی: "مجھے پتہ ہے وہ آپ کی بچی ہے۔"

"ہاں، پتہ لگے بغیر کیسے رہ سکتا ہے؟ آج نہیں تو کل پتہ چلنا ہی تھا۔ گھڑے کا منھ بند کیا جا سکتا ہے لیکن کہیں لوگوں کا بھی منھ بند کیا جا سکتا ہے؟" ذرا رک کر پھر بولا: "سونیا بہت سندر ہے۔ یہ لڑکی بھی ویسی ہی ہے۔"

تارکا نے اور قریب کھسک کر، خاوند کے سانپ کی طرح کالے ہاتھوں کو سہلاتے ہوئے اوپری دل سے کہا: "کیوں اب کیا ہو گیا؟ اسے بھی آتی جاتی رہنے دیجیے۔ اسے یہاں آنے کو کہلا بھیجیے۔"

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ کیا تم ایسا سوچتی ہو؟ کیا تمھیں اچھا لگے گا؟" اس نے التجا بھرے لہجے میں پوچھا۔

"اچھا کیوں نہ لگے گا؟ جو آپ کو اچھی لگتی ہے کیا وہ مجھے اچھی نہ لگے گی؟"

"تو کل بلائیں گے؟ سنا ہے کل سدھا کے سامنے رو رہی تھی۔"

"صبح اٹھتے ہی سدھا کو بھیجیے یا پھر آپ ہی جا کر لے آئیے" تب اپنا نے تارکا کو پاس کھینچ کر زور سے کس لیا۔ پیار سے سر سہلاتے ہوئے بولا: "تم جیسی بڑے دل والی عورت میں نے کہیں نہیں دیکھی۔ ایسی عورت بڑے نصیبوں سے ملتی ہے۔" اتنا کہہ کر وہ تارکا کو چھوڑ کر پرے کھسک گیا۔ نہ جانے اس کے دل میں کیا کیا خیال آ رہے تھے۔ پھر پاس آ کر بولا: "وہ تم جیسی اچھی عورت نہیں۔" تب اس کی آنکھیں کچھ لال ہو گئیں، ہونٹ پھڑکنے لگے۔ وہ دل ہی دل میں بدبدانے لگا— "جب میں نے اس سے شادی کرنے کی بات کی تو اس نے کیسا جھگڑا کیا۔ اگر اس کی بات مان لیتا تو کیا یہ مجھے ملتی—" کہہ کر تارکا کو زور سے کس لیا۔ اسی طرح جکڑے ہوئے ہی سوچتا رہا— "تمھارے گھر کا ناس ہو" کہنے والی کو گھر لے آؤں؟ لیکن یہ مجھ سے کتنا پیار کرتی ہے۔ کیا یہ آگے بھی ایسے ہی پیار کرتی رہے گی— سوچتے سوچتے تارکا کے کان کے پاس منھ لے گیا۔ تب تک تارکا اونگھنے لگی تھی اس لیے وہ چپ رہی۔ اس نے سوچا: "اب میں اسے نہیں لاؤں گا۔"

اتنے میں نیند کھل جانے پر تارکا بولی: "آپ نے اتنے دنوں شادی کیوں نہیں کی؟"

"ہاں، میں شادی کرنا نہیں چاہتا تھا۔ عورتیں اعتبار کے لائق نہیں ہوتیں۔ تم سے پہلے والی کو میں نے کتنے پیار سے رکھا تھا۔ بدن پر دس تولے سونے کے گہنے بنوا کر ڈالے تھے۔ باہر کی دھوپ بھی لگنے نہ دی۔ کچھ بھی کہو، عورتیں اعتبار کے قابل نہیں ہوتیں۔"

خاوند کی اس بات کو سن کر تارکا کچھ ایسی ہنسی ہنس دی جیسے ساری مردذات کا مذاق اڑا رہی ہو۔ "سبھی ایسی ہی ہوتی ہیں کیا؟" اس کے یہ الفاظ جلے ہوئے دل کے بہت ہی نازک گوشے سے نکلے تھے۔

"میں نے یہ تو نہیں کہا کہ تم بھی ایسی ہی ہو۔" پریم سے کہتے ہوئے اٹھ کر بیٹھ گیا اور میاں بیوی کے دوسرے تعلقات کو بھول کر سہلاتے ہوئے اسے چوم لیا۔ تب شاید اس نے اپنی

محبت کو پوری طرح ظاہر کیا۔ بعد میں بولا: "میں تو اسے نہیں لاؤں گا۔"

"کیوں؟ اسے کیوں نہیں لائیں گے؟ ہم دونوں ساتھ رہیں گی۔" تارکا بولی۔ دوسرے دن صبح تارا نے سونا کو بلانے کی یاد بھی دلائی۔ اپنّا تارا کے چہرے کی طرف ایک بار دھیان سے دیکھ کر اپنے کام پر چلا گیا۔ کچھ بولا نہیں۔ کچھ دیر بعد گاؤں سے چمپا آئی۔ اس لڑکی سے تارا نے کہا: "تم اپنی ماں کو ایک دن باغ میں بلا لاؤ۔" وہ لڑکی حیران نظروں سے تارا کی طرف دیکھنے لگی۔ اسے پتہ تھا کہ اس کی ماں باغ میں نہیں آئے گی، اس لیے اس نے کہا: "میں اسے بلا نہیں سکتی۔"

تارکا اس کے بدن کو سہلاتے ہوئے بولی: "ایسے نہیں کہنا چاہیئے۔ تمھارے باپو بلاتے ہیں، کہہ کر اپنی ماں کو بلا لاؤ۔ تمھیں نئی فراک بنوا کر دوں گی۔"

چمپا نے پیار سے پوچھا: "مجھے نئی فراک بنوا دوگی؟ باپو تو میلے کے موقعہ پر بنوا کر دینے کو کہہ رہے ہیں۔"

"ہاں، کل سلوا کر منگا دوں گی سِدھا کے ہاتھ۔ تم اپنی ماں کو بلا لاؤ۔" دوسرے دن تارکا کا دل سونا سے ملاقات کرنے کو بڑا بے قرار تھا لیکن وہ نہ آئی۔ کوئی پانچ چھ دن بعد اپنّا کے کہلا بھیجنے پر بھی وہ نہ آئی۔ صرف یہی نہیں، جو بلانے گیا تھا اس کے ہاتھ اس نے کہلا بھیجا: "وہ کیسا آدمی ہے؟ اب میں کیوں جاؤں؟ آج مجھے بلانے والا پانچ چھ مہینے سے کہاں تھا؟ منھ تک نہیں دکھایا۔ اگر وہ نہیں آئے گا تو کیا پیدا کرنے والا بھگوان روٹی نہیں دے گا۔ ہم گھاس کھا کر رہیں گے۔ بھگوان کہیں نہ کہیں کنارے لگا ہی دے گا۔ میں کتے کی طرح آ کر کیا اس کے سائے میں پڑی رہوں؟" یہ سب اس کی دل جلانے والی باتیں تھیں۔

یہ سن کر اپنّا نے کہا: "آتی ہے تو آئے نہیں تو نہ سہی۔ ہماری چھوکری آتی جاتی ہے، کافی ہے۔"

اگلے ہفتے، تیر دال جانے والے کسی جان پہچان والے کے ہاتھوں تارا نے دو ساڑھیاں اور فراک کا کپڑا منگوایا۔ سِدھا کے ہاتھ اسے سونا کے یہاں بھجوایا۔ سِدھا کپڑے جیسے لے گیا ویسے واپس لا کر بولا: "سونا نے کہا ہے، ہمیں اس کی کیا ضرورت ہے؟ کسی جوگن کو دینے کے لیے کہہ دو اسے۔" یہ بات تارا کو تلوار کے زخم کی طرح لگی۔ لیکن اوپر سے بولی: "وہ ساڑی لے گی کیسے؟ وہ صرف کھانے اور پہننے کے لیے ساتھ رہی تھی کیا؟ مرد بڑے کٹھور ہوتے ہیں۔" اس نے یہ سوچا وہ بھی خود اس کے برابر ہی ہے۔ وہ اپنے آپ بڑبڑانے لگی۔ اس کے منھ سے انجانے میں ہی ایک گرم سانس نکلی جس نے سارے ماحول کو گرم کر دیا۔

اسی دن دوپہر کو باغ میں چمپا کے آنے پر تارا نے اس سے پوچھا: "تم نے اپنے فراک

کا کپڑا کیوں لوٹا دیا؟"

"کہاں ہے میری فراک کا کپڑا؟ تم جھوٹ بول رہی ہو۔" بڑے مزے سے بچّی نے منھ بنا کر پوچھا۔

تارا بولی، "صبح گھر بھجوایا تھا۔ لیکن تمھاری ماں نے لوٹا دیا۔" لڑکی کچھ دیر تک چپ رہی۔ وہ اپنے کو بھول کر بولی: "ہاں تو اسی لیے مجھ پر غصّے ہو رہی تھی۔"

"کیوں؟ غصّہ کیوں کر رہی تھی؟ گھر میں کیا کہہ رہی تھی؟ میرے بارے میں کچھ کہہ رہی تھی کیا؟" اپنی دلچسپی کو چھپاتے ہوئے تارا نے پوچھا۔

"نہیں اس نے تمھارے بارے میں کچھ نہیں کہا۔ باپو کو کہے جا رہی تھی۔"

اتنے میں اپنا آ گیا۔ اس نے پوچھا: "کیوں ری، تیری ماں نے ساڑھی لوٹا دی۔ تجھے بھی اِدھر آنے سے منع کرتی ہے کیا؟ اس کی بات مان کر وہیں کیوں نہیں رہتی؟"

"یہ کیوں رکے گی یہاں آنے سے۔ وہ تو چھوڑ سکتی ہے، یہ کیسے چھوڑ دے گی؟" بیٹے کے سوال کا بڑھیا امّو نے جواب دیا۔

"وہ بھی کہاں چھوڑ سکتی ہے؟ چار دن کو ایسے کرے گی ہی۔ انھیں کیوں اتنی ضد کرنی چاہیے؟ ایک بار اس کے گھر ہو کر آنا نہیں چاہیے کیا؟" ذرا ہنسی کے لہجے میں تارا نے کہا۔

تارا کے منھ سے بڑھیا نے پہلی بار ہی ایسی بات سنی اس لیے اسے کچھ تعجب ہوا۔ وہ بیٹے سے بولی: "کیسی مضبوط دل والی عورت ہے یہ؟"

اپنا کچھ نہ بولا۔ وہاں سے چلا گیا۔

"اس میں مضبوط دل کی کیا بات ہے؟ قسمت میں جو لکھا ہوتا ہے اسے بھوگنا ہی پڑتا ہے۔ اس میں دخل ڈالنے سے فائدہ؟" ناامیدی کے ساتھ کہیں اور دیکھتے ہوئے تارا بولی۔

"اب چار دن سکھ سے رہ۔ اسے چھوڑ کر اِدھر اُدھر کی بات کیوں سوچتی ہے؟" اتنا کہہ کر امّو نے پوچھا۔

"چمپی کہاں گئی؟"

"وہ کہاں ہے، اس کے پیچھے پیچھے پان کے باغیچے میں چلی گئی؟"

امّو آگے بولی، مرد باہر منھ مارنے لگے تو کیسے کام چلے گا۔ اس کو اپنے پاؤں پر ہی کھڑے رہنے دو۔ راہ چلتے شنی کو گھر بلانا ٹھیک نہیں۔ اس کو جتنا دُور رکھو گی اتنا ہی تمھارا خاوند تمھارے ساتھ پریم سے رہے گا۔ بال بچّے ہوں گے، تم آرام سے رہو گی۔" شاید امّو

کچھ اور بھی کہتی لیکن تارا بیچ میں بولی: ”سکھ بھگوان سے مانگ کر لانا بھی تو چاہیئے۔ ہر کوئی مانگنے لگے تو بھلا وہ ملتا ہے کیا؟“

کچھ دن بعد اپنا پورے تارا کا ماما رامپیا مٹھائی لے کر آیا۔ اپنا کہیں اور کام پر گیا تھا۔ تارا باغ میں تھی۔ ماما کے آتے ہی خوش ہو کر اس نے ہاتھ پاؤں دھونے کو پانی دیا اور بیٹھنے کے لیے دری بچھائی۔ رامپیا بیٹھ گیا۔ بعد میں تارا نے پوچھا: ”ایک بار گھر دیکھ گئے۔ پھر ایک سال بعد آپ کو میری یاد آئی؟ بیچ میں کبھی ایک بار بھی شکل نہیں دکھائی۔ ایک بار رشتہ کر دینے کے بعد آپ نے سوچ لیا اب ذمہ داری ختم ہو گئی۔“ تارا نے اسے طعنہ دیتے ہوئے کہا۔ وہ امید کرتی تھی کہ اپنا پورے ایک بار ماما جی ضرور آئیں گے۔ اس کی یہ امید کبھی پوری نہ ہوئی۔ اس لیے وہ غصّے سے یہ کہہ رہی تھی۔

”ایسی کوئی بات نہیں۔ آنا تو چاہتا تھا لیکن گھر چھوڑنا پڑتا ہے نا۔ دوکان میرے بغیر نہیں چلتی، کیا کریں۔“ اس نے اپنی صفائی پیش کی۔

”ایک دن کے لیے اننت کو دوکان پر بٹھا کر آپ آ نہیں سکتے تھے؟ یوں کہیے ماما جی! آپ بہانہ کر رہے ہیں۔“ اپنائیت بھرے غصّے سے وہ منھ بناتے ہوئے بولی۔ اننت کا نام لیتے ہوئے اس کے دل میں نہ جانے کیسا لگنے لگا۔

”ہونہہ۔ اب اسے بٹھاؤں دوکان پر۔“ کہتے ہوئے ایک گرم سانس چھوڑ کر بولا: ”بٹیا، اننت ڈھنگ کا آدمی نہیں بنا۔ بُرے لڑکوں کی صحبت میں پڑ گیا ہے۔ دوکان اس کے بھروسے پر چھوڑی نہیں جا سکتی۔ کیا کروں؟ اتنا بڑا ہو گیا، جہاں جی چاہے رہ پڑتا ہے۔ پڑھائی بھی پوری نہیں کی۔ گھر میں نہ کوئی کام نہ دھندا۔ نہ اپنی سمجھ ہے اور نہ دوسروں کی سنتا ہے۔ ہمارا نصیب ہی ایسا ہے۔“

دکھی دل سے تارا نے پوچھا: ”طبیعت ٹھیک رہتی ہے؟“

”طبیعت خراب ہونے کو اسے کیا ہوا ہے؟ پہلے کی طرح دونوں وقت کھاتا ہے کبھی کبھار دل میں آئے تو گھر کی نگرانی بھی کرتا ہے اور کھیت کی بھی، نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ پتہ نہیں بیچ میں دو دن کے لیے کہاں چلا گیا تھا۔ تیسرے دن اپنے آپ ہی آ گیا۔ کہاں گئے تھے؟ پوچھنے پر جواب ہی نہیں۔ بیٹھا تو دو دو گھنٹے ایک کونے میں بیٹھا رہے گا۔ پتہ نہیں چلتا کہ غصّے میں ہے یا اس کی عادت ہی ایسی ہو گئی ہے۔“

کچھ سوچتے ہوئے تارا نے پوچھا: ”ایسا کیوں؟“

"کیا ہو گیا ہے، بھگوان ہی جانے۔ ایسا لگتا نہیں کہ لڑکا ڈھنگ سے زندگی گذارے گا اسی لیے ہم نے پیٹ پر پٹی باندھی لیکن اسے سکول بھیجا۔"

"ہمیں تو کچھ پتہ نہیں دیا؟"

"اس بارے میں کیا پتہ دیتے؟ کیا کوئی درد ہے، بیمار پڑا ہے، بستر پر پڑا ہے، کیا پتہ دیں؟ کچھ بھی تو نہیں، جیسا کا تیسا ہے۔ کبھی کبھی کہنے پہ آئے تو کیسی کیسی علم کی باتیں کرتا ہے۔ کبھی کبھی جان بوجھ کر پوچھیں تو کہہ دیتا ہے "کچھ بھی نہیں" اب آگے دیکھتے ہیں، بیوی گھر آ جانے پر کچھ راستے پر آتا ہے کہ نہیں۔" یہ کہتے ہوئے رامپا نے سر سے پگڑی اتار کر گھٹنے پر رکھ لی۔

"اندرا ابھی بڑی ہو گئی ہو گی؟" تارا نے پوچھا۔ تب اسے لگا جیسے کوئی اس کی روح کو ہی کھینچ رہا ہے۔ وہ ایک دم دھپ سے بیٹھ گئی۔ رامپا نے سمجھا کہ وہ دیر سے کھڑی تھی، اب بیٹھ کر بات کرے گی۔ تارگا کو اننت کی ایسی حالت سن کر من میں کچھ اطمینان سا ہوا لیکن ساتھ ہی اسے دکھ بھی ہوا۔ اس نے اپنے دل میں ہی سوچا: "میں جانتی ہوں، ایسا کیوں ہوا؟"

وہ پوٹلی سے مٹھائی نکال کر تارا کو دیتے ہوئے بولا: "پرسوں ہی مہینے کو ہوئی۔ اس لیے میں تم لوگوں کو مٹھائی دینے آیا ہوں۔"

مٹھائی کی پوٹلی کو ہاتھ میں لیتے ہوئے تارا الاہنا دیتے ہوئے بولی: "تو یہ بات ہے۔ تبھی آپ آئے ہیں۔" پھر کچھ ظاہری ہنسی ہنس کر اس نے پوچھا: "لڑکی کہاں ہے؟"

"وہیں تیردال میں ہی ہے۔ بیٹھانے کا فیصلہ ہوا ہے۔ کل ہی تیردال ہو کر بات کر آیا ہوں۔ لوٹتے ہوئے یہیں اترنے کی سوچی تھی لیکن پھر سوچا پہلے رتنا سے مل کر یہاں آؤں۔ تو وہاں چلا گیا۔" اس طرح اس نے چندور جانے کا سبب بتایا۔ بیوی کا دیا گلے کا ہار کہاں ہے۔ اسے بھی بہن سے پوچھ لینا تھا کیونکہ ایک دم نئی سسرال میں تارگا سے پوچھنا ٹھیک نہ تھا۔

تارگا نے ذرا تسلی سے پوچھا: "ماں اور بابو کیسے ہیں؟ اندرا کی گود بھرنے کون آ رہا ہے؟"

"سب راضی خوشی ہیں۔ کل رتنا اپنا پور آئے گی۔ کہہ رہی تھی، گود بھرنے کی رسم کے بعد تمہارے گھر ایک دن رہ کر واپس جائے گی۔ تم میں سے کون آئے گا؟" کہتے ہوئے رامپا نے کوٹ اتار کر کھونٹی پر ٹانگ دیا۔

"دیکھیے۔ اُن سے پوچھے بغیر میں کیا کہہ سکتی ہوں؟"

"آپا صاحب کہاں گئے ہیں؟"

"آج سوموار ہے، ہل کا کام نہیں، اوپر کا بھی کوئی خاص کام نہ تھا۔ کھیت پر گئے ہیں۔"

"اب کب تک آئیں گے؟ مجھے شام تک گھر لوٹ جانا ہے۔ گھر میں بہت سے کام پڑے ہیں۔"
تارا کا بولی: "پہلی بار تو آئے ہیں آپ۔ آج ایک دن تو رکیے وہ بھی شام تک آجائیں گے۔ ملاقات بھی ہو جائے گی۔"
"نہیں بھئی ٹھہر نہیں پاؤں گا۔"
امّوا، دھیرے سے اٹھ کر اندر آئی اور بولی: "ایک دن تو ٹھہر جانا بھائی تم جا کیسے سکو گے؟ آتے ہی جانے کی بات کرنے لگے۔ ہم بھی تمھارے گھر آئیں تو ایسا کر سکتے ہیں کیا؟ یہ کوئی پرایا گھر ہے؟ آپ کی سگی بھانجی کا گھر ہے۔ بھانجی اور بیٹی میں کیا فرق ہے؟"
"ایسی کوئی بات نہیں، ٹھہرنے میں کوئی ہرج نہیں۔ گھر میں اڑچن ہے اس لیے جانا ہے۔ آپ بھی چلیے نا، بہو کی گود بھرنے۔ بیل گاڑیاں یہاں سے ہو کر جائیں گی۔ آپ بھی ان میں آجائیے۔"
"اب بڑھیا ہو گئی۔ آنا جانا مشکل ہے۔ آنکھوں سے ٹھیک دکھائی نہیں دیتا۔ اگر ہو سکا تو یہ میاں بیوی چلے جائیں گے۔ رسم کہاں ہو گی، کب ہو گی؟"
"شکروار کو گود بھری جائے گی۔ میکے میں ہی مہینے سے ہوئی ہے۔ اس لیے وہ تیر دال میں ہی بٹھائیں گے۔"
"شکروار کو اب دن ہی کتنے ہیں؟ سر پر آپہنچے ہیں نا!"
"اسی لیے تو جلدی جانا چاہتا ہوں۔ اپّا صاحب سے ملاقات نہیں ہو سکے گی؟"
"اس سے ملاقات کیسے ہو سکے گی۔ اب تو وہ رات کے ایک دو بجے سے پہلے آنے سے رہا۔ تم تو پاؤں میں گھنگرو باندھ کر آئے ہو۔" پھر تارا کی طرف مڑ کر بولی: "جلدی کھانا بناؤ۔ بیٹی، تھوڑی سویّاں بنا لینا۔ چاول چڑھا دو۔ کھانا کھا کر جائیں گے تمھارے ماما جی۔ دہی میں جامن ڈالا تھا کیا؟ دودھ ہے؟"
"ابھی نہیں۔ دودھ ہے۔ ابھی کھانا چڑھاتی ہوں۔" کہہ کر تارا کا چولہے کے پاس چلی گئی۔
امّوا اٹھ کر باہر آتے ہوئے بولی: "مجھے کہنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ سب اپنے آپ سنبھال لیتی ہے۔ اب تو اس لیے کہنا پڑا کہ ابھی تک چپ بیٹھی تھی۔" اتنا راما سے کہہ کر پھر پلٹ کر دھیرے سے تارا سے بولی: "تارا، پاس کے گھر والوں کو بھی راما مٹھائی دے آئے؟ ویسے وہ آنے جانے والے لوگ نہیں۔ لیکن بعد میں کہیں کہ ہمیں اس نے بلایا تک نہیں؟ یہاں تک آنے کے بعد دے ہی دینا چاہیے۔"
"ہاں، ذرا چائے بنا دوں، پی کر دے آئیں گے۔"

راماپا چائے پینے کے بعد برابر والے گھر گیا اور مٹھائی دے کر بہو کی گود بھرنے کا بلاوا دے آیا۔ ان کے چائے دینے پر 'نہیں، نہیں' کرتے بھی پینی پڑی۔ کچھ دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد ایک بار پھر سے آنے کی تاکید کر کے تارکا کے گھر آیا۔ تارکا اور ان کے گھر کے بیچ صرف ایک دیوار تھی۔ اس کے علاوہ امّوا ذرا اُن کے گھر کی طرف کو کھسک کر کان لگائے آنگن میں بیٹھی تھی۔ اس لیے انھوں نے راماپا کے ساتھ بات نہیں بڑھائی۔ راماپا وہاں سے آکر جلدی جلدی کھانا کھانے بیٹھا۔ کھانا کھاتے کھاتے اس نے اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے ہوئے بھانجی سے ہار کی بات چھیڑی تو تارا بولی: "ہاں سال بھر سے یہیں پڑا ہے۔ اس بیچ آپ بھی نہیں آئے اور ماں بھی نہیں آئی۔ اس لیے وہ یہیں پڑا رہا۔"

تب راماپا نے کہا: "یہاں پڑا ہے تو کیا ہو گیا؛ وہاں بھی کون پہنتا ہے اسے؟ کل کارج ہے۔ دکھاوے کی بات ہے۔" کھانا کھانے کے بعد ہار مانگ کر اس نے جیب میں رکھ لیا۔ پھر پان کھا کر جانے کو تیار ہوا۔

تارکا ماما کو چھوڑنے کنوئیں تک آئی۔ راماپا مڑ کر امّوا سے بولا: "اب چلتا ہوں۔ آپ لوگ ضرور آئیے۔ گاڑیاں باغ کے پاس والے راستے سے جائیں گی۔"

"اچھا گاڑیاں ادھر سے جائیں گی تو ذرا جلدی آنا۔ یہاں کھانا کھا کر دھوپ ڈھلنے پر چلے جانا۔ کن (ایک جگہ کا نام) کے راستے کے مقابلے میں یہ راستا چھوٹا ہے۔"

"ہاں، اسی لیے اس راستے سے جائیں گے۔ سب لوگوں کے اکٹھے ہو کر چلنے میں دیر ہو ہی جاتی ہے۔ آپ لوگ تیار رہنا۔ اپّا صاحب کو بھی کہہ دیجیے گا۔" پھر کچھ رُک کر کچھ سوچ کر بولا: "یہاں کے لیے بھی ایک گاڑی بھیجنا چاہتا تھا لیکن فصل کے دن ہیں۔ ادھر چندور کے لیے بھی ایک گاڑی چاہیے ہی۔ میں اکیلا، سب طرف مجھے ہی دھیان دینا پڑتا ہے۔"

امّوا اسے ٹوکتے ہوئے بولی: "الگ گاڑی کاہے کو، یہاں سے تو گذرنا ہی ہے۔"

"سب تارکا کو سمجھا دیا ہے۔ سوموار دوپہر کو تیار رہنا۔ اپّا صاحب کو بھی میری طرف سے کہہ دینا۔" یہ کہہ کر وہ چل دیا۔

شام کو خاوند کے لوٹنے پر تارا نے ماما کے آنے کی بات بتائی تو وہ بولا "میرے آنے تک انھیں روکا کیوں نہیں؟"

"وہ رکے نہیں، گھر میں بہت کام ہیں کہہ کر چلے گئے۔"

"گھر میں کارج تھا۔ بھانجی کو دعوت دیے بغیر کیسے چلتا اس لیے آئے ہوں گے۔ اب جانے

کو کون تیار بیٹھا ہے ؟" اپنا ذرا مذاق سے بولا لیکن آواز کڑوی تھی۔

آواز ذرا اونچی ہونے سے اموا کو سنائی دی۔ اس لیے وہ بولی: "نہیں رے، بڑی تاکید سے کہہ کر گیا ہے۔" تارا کا نے ذرا مان سے روٹھتے ہوئے کہا: "بھیجنے کا من نہیں ہے تو بہانے لگا رہے ہیں۔" یہ اس کا ہتھیار تھا جو وہ اپنے خاوند پر استعمال کرتی تھی۔ ہتھیار کے سامنے نرم پڑنا ہی پڑتا ہے۔ ویسا ہی ہوا۔ اپنا بولا: "میں جانے سے منع تھوڑا ہی کر رہا ہوں۔ ہو آؤ، میں کل سیدھا کو تیر دال بھیج کر بلاؤں۔ دھوتی، پگڑی وغیرہ منگوا دیتا ہوں۔ لے کر جاؤ اور رسم پوری کر کے آجانا۔ شادی کے وقت آکر بھی وہ لڑکا ایسے ہی چلا گیا۔ تب بھی ہم نے اس کے لیے کچھ نہیں کیا۔"

تارا کے لیے ایک ہی تیر سے دو شکار والی بات ہوئی۔ دوسرے دن ہی سدھا کے ہاتھ سے کپڑے اور شگون کا سامان بھی منگوا لیا۔

آج تارا کا صبح سے ہی گاڑی کے آنے کی راہ دیکھ رہی تھی۔ ایک بار جب پڑوسی کی گاڑی پانی کے لیے آئی تو اس نے سمجھا رشتے داروں کی گاڑی آئی ہے تو وہ دوڑ کر باہر دیکھنے آئی۔ وقت گذرنے لگا۔ گاڑیاں آئی نہیں۔ اس نے سوچا کبھی بھی آسکتی ہیں۔ یہاں سے تیر دال دو تین گھنٹے کا راستہ ہے۔ اب بھی آسکتے ہیں۔ شام ہوتے ہوتے اس کی امید بھی کم ہونے لگی۔ آخر وہ ایک لمبی سانس چھوڑ کر راستہ دیکھتے تنگ آگئی اور بیٹھ گئی۔ اموا بھی راہ دیکھتے دیکھتے تھک کر ایک دو بار تارا کا سے بولی: "اب تک گاڑیاں کیوں نہیں آئیں رے! اگر آئیں بھی تو رک بھی پائیں گے وہ لوگ ؟ جلدی جلدی انھیں چائے پلا دیں گے، اس لیے ذرا پانی چولھے پر چڑھائے رکھنا۔ بلانے پر وہ لوگ کب تمھارے گھر آئیں گے۔ میکے سے آرہے ہیں، ذرا چائے تو پیتے جائیں تمھارے ماما تو آتے جاتے ہی رہیں گے۔" اس پر تارا کو پھر امید لگنے لگی۔ باہر جا کر ماتھے پر ہاتھ رکھے دور تک دیکھ آئی۔ کہیں دور پر دھول تو اڑتی دکھائی دی لیکن اس کی امید پوری ہونے کی کوئی علامت نہیں تھی۔ شام ہونے کو آئی۔ دن ایک گھنٹہ باقی رہ گیا۔ تارا نے ساس سے کہا: "اب کوئی گاڑی آنے کا وقت بچا ہے اماں جی ؟" اور دل چھوڑ کر اندر چلی گئی۔

اموا نے کہا: "اب کیا آئیں گے ؟ شام ہو گئی۔ اب تک تو گاڑیاں تیر دال کے پاس پہنچ جانی چاہئیے تھیں۔ رام اتنی تاکید سے کہہ گیا تھا۔ پھر بھی کیا گاڑیاں کن کے راستے چلی گئیں ؟" تارا بولی: "گاڑیاں اِدھر سے جانی نہ تھیں تو مجھے کیسے کہہ کر گئے ؟" "ہاں اُدھر سے کیسے جا سکتے ہیں ؟" پھر کچھ رک کر اموا بولی: "کہیں گود بھرنے کی رسم روک تو نہیں دی گئی ؟"

ساس کے کہنے پر تارا کو بھی ایسا ہی لگا۔ اس کے منھ سے بھی یہی الفاظ نکلے: "ایسا

ہوسکتا ہے۔"

19

تیر دال کے تالاب تک پہنچتے پہنچتے گاڑیوں کو رات کے آٹھ بج گئے۔ صبح سے گاڑیوں میں بیٹھے بیٹھے لوگ ادب گئے۔ وہ سب نیچے اترے۔ چاروں طرف چاندنی اس طرح چھٹکی ہوئی تھی جیسے کسی نے آٹا بکھیر دیا ہو اس سے سب کے دل کو سکون ملا۔ کچھ عورتیں اتر کر تالاب میں ہاتھ پاؤں دھو آئیں۔ سندر بائی نے نیچے اترتے ہی پنڈت کو اطلاع دینے کے لیے دوڑایا پھر رتنوا کے پاس آکر بولی: "مرد ہوتے تو سب دیکھ لیتے، ہماری ذمے داری نہ ہوتی۔ میں نے کہا تھا کہ میں گھر پر رہتی ہوں لیکن انھوں نے نہ مانا۔ خود گھر میں رہ گئے۔ کہنے لگے تمھارا میکہ ہے تمھیں جاکر سب کر کے آؤ۔ یہ کہہ کر سب میرے گلے میں ہی ڈال دیا۔" یہ نہیں کہ یہ چیز رتنوا کو معلوم نہیں تھی لیکن سندر با اپنی ذمہ داری ان الفاظ میں اس لیے جتا دینا چاہتی تھی تاکہ نند اور دوسری عورتیں بھی کچھ ذمہ داری محسوس کریں۔

رتنوا، نہ جانے کیوں ذرا سنجیدہ لہجے میں بولی: "کوئی بھی آئے، کیا فرق پڑتا ہے۔ کام تو کسی نہ کسی طرح ہو ہی جاتے ہیں۔"

نند کی ان سنجیدہ باتوں سے سندر با نے اپنے آپ کو زیادہ ذمہ دار محسوس کیا۔ ناامیدی میں وہ مزید کہنے کی حالت میں نہ تھی کہ اُدھر سے رشتے دار بلانے آگئے۔ بلانے والوں کے ساتھ آئے ایک سمبندھی نے ذرا اپنائیت سے کہا: "دیکھو بہن سندر با، اگر لڑکے کو باجے گاجے کے ساتھ لے جانا ہو تو ابھی بتادو۔ بعد میں ہمیں طعنہ نہ دینا۔" وہ گاؤں اس کا مائیکہ تھا نا۔

سندر بانے بھی اتنی ہی اپنائیت سے جواب دیا۔ "گاؤں کے گوڑ (مکھیا) کا داماد ہے باجے گاجے کیا لے جانا ہے؟"

اس نے مذاق کرتے ہوئے بات کو ہلکا کیا۔ "گوڑ کا داماد گوڑ کے لیے بڑا ہے اور ہمارا داماد ہمارے لیے بڑا ہے۔"

سب مل کر گاؤں کی طرف چل پڑے۔ کچھ بچّے گاڑی میں ہی بیٹھے تھے۔ باقی لوگ گاڑیوں کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ ایک جھنڈ عورتوں کا تھا ایک مردوں کا۔ گاڑیوں کے آگے اپنا پور سے ساتھ آیا ہوا ترہی بجانے والا بیچ بیچ میں کبھی کبھی ترہی بجاتا جارہا تھا۔ اگلی گاڑی والے نے ترہی بجانے والے کو بار بار ترہی بجانے کو کہا۔ اسے طرح طرح کی رشوت اور لالچ دے رہا تھا۔ کبھی کہتا تمھیں کپڑا مفت مل جائے گا۔ کبھی کہتا سمدھی آ گئے۔ کبھی کہتا تمھیں پہنچتے ہی بیڑی کا پورا بنڈل پلاؤں گا۔ گاڑیاں چاندنی میں گھر کی طرف چلیں۔

شاہراہ پر عورتوں کے جھنڈ میں چلتے ہوئے سندرا بائی نے رتنا کی طرف مڑ کر پوچھا: "آج اننت کا چہرہ کیوں اترا ہوا ہے؟"

"تمھیں ماں بیٹے کو پتہ ہوگا۔" یہ کہہ کر اس نے اپنا منھ دوسری طرف کر لیا۔ اتنے میں پیچھے سے آتے پنڈت نے مزاحیہ لہجے میں کہا: "کل ہی اس کے چہرے پر چمک آ جائے گی۔ فکر کاہے کی ہے۔"

سب عورتیں ہنس پڑیں۔ انھیں یہ بات سچ ہی لگی ہوگی۔ آگے سندرا بائی بولی: "دیکھ بھیّا، داماد کو ضد کرنا نہیں آتا۔ سونا کتنا دیں گے، پہلے تم جا کر اس کے ساس سسر سے پتہ لگا لو۔"

"اب پوچھنے کو کیا باقی رہ گیا؟ اپنا پور کے لوگ اپنی بات کے پکے نہیں ہوتے۔ رامو آ کر سب باتیں طے کر گیا ہے، کیا کرنا ہے کیا نہیں!" پنڈت نے کہا۔

تب رتنو ذرا منھ کھول کر بولی: "ضد کیوں کرے گا؟ ضد کر کے بیکار ان کا دل کیوں دکھانا ہے۔ ساس سسر جو دیتے ہیں وہی لے کر خوش رہنا ہی ٹھیک ہوتا ہے۔ اسی میں دونوں کی بھلائی ہے۔" اس نے گویا اپنے احساس کا اظہار کیا۔

"یہ سب صحیح ہے لیکن داماد کو کیا کیا ملے گا؟" سندرا بائی نے پوچھا۔

"ارے، ان کے دینے سے تمھارا کیا گھر بھر جائے گا؟ آدمی کے دینے سے کبھی پورا نہیں پڑتا۔ دینے والا جو دیتا ہے وہی کافی ہے۔ ہماری تارکا کا کیا ہوا، معلوم نہیں کیا!" رتنا نے کہا۔

گود بھرنے کا وقت قریب آگیا۔ اننت نے پنڈت کو بلا کر کہا: "میں بہت دیر تک بیٹھ نہیں سکتا۔ آپ اپنا سارا کام کر کے مجھے بلا لینا۔"

"دھوتی پگڑی پہنانے تک تو آ کر بیٹھو گے نا؟" پنڈت نے پوچھا۔

یہ بات سندربا کے کان میں پڑی — "ایسا کیوں کرتا ہے رے! کتنا سندر منڈپ

بنایا ہے جا کر گھنٹہ بھر بیٹھ تو۔ جب جنم لیا ہے تو ایک بار بیٹھنا تو پڑتا ہے۔ کوئی بار بار تھوڑا ہی بیٹھا جاتا ہے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے بیٹے کو نصیحت دی۔

رتنوا نے بیچ میں ہی روک کر اننت کی بات رکھتے ہوئے اسے ذرا احترام دیتے ہوئے کہا: "اب رہنے بھی دو! اب کپڑے پہننے کو تو تیار ہو ہی گیا ہے۔ کل تو اس کے لیے بھی تیار نہ تھا۔ آج کل کے لڑکوں کا کیا؟ ویسے بھی پڑھے لکھے لڑکوں کو یہ باتیں اچھی بھی نہیں لگتیں۔ جیسا اس کا دل ہو، کرنے دو۔"

اندرا کو پہلے جا کر بٹھایا گیا تھا۔ اننت کے منچ پر بیٹھتے ہی اس کی فرمائش کے مطابق پنڈت نے جلد ہی رسم پوری کرا دی۔ اننت فوراً اٹھنے کو ہی تھا کہ پنڈت نے کہا: "چار، پانچ آدمی ابھی اور شگون ڈالیں گے۔" نہ چاہنے پر بھی اننت کو بیٹھنا پڑا۔ سب لوگ شگون دے چکے۔ اننت جانے کے لیے اٹھنے لگا۔ لڑکیوں نے اس سے بیوی کا نام بتانے کا تقاضا کیا۔ اننت نے چڑھ کر کہا: "یہ سب کیا ہے۔ رہنے دیجیے۔" بعد میں باہر آنے کو ہی تھا کہ دروازے پر کھڑے ایک شخص نے کہا: "ذرا ٹھہرو۔ ایک شگون آیا ہے، لے کر اٹھو۔"

"اب کس کا شگون آ گیا؟" دل ہی دل میں بڑبڑاتے ہوئے اننت نے دروازے کی طرف دیکھا۔ کپڑوں کی پوٹلی ایک سے دوسرے کے ہاتھ ہوتی ہوئی اس تک پہنچی۔ سندرا بائی من میں سوچنے لگی۔ "لڑکے کے لیے سسر کے گھر کا ایک جوڑا تھا۔ اس کے سوا اور کوئی جوڑا نہیں تھا۔ لوگوں نے سوچا ہوگا اس کے زیادہ رشتے دار نہیں۔ چلو یہ بھی اچھا ہوا۔" پھر اننت کی طرف دیکھ کر بولی: "جوڑا پہن لو بیٹا، کپڑے اچھے ہیں۔"

"کیوں، صرف چھو دو۔" پاس بیٹھی ہوئی اننت کی ساس رکوّا بولی۔

رتنا ذرا فخر کے ساتھ بولی: "انھوں نے ہوراگیری سے خوشی سے یہاں تک بھیجے ہیں۔ گود بھرائی کے وقت پہن لو نا!"

ہوراگیری کا لفظ کان میں پڑتے ہی اننت نے ذرا بے تابی سے پوچھا: "تارا کیوں نہیں آئی؟"

دروازے میں کھڑا سدھا بولا: "کیسے آتی۔ سورج ڈوبتے تک آپ کی گاڑیوں کی راہ دیکھتی رہی۔ آخر میں لاچار ہو کر مجھے بھیجا تاکہ کل کوئی بات نہ ہو۔"

تب سندرا بولی: "گاڑیاں تو کن کی طرف سے آئیں، ادھر کا راستہ ٹھیک نہیں تھا۔ اس لیے اس طرف سے آئیں۔"

"ٹھیک ہے، رامپا نے تو باغ والے راستے سے آنے کی بات کی تھی۔ تم لوگوں نے

پوچھا کدھر سے چلیں ؟ تب میں کیوں کہتی کہ باغ والے راستے سے چلو۔ تم لوگ سوچتے کہ میں اپنی بیٹی کو لے چلنے کی وجہ سے کہہ رہی ہوں۔ اسی وجہ سے چپ رہی۔" رتنا ذرا غصے سے بولی۔

"باپ رے! دیدی تم کیا کہتی ہو؟ اس وقت تم کہتیں تو کیا ہم منع کرتے۔ پتہ نہیں تارا کیا سوچے گی؟" سندربا نے حیرانی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

اتنے میں اننت نے پہلا جوڑا اتار کر یہ جوڑا پہن لیا۔ اس جوڑے کو دیکھ کر پاس ہی بیٹھی ایک عورت بولی: "سسر کے جوڑے سے یہ جوڑا بڑھیا ہے۔ پوجا بر جانے تک یہی پہنے رکھو۔"

وہیں کھڑی اندرا کی ماں بولی: "ہم کیا کریں بہن؟ جیسا انھوں نے کہا ویسا ہم نے کیا، ہم نے بڑھیا کپڑے لینے کو کہا تھا لیکن اس کے باپ نے منع کر دیا۔ انھوں نے کہا، کپڑے تو بکسے میں جائیں گے۔ وہ تو پہنے گا نہیں۔ اس کی جگہ پیسے دے دو۔ اس سے ہم چپ رہ گئے۔ اب دیکھ لو لوگوں میں کس کی بدنامی ہوئی؟ ہمارا خرچ بھی ہوا"۔ اپنے خاوند کی طرف دیکھتے ہوئے سب کو سنایا۔

وہ بولی: "بدنامی کی اس میں کیا بات ہے؟ جو بھی دو انھیں کے گھر پہنچے گا۔ چھپا کر دینا کیسا؛ سب دکھا کر دینا ہی ٹھیک رہتا ہے۔"

رہنے دو بہن۔ کون کہے گا کہ تم نے نہیں دیا۔ دو سو روپے دیے ہیں!" سندربا نے سب کو سناتے ہوئے بات ختم کی۔

وہ دن، میاں بیوی کے محبت کے ساتھ صحبت کر کے سکھ حاصل کرنے کا دن ہوتا ہے۔ بیوی، میاں کی چھتر چھایا میں نئی زندگی کا آغاز کرتی ہے۔ اننت کا کیسا پاگل پن۔ شادی شدہ بیوی سے دور رہنا کتنے دن تک ممکن ہو سکتا ہے؟ لوگوں کا شور شرابا کم ہو گیا۔ رات بھی کافی گذر چکی تھی۔ عورتوں نے اننت اور اندرا کو ایک کمرے میں لے جا کر بستر پر بٹھایا، آرتی اتاری اور اشیرواد دیا اور ہنسی مذاق کرتے ہوئے دونوں کو اکیلا چھوڑ کر باہر آگئیں۔ ایک طرف دیا جل رہا تھا۔ سارا کمرہ معطر ہوا تھا۔ سامنے پانوں کی تھالی رکھی تھی۔ اس کے دونوں طرف بیٹھے تھے اننت اور اندرا۔

اننت نے ایک بار اندرا کی طرف آنکھیں اٹھا کر دیکھا۔ اس کے لیے یہ اپنی زندگی کی سب سے بڑی بے بسی کا لمحہ تھا۔ ایک دل ربا لڑکی پاس بیٹھی تھی اس کی نفسیاتی حالت ایسی تھی کہ وہ سمجھ ہی نہیں پا رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ وہ ان چاہی بیوی تھی۔ ایک بار دروازہ کھول کر باہر جانے کی خواہش ہوئی۔ وہ جہاں کی تہاں چپ بیٹھی تھی۔ کیوں؟ ایسے موقع پر بیوی کی آرزو ہوتی

ہے کہ خاوند اس سے پیار کی باتیں کرے۔ اننت کے دل نے کہا: "ایک بار بات تو کر کے دیکھو" لیکن وہ پیچھے ہٹ گیا اور دکھی ہوا۔ اننت اٹھا۔ ایک طرف کھڑکی کے پاس جا کر باہر دیکھتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

بے چاری! نہ جانے اس نے دل میں کیا سوچا ہو گا؟ بارہ تیرہ برس کی اندرا کو اننت کی نفسیاتی حالت سمجھنے کی عقل کہاں تھی؟ وہ اننت کے برتاؤ کو دیکھ کر حیران سی بیٹھی رہی۔ کھڑکی سے آتی ٹھنڈی ہوا نے اننت کو تسلی دینے کی کوشش کی۔ چاندنی کو دیکھ کر وہ شاید اپنی حالت بھول گیا ہوتا، لیکن بھولنا کیسا؟ مڑ کر دیکھا۔ دوسرے پل میں ہی اندرا اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ بستر چھوڑ کر دو ایک قدم آگے بڑھی، اننت کی طرف۔ اننت کی آنکھوں کو اس کا آنا' اس کا کھڑا ہونا ناقابلِ برداشت لگا۔ اس کے چہرے پر پسینہ آ گیا۔ رنگ سانولا تھا۔ ناک ذرا پیچھے کی طرف دبی ہوئی تھی، موٹے موٹے ہونٹ۔ بچپن میں گر کر کبھی ماتھے پر لگی چوٹ کا نشان۔ اسے دیکھ کر اننت نے منھ پھیر لیا۔ ایک درد بھری سانس اپنے آپ اس کے منھ سے نکل پڑی۔ مڑ کر دیکھا تو وہی مورتی' وہی روپ اور وہی کھڑے ہونے کا انداز! اسے دیکھ کر اننت کے منھ سے نکلا: "سر میں درد ہے۔"

پتہ نہیں کب اننت بستر پر جا پڑا۔ پاس ہی وہ کانپتے ہوئے ہاتھوں میں پان لے کر گھبرائی سی بیٹھی تھی۔ اننت نے کھڑکی کی طرف نظر ڈالی۔ تب بادل کے ایک ٹکڑے نے چاند کو ڈھانپ لیا۔ چاند کی روشنی مدھم پڑ گئی تھی۔ ایک یاد اننت کے دل کی تختی پر چمک کر غائب ہو گئی۔ ایک گرم سانس رکتے رکتے نتھنے سے باہر نکل ہی گئی۔ اسی طرح اندرا کی طرف دیکھ کر وہ بولا: "میں نے کہا نا' میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔" اس وقت وہ کانپ رہی تھی۔ اسی طرح پتہ نہیں کتنا وقت گذر گیا۔ باہر کی ہنسی اور شور و غل کبھی کا بند ہو گیا تھا۔

ان دونوں کی سانس کے سوا اور کچھ نہ سنائی دیتا تھا۔ دُور کہیں ایک اُلّو بولا۔ دونوں کے دل ایک دم کانپ اٹھے۔ اننت دھیرے سے جا کر بستر کی ایک طرف لیٹ گیا۔ دوسرے ہی پل اس کی طرف پلٹا۔ وہ بدن کو سکوڑ کر کمان کی طرح اننت کے بہت قریب لیٹ گئی تھی۔ آنکھیں پھاڑ کر ٹکٹکی باندھ کر وہ اننت کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ان آنکھوں میں سکون تھا۔ دوسری طرف تھیں حیران اور خوف زدہ آنکھیں۔ تب وہ کیا اننت سے بات کرنے کی کوشش میں تھی۔ لال ہونٹ کھلے، ہلے، کانپ گئے۔ اننت نے منھ موڑ کر شال سے منھ ڈھانپ لیا۔ پتہ نہیں کب نیند آئی یا نہیں، بھگوان ہی جانے۔ صبح اٹھ کر اننت نے دیکھا وہ کمرے سے جا چکی تھی۔ اس نے ادھر اُدھر دیکھا۔ اس کا سرہانہ بھیگا ہوا تھا۔ اننت دل ہی دل میں دکھی ہوا لیکن بس ایک ہی پل کے لیے ہی!

کمرے سے باہر آتے ہی اننت کو غسل کرایا گیا۔ اس سے پہلے اس کی بیوی نہا چکی تھی۔ پاس پاس پٹڑے بچھا کر میاں بیوی کے آگے سوئیوں کی کھیر رکھی گئی۔ جیسے تیسے کھانا کھا کر اننت باہر آیا۔ اس دن شام تک سارا گھر کھانے پینے کی خوشی میں ہی ڈوبا ہوا تھا۔ اننت اوپر کے ایک کمرے میں جا کر پڑا رہا۔ ایک دو دوست ہنسی مذاق کرتے آئے۔ اننت غصے میں کچھ بڑبڑا رہا تھا تو اسے نیند میں سمجھ کر وہ چلے گئے۔ اس دن اور کوئی اس کے پاس نہ آیا۔ اس شور وغل میں اندرا پتہ نہیں کہاں تھی۔ لوگوں کے شور وغل اور کھانے پینے کی گڑبڑ میں وہ کہیں نظر نہیں آئی۔ دوپہر کو اس کی سہیلی اُسے ڈھونڈتی ہوئی آئی اور اس نے ہنستے ہوئے پوچھا: "پہلے انھوں نے کیا بات کی؟"

تیوریاں چڑھا کر اندرا بولی: "بس چل یہاں سے۔"

سکھی چونک کر بولی۔ "چل رہنے بھی دے۔ کس سے چھپاتی ہے؟ دروازے کے پیچھے ہو کر ہم نے سب سنا ہے۔" پتہ نہیں اس سہیلی نے کیا سنا، کون جانے۔

گونا کر کے گاؤں لوٹے۔ اندرا کو بھی ساتھ لائے۔ نیا گھر سمجھ کر اس کی ماں رکوا بھی آئی۔ ایک دو دن راستے کی تھکان مٹانے میں گذر گئے۔ دونوں دن اننت کا چہرہ اترا ہی رہا۔ بعد میں تھوڑی سی دلچسپی نظر آئی۔ اس کی بیوی اور ساس کو خوشی ہوئی کہ خاص بات ہوئی ہے۔ ایک دن دوپہر کو ماں نے بیٹی کو پاس بلا کر کان میں کہا: "اگر وہ ویسا ہی رہے تو بھی اندر جا کر بستر ٹھیک کر کے آ۔ وہیں سویا کر۔ وہ کتنے دن اس طرح رہے گا؟ جوان لڑکا ہے۔"

"کیا کریں گے؟ بات تک نہیں کرتے۔ منھ سے بولتے تک نہیں۔ اندر آنے پر مرکھنے بیل کی طرح دیکھتے ہیں۔" اندرا نے بے بس ہوتے ہوئے کہا۔

"کوئی بات نہیں، چار دن میں راستے پر آجائے گا۔ تم اس کو نہانے کا پانی دیا کرو۔ دھوتی رکھا کرو، وہ چاہے بات بھی نہ کرے تو بھی تم اس سے بات کیا کرو۔ کام کرنے پر بار نے تھوڑا آئے گا۔ تم بھی تو ماتھے پر ستر تیوریاں چڑھا کر رہتی ہو تو وہ کیا کرے؟ اپنا کام کرتی چلو۔" ماں نے غصے سے ہی سمجھایا۔ اب اندرا بھی کچھ نہ بولی۔ سب ہوں... ہوں کرتی سنتی رہی۔

رکوا گاؤں لوٹتے ہوئے سندر ابائی سے بولی: "اننت کا مزاج کچھ اور طرح کا ہے۔ لڑکی ابھی نہیں جانتی کہ خاوند کے ساتھ کیسے رہنا چاہیئے۔ اس کی کھیلنے کودنے کی عمر ہے۔ اسے کیا خبر۔" پھر کچھ رک کر اور جھجک کو چھوڑ کر بولی، اگر وہ باہر سونے کی کوشش بھی کرے تو تم اسے اندر ہی سونے کو کہنا۔ چار دن کی بات ہے۔ بعد میں تمھارے پوتے پوتیاں ہو جائیں گے۔

تمھیں ان کا سکھ بھی ملے گا۔ ہمارے بھی کوئی زیادہ بچے نہیں۔"

سندربا حیرانی میں سب باتیں سن کر بولی: "مجھے کہنے کی کیا ضرورت ہے؟ اپنے آپ سب کرے گی۔ کس کو ان سب کی ضرورت نہیں ہے؟"

رکوّا نے اس کا کوئی جواب نہ دیا اور داماد کے پاس گئی۔ اننت کہیں جانے کی تیاری میں تھا۔ رکوّا نے اس سے کہا: "اب میں کل جاؤں گی بھیا، اگلے سوموار ہمارے گاؤں کے میلے میں آنا۔ یہ چار دن تو بھاگ دوڑ میں ہی گزر گئے۔ ٹھیک طرح بیٹھ کر بات بھی نہیں کی، ڈھنگ سے کھایا بھی نہیں۔"

"تب بھی میلے کا شور و غل تو رہے گا ہی۔" اننت نے بے ساختہ انداز میں کہا۔

رکوّا کو داماد کی بات کا مطلب ہی سمجھ نہ آیا۔ یہ سمجھ کر کہ گونے کی مہمان داری داماد کو پسند نہیں آئی ہوگی، اس سے وہ بولی: "میلہ ہو تو کیا، گاؤں میں ہی تو شور و غل رہے گا۔ ہمارے گھر میں گونا تھا، اس لیے آس پاس کے چار آدمی آئے تھے۔ وہ لوگ کب کب ہمارے گھر آتے ہیں؟ اب آپ لوگ تو آتے جاتے ہی رہیں گے۔ اس وقت ہم کیسے سب کو سنبھالتے۔ اس کے علاوہ ہمارے لڑکوں کے لیے یہ معاملہ کچھ نیا تھا۔ جو کچھ کمی بیشی رہی بتانی چاہیے تاکہ ٹھیک کر دی جائے۔ کیا ہم کوئی پرائے ہیں؟"

اننت نے اس کی بات کی طرف کوئی خاص دھیان نہ دیا اور ٹوپی پہن کر باہر نکل گیا۔ یہ دیکھ کر رکوّا اور زیادہ فکرمند ہو گئی۔

جب سے بیوی گھر میں آئی تھی اننت گھر میں کم رہنے لگا تھا۔ وہ دکان پر جا کر بیٹھنے لگا۔ بیوپار کی طرف بھی ذرا دھیان دینے لگا۔ یہ دیکھ کر راما بھی کچھ خوش ہوا اس نے سوچا: "بیٹا اب راستے پر آگیا۔" اس نے بیٹے کو دکان کا کام سونپ کر کھیت کی طرف دھیان دینا شروع کیا۔ گھر میں بہو کے آنے سے اب سندربا کو بھی کچھ فرصت ملنے لگی۔ وہ آس پڑوس جا کر چار گپیں لگا آتی، تھوڑا بہت کام کرتی، باقی چھوٹے موٹے کام بہو کرتی۔ اس طرح زندگی چلنے لگی۔

اننت کے شام تک دکان پر بیٹھنے کا بھی سبب تھا۔ اس کے اکثر دوستوں کے پاس وقت نہ تھا۔ وہ پاس ہی کتّور میں چینی کے کارخانے میں کام کرنے لگے تھے۔ صبح جاتے، شام کو کام سے لوٹتے۔ اس لیے وہ دکان پر بیٹھنے لگا۔ باپ شام کو دکان پر جا کر اننت کو گھر بھیجتا۔ اننت ایک بنڈل بیڑی، آٹھ دس سپاریاں جیب میں ڈال کر دکان سے چل دیتا۔ لوٹتے وقت اگر کہیں پوڈاربا پا کی دکان میں گھس جاتا تو بس...... رات کے دس گیارہ بجے

تک تاش چلتی۔ اس کے سب پرانے دوست اکٹھے ہوتے۔ باپتا بھی دوکان میں اکیلا تھا۔ وہاں چاہے جتنی دیر تک بھی کھیلے کوئی رکاوٹ نہ تھی۔ اس طرح کھیل ختم کرکے بارہ ایک بجے آکر وہ سوتا۔ کئی بار اندرا خاوند کے آنے تک جاگتی رہتی، دیا نہ بجھاتی۔ اسے کچھ نہ کچھ بات کرنے کی بڑی خواہش رہتی۔ انت کبھی کبھار دو چار باتیں کرتا۔ نہیں تو سو جاتا۔ دھیرے دھیرے اندرا نے خاوند کی راہ دیکھنا چھوڑ دیا۔ اپنا کام پورا کرتے ہی دیا بجھا کر سو جاتی۔ انت جب آتا چار پانچ آوازیں دینے پر دروازہ کھولتی اور پھر سو رہتی۔ آدھی نیند میں خاوند کے پاس آکر سونے کی بات اسے کبھی یاد رہتی اور کبھی نہیں بھی۔ اس طرح روز بہ روز دھیرے دھیرے اندرا کے دل میں انت کے لیے مایوسی بڑھنے لگی۔ وہ ایک بار خاوند سے پیار کرنے کی کوشش کرتی تو دس بار دور بھی بھاگتی۔ اس کے ایک بار جواب نہ دینے پر اس کے چار بار بلانے پر بھی وہ نہ بولتی۔

چاہے جو بھی ہو، جوانی میں ایک ساتھ رہنے والے میاں بیوی کتنے دن جسمانی صحبت کے بغیر رہ سکتے ہیں۔ کچھ دنوں کے بعد بے دلی سے ہی انت اپنی ہوس اندرا سے پوری کر لیتا۔ اندرا خاوند سے حقیقی سکھ نہ پانے پر بھی اسی میں صبر کر لیتی۔ لیکن اس نامکمل ازدواجیت کا اثر دونوں پر ہوئے بنا نہ رہا۔ اندرا بہت سندر نہ ہونے پر بھی گھر کے کام کاج میں بڑی چست لڑکی تھی۔ اس میں جنم سے ہی چستی اور غیرت پروان چڑھے تھے۔ وہ نسبتاً کم بولنے والی تھی کبھی کبھی ایسا لگتا کہ اگر اسے اس غیرت کے سبب کم بولنے کی عادت نہ ہوتی تو انت کی زندگی کا ڈھنگ کچھ اور ہی ہوتا۔ کبھی کبھی اس کا یہ اکھڑپن انت کو تارکا کے نرم مزاج سے اس کا موازنہ کرنے سے مجبور کرتا۔ آخر میں اس کا من بے چین ہو جاتا اور اسے زندگی ہی بے مزہ لگنے لگتی۔ تارکا کے ساتھ چند دن میں گزارے دنوں کی یادیں اس کے سامنے ایک ایک کرکے ناچنے لگتیں۔ اس کا تارکا سے 'پریم' اور تارکا کا یہاں اس کے گھر میں رہنا' سب اسے یاد آتا۔ اس کے بعد رونما ہونے والے واقعہ کی یاد سے اس کا دل چور چور ہو جاتا اور وہ آنکھوں سے پانی کے روپ میں بہہ نکلتا۔ تب انت سوچتا: "میں نے ہی کھو دیا اسے۔ اب اسے پا لینا ممکن نہیں ہے۔" اس کے دل میں یہ یقین ہو جاتا۔ جو بھی ہو، انت اب ایک طرح کا عجیب و غریب شخص بن گیا تھا!

شروع میں سندرا بائی نے بھی بہو کی تعریف کے پل باندھ دیے۔ اندرا سے جب کوئی کام غلط ہو جاتا تو اسے انت سے چھپا لیتی اور بڑی نرمی سے اسے کسی طرح سمجھا دیتی۔

جُوں جُوں دن گذرتے گئے توں توں بہو کو سدھارنے کی کوششیں ایسے ہی بے کار ثابت ہونے لگیں جیسے ندی میں املی دھونا۔

کئی بار سہہ نہ پانے پر اسے جھڑکتی بھی ——— "اندرا آج کل تو کیسی ہوتی جارہی ہے۔"

"کیسی؟"

"تمھیں جیسے پتہ نہیں پہلے کیسی تھی؟ پہلے کی طرح کیوں نہیں رہتی؟"

"پہلے کیسے رہتی تھی؟"

"اپنا گھر، اپنا کام سمجھ کر سب کرتی تھی۔ میں نے سمجھا میرا بوجھ کم ہو گیا۔"

"اب کیا ہو گیا؟"

"میں لوگوں سے کہتی تھی، میری بہو کتنی اچھی ہے۔ لیکن آج کل تم ایسا نظر آتی ہو جیسے یہ گھر پرایا ہے۔ چیزیں ادھر اُدھر پڑی رہتی ہیں، رسوئی میں کچھ ابلتا ہے تو ابلتا ہی رہتا ہے، سسر آتے ہیں تو پرواہ نہیں۔ گھر والا آتا ہے تو کوئی دھیان نہیں۔ کام میں من ہی نہیں لگاتی۔"

"میں جیسی بھی ہوں، ٹھیک ہوں۔ میں تو بگڑی ہوئی ہوں۔ اکھڑ ہوں۔ آپ نے مجھے گھر میں لاکر خود کو کانٹوں میں پھنسا لیا۔"

"چھی چھی۔ اب تم سے کوئی کیا بات کرے۔" یہ کہہ کر سندرا بائی بات ختم کر دیتی۔

ساس بہو میں جھگڑا ہو یا نہ ہو، گھر کا کام ہو یا نہ ہو وقت کسی کے لیے رکتا نہیں۔ کسی کے ٹھیک ہونے کا انتظار نہیں کرتا۔ وہ اپنے قاعدے سے چلتا ہی جاتا ہے۔ اب اندرا اگر بدوتی ہو کر زچگی کے لیے میکے چلی گئی۔ اب گھر کا سب کام کاج خوشی سے کرنا پڑا۔ اننت دوکان سے گھر کبھی سونے کے لیے آیا تو آیا، نہیں تو نہیں۔ دوکان سے چل کر باپا کی دوکان پر رات گئے تک تاش کھیل کر وہیں سو رہتا۔ صبح چائے پینے گھر آیا تو آیا نہیں تو کہیں بھی چائے پی لی۔

اس دن دوپہر کو اپنے کام کو ختم کر کے سندربا آنگن میں آ رہی تھی کہ ایک بڑھیا، "کیا کر رہی ہو سندرا؟" کہتے ہوئے آئی۔

تھوڑی دیر ادھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد بڑھیا نے پوچھا: "تمھارا اننتو سونے کے لیے گھر نہیں آتا؟"

"کیوں، آتا ہے نا؟"

"کچھ نہیں، روز صبح اس باپا کی دوکان پر دکھائی پڑتا ہے اس لیے پوچھا تھا۔" سندربا کو لگا جیسے بڑھیا آگے کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن چپ رہ گئی۔ کچھ رک کر سندربا بولی: "وہاں چار

لڑکے مل کر تاش اور کوڑیاں کھیلتے ہیں۔ کبھی کبھی وہیں سو بھی رہتا ہے اب کیا ہے، گھر میں اس کی بیوی تو ہے نہیں۔ کہیں بھی پڑا رہے اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔"

"بھلا آدمی کہیں بھی پڑا رہے تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ لیکن آس پاس شادی کے قابل ایک دو چھوکریاں ہیں۔ جوان ہوئے چار چار سال ہو چکے ہیں۔"

سندر با کو بھی انت کے چال چلن کے بارے میں کچھ شبہہ ہونے لگا تھا۔ اس کا دل کانپ اٹھا۔ پھر بھی اس نے تیکھے لہجے میں جواب دیا: "وہ بنا شادی کے بیٹھی رہیں تو کوئی کیا کرے۔ کیا ان محلوں میں لڑکوں کا آنا جانا منع ہے؟ یہ تو بڑا مشکل ہو جاتا ہے۔ کیا گاؤں میں غیر شادی شدہ لڑکیاں رہتی نہیں؟" چاہے جو بھی ہو اننتا اس کا بیٹا تھا۔

سندر با کے تیکھے جواب سے بڑھیا کچھ گھبرائی۔ "رہنے دو بہن۔ تمھارے لڑکے کے بارے میں کون کہتا ہے۔" پھر کچھ سوچتے ہوئے بولی، "مزدوری کرنے والے ہیں تو لڑکی کو سکول کیوں بھیجتے ہیں؟ کیا بعد میں کھیتی وغیرہ کر سکیں گی۔" لیکن اسے لگا کہ اس نے جو بات کہی اس کا کوئی سر پیر نہیں ہے؟

"کون، کس کی لڑکی! ذرا صاف صاف بتائیے نا۔"

"سندھیا، ساتوا کی بیٹی بالکل براہمن کی بیٹی سی لگتی ہے۔ چمڑی گوری ہے، اس پر تھوڑی پڑھی لکھی۔ جھمکے پہن کر، مانگ نکال کر، کانوں تک بال سنوارتی ہے تو کلموہی کیا مزدور کی لڑکی لگتی ہے؟ ماں باپ کو اس کی شادی نہیں کرانی چاہیئے کیا؟ برابر کی لڑکی کو گھر بٹھا رکھا ہے۔"

"بٹھا رکھا ہے تو کسی کا کیا جاتا ہے؟" آگے کی بات کو کریدنے کے لیے بے چینی سے سندر با نے کہا۔

"انھوں نے تو بٹھا رکھا ہے لیکن لڑکوں کو تو بگاڑتے ہیں۔ ان کا کیا بنے گا؟ کہیں گاؤں کے لڑکے اس کی وجہ سے آپس میں مار پیٹ نہ کر بیٹھیں۔" ذرا سوچ کر بڑھیا بولی۔

سندر با اس کی بات تاڑ گئی۔ اس کے اندر ماں کا دل گھبرا گیا لیکن ظاہر کیے بغیر حوصلے کے ساتھ بولی: "کیا کریں گے! ادھر کے لوگوں نے کیا چوڑیاں پہن رکھی ہیں۔ اپنی لڑکی کو انھیں قابو میں رکھنا چاہیئے۔ کیا ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی؟"

20

سورج غروب ہوئے کوئی ایک گھنٹہ ہوا ہوگا۔ اپنا کھیت سے لوٹا۔ سر پر چارے کا ایک بوجھ تھا۔ اسے کونے میں اتارتے ہوئے اس نے اموا سے پوچھا: "ماں تم نے کھانا نہیں کھایا؟"

"کون، اپو؟" یہ پوچھنے کے بعد وہ بولی: "ابھی نہیں، تمھارے ساتھ ہی کھانے کے انتظار میں بیٹھی ہوں۔"

"میں ذرا بھینس کا دودھ دوہ لاتا ہوں۔ بعد میں تمھیں بھی کھانا دوں گا اور آپ بھی کھاؤں گا۔ وہ کب گئی؟"

"نہیں گئی، گھر میں ہی ہے۔"

"کیوں نہیں گئی وہ؟"

"کیسے جائے گی؟ گاڑی آنے پر ہی تو جاتی۔ بے چاری بچی چڑیا کے بچے کی طرح ان کی راہ دیکھتے دیکھتے تھک گئی۔ پوری شام ہونے کے بعد سِدھا کے ہاتھ شنگون بھجوا دیا۔"

"شنگون بھی کیوں بھیجا اس نے؟ انھیں جب ہماری ضرورت ہی نہیں ہے تو بن بلائے مہمان بننے سے کیا فائدہ؟"

"بعد میں ہم پر بات نہیں آنی چاہیے بیٹا۔ ایک بار بات بگڑ گئی تو لوگ رتنا کو کیا کہیں گے؟ بعد میں پچھتانے پر بھی کچھ نہیں ہوگا۔"

"اس کے لیے اتنی اہمیت کیوں دی جائے؟ وہ اس طرف کسی کام کے لیے آیا تھا۔ راستے میں ہمارے یہاں آ گیا تھا۔ اگر بلانے آیا ہوتا تو شام تک میرا انتظار کرتا۔ یہ پاگل عورت وہاں جانے کے لیے اپنی جان دے رہی ہے۔ ایک سال ہو گیا اس کی شادی ہوئے، کیا ایک بار بھی یہ پوچھنے آیا کہ تم کیسی ہو؟" اپنا رشتے داروں پر غصہ کر رہا تھا۔ شنگون بھیجنے کی وجہ سے تارا پر تھوڑا غصہ بھی تھا۔ ویسے ہی اندر آتے ہوئے طنزیہ انداز میں پوچھا: "تمھارے ماما کے لڑکے کا گونا کیسا ہوا؟"

تارکا ہاتھ پاؤں دھونے کے لیے پانی گرم کرنے کو چولہے میں آگ سلگا رہی تھی۔"پتہ نہیں گاڑی کیوں نہیں آئی؟ گودھرائی کہیں رک تو نہیں گئی؟ نہیں تو ماما جی ایسا کرنے والے نہیں تھے۔" اسی خیال کی ترنگ میں وہ آگے سوچنے لگی:"پتہ نہیں انت کو کچھ ہو تو نہیں گیا۔ کہیں اس نے اس لڑکی سے گونا کرنے سے انکار تو نہیں کر دیا؟" ان خیالات کی ترنگ کے ساتھ اس کی آنکھوں سے آنسو کی دھارا بہہ نکلی۔ اسی لیے اسے خاوند کی باتیں سنائی نہیں دیں۔

اپنا نے ہی پھر طنزیہ لہجے میں پوچھا:" بات کیوں نہیں کرتی؟ وہ لوگ لینے نہیں آئے تو تم مجھ پر غصہ نکال رہی ہو کیا؟"

تارکا فوراً ہوش میں آگئی۔ ایک دم نیند سے جاگے ہوئے کی طرح آنسو پونچھتے ہوئے بولی: "آپ سے غصہ کرتی، آپ میرے ہوتے کون ہیں؟" اپنے ہی خیالوں میں ڈوبے رہنے کے سبب ہوش وحواس کھو کر اس نے یہ کہا۔ یہ اچھا ہی ہوا کہ مدھم روشنی میں اپنا کو اس کے آنسو دکھائی نہیں دیے۔

"کیوں میں تمھارا کچھ بھی نہیں ہوتا؟" اپنا بولا۔ آواز سخت تھی۔ پھر رک کر ڈانٹتے ہوئے کہا: "تو تم میرے گھر میں کیوں ہو؟"

تارکا کو اب معلوم ہوا کہ اس کے منھ سے کیا نکل گیا تھا۔ فوراً بھولے پیار سے"اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے اپنا من کیوں خراب کرتے ہیں؟ چار دن تو آپ اچھے رہتے ہیں، کبھی کبھی ایسا کر دیتے ہیں؟ میں نے یہی کہا تھا کہ گاڑی لا کر مجھے لے جانے کے لیے وہ میرے کیا لگتے ہیں؟ اس میں آپ کا کیا گیا؟" یہ کہتے ہوئے اس نے ہاتھ منھ دھونے کے لیے پانی دیا۔ اپنا کا غصہ کافور ہو گیا۔ وہ بولا" اب وہ لوگ کیوں بلانے کو آئیں گے؟ جانے بھی دو۔ کہاں کا سگا ماما، کہاں کا رشتہ۔ کسی کی پہچان تک نہیں ہے۔ ان پر آس لگانے کی ہمیں کیا ضرورت؟ ہمارے گھر میں کسی بات کی کمی ہے؟"

"کچھ بھی کمی نہیں!" تارا بولی۔ اس کا دل جل سا گیا تھا۔ منھ سے اپنے آپ گہری سانس نکلی۔

اپنا باہر جا کر دھیرے سے بولا:"یہ ٹھیک ہے ہمارے لیے کسی بات کی کمی نہیں ہے، لیکن ایسا کرنا ان کا ڈھنگ ہے کیا؟" پھر کچھ رک کر وہ بولا:" وہ تارا کو بلانے کہاں آیا تھا؟ صرف گلے کا ہار لے جانے کے لیے آیا تھا" کہتے ہوئے اس نے بات آگے بڑھائی۔

"گلے کا ہار؟ کہاں کا؟" حیرانی کے لہجے میں امّو انے پوچھا۔

"انھوں نے شادی کے وقت پہننے کے لیے دیا تھا۔ وہ اب تک ہمارے پاس ہی پڑا تھا۔ کتنے دن تک رکھتا تھا۔ جب وہ کل آئے ان کا مال انھیں دے دیا۔" چولہے میں آگ

تیز ہو گئی تھی اس میں کچھ پانی ڈالتے ہوئے تارا بولی۔
"اسی لیے گلے میں ہار دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ میں نے سمجھا تھا کہ کہیں ٹوٹ گیا ہے اور اتار کر رکھا ہوگا!"

امّوا بولی، "ٹوٹتا کیوں؟ وہ سانگ کر لے گیا۔ لڑکی برسوں سے خالی گلے سے ہے۔"
اپنا نے غصے سے پوچھا "تمھارے میکے والوں کی حیثیت نہ تھی کیا؟ جو دوسروں کا ہار گلے میں پہننے کے لیے دیا؟"
"اسی لیے تو وہ اپنے گھر کی ہی چیز تھی۔ اب اماں بنوا کر دیدے گی۔ ہم کیا ان کے ہار کے بھروسے پر بیٹھے ہیں۔"
"نہیں، تمھاری ماں نہیں بنوائے گی، میں بنوا دوں گا۔ میں نے یہ بات نہیں کہی۔ میں اتنا گھٹیا آدمی ہوں کیا؟ کہ تمھارا اماما گلے سے اتار کر لے جائے۔" پھر اپنی ماں کی طرف گھوم کر بولا: "دیکھا، بہو کی گود بھرنے کا بلاوا دینے کے بہانے آکر ہار اڑا لے گیا اور ایک بار ملے تو سہی، پھر دیکھوں گا!"
اس کی بات کو بیچ میں روک کر، دوپہر سے دبائے ہوئے غصے کو نکالتے ہوئے امّوا بولی: "کیوں وہ ہمارے گھر کی دہلیز پہ چڑھے گا؟ وہ ہمارے گھر نہیں آئیں گے اور ہم ان کے گھر نہیں جائیں گے۔ جب انھوں نے گاڑی نہیں بھیجی تو ہماری ان کی رشتے داری ختم ہو گئی۔"
ساس کی اس آخری بات نے تارا کے دل کو ہلا دیا۔ یہی نہیں، اس رات اس نے کھانا تک نہیں کھایا۔ من ہی من میں اپنے گاؤں کی دیوی لگ متوا سے پرارتھنا کرنے لگی: "ماں لگ متوا! کیا تو مجھے اننت کا منھ دیکھنے سے بھی روک دے گی؟"
اس کے کچھ دن بعد رتنوا بیٹی سے ملنے آئی۔ وہ اتنے دن کہیں نہ جانے کا سبب بتاتے ہوئے بولی: "میں نے سوچا تھا کہ تم بھی اندرا کی گود بھرائی میں آؤ گی۔ وہیں تم سے مل لوں گی لیکن وہ لوگ گاڑیوں کو کن کے راستے ہی لے گئے بیٹی۔ اس لیے اس طرف مجھے دوبارہ آنا پڑا۔"
"انھوں نے اننت کو کیا کیا دیا؟ تم وہاں کتنے دن ٹھہری تھیں؟ رسم سب ٹھیک ہو گئی؟ گھر میں باپو ٹھیک ہیں؟" تارا نے کچھ ایسے سوال پوچھے۔
رتنوا بولی: "انھوں نے پہلے سے ہی آن سے روپے لے لیے تھے اس لیے سب کچھ سادہ سا تھا۔ تمھارے گونے میں، اس کی نسبت زیادہ دیا گیا تھا۔ جس دن تمھیں یہاں بلانے کے لیے آئے تھے اسی دن میں بھی چندر سے آئی۔ آٹھ دن ٹھہر کر لوٹی تھی۔"

"جانے دو ماں' ان کا بلانے کے لیے آنا تو ایسا ہی تھا جیسے راستے میں جانے والوں کو بلانا ہوتا ہے۔ بلانے کے لیے آنے والے ایسے آتے ہیں کیا؟ اگر صحیح طریقے سے بلانا چاہیے نہیں تو اپنے گھر چپ چاپ رہنا چاہیے۔ کوئی ان سے ہر جانہ تو نہیں لے لیتا۔" تارا غصے سے بولی۔

رتنوا نے اصل حالت بتاتے ہوئے کہا: "وہ بھی بے چارہ کیا کرتا؟ ہر ایک کے لیے ایک ایک گاڑی کہاں سے لاتا؟ میرے لیے ایک گاڑی بھجوائی تھی۔ اس نے سوچا تھا کہ دعوت دے کر تمھیں ساتھ لے چلے۔ لیکن وہ گھر پر ٹھہر گیا۔ راستے میں ہم عورتوں کی بات کون سنے؟ گاڑی بھگاتے ہی چلے گئے۔ دو گاڑیاں آگے آگے چلیں۔ ہماری گاڑی پیچھے تھی۔ سندربا نے ایک دو بار کہا بھی۔ یونہی کسی کو بدنام نہیں کرنا چاہیے۔ اننت کہتے کہتے تھک گیا۔ لیکن راستے کے بیچ اگلی گاڑی کو چھوڑ کر کیسے آتے؟"

تارا بولی، "سبھی ہوشیار ہیں؟"

یہ سب سن کر امّوا کسی کام کے لیے باہر چلی گئی۔ جاتے ہوئے بولی: "رتنا بہت دنوں کے بعد آئی ہو۔ تم ماں بیٹی بات چیت کر دیں میں باہر جاتی ہوں۔"

رتنوا نے پکارتے ہوئے پوچھا: "ارے تم بھی بیٹھو۔ ہمیں ایسی کوئی بات نہیں کرنی ہے۔"

تب تارا نے کہا: "ہماری ساس بہت بھلی ہے۔ ہماری طرف سے لوگ آتے ہیں تو ان کے ساتھ اندر آتی ہے۔ کچھ دیر بات چیت کرنے کے بعد کھانا کھلانے کے لیے کہہ کر باہر چلی آتی ہے۔ اس سے پہلے بابو کے آنے پر بھی ایسا ہی کیا تھا۔ بابو تو اچھے ہیں؟ اتنے دن کے لیے ان کی روٹی کا کیا انتظام کر کے آئی ہو؟"

"پڑوسیوں کو کہہ کر آئی ہوں۔ شام کو تھوڑا چاول بنا لیں گے۔ تم تو سکھی ہو نا! تمھاری ساس تو بڑی اچھی ہے! کوئی جھگڑا نہیں ہے!" بیٹی کو غور سے دیکھ کر، امّوا کے باہر چلے جانے کے بعد فکر مند ہو کر رتنا نے آگے پوچھا۔

"تمھارے ساتھ گھر والا کیسے رہتا ہے؟ کیوں وہ ٹھیک نہیں ہے؟ ایسی کیوں ہو گئی ہے۔ منھ سوکھی بھنڈی جیسا ہو گیا ہے۔ منھ پر رونق ہی نہیں ہے۔ کیسی بھری بھری سی رہتی تھی!"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" کہہ کر تارا، ماں کو چائے دینے کے لیے اٹھی اور اس سے چھپا کر اپنے آنسو پونچھ ڈالے۔

رتنوا اٹھ کر آگے آتے ہوئے بولی، "کیا ہوا؟ بتاؤ نا! اس گرمی میں مجھے چائے کی ضرورت نہیں ہے۔" اس کے لہجے میں منت تھی۔

"پی لو نا ماں! بنا دوں گی۔ ہم لوگوں کا بھی اب پینے کا وقت ہو گیا ہے" اتنا کہہ کر وہ چائے کا پانی رکھنے چلی گئی۔

رتنوا کے آنے سے تارکا کو بے حد سکون ملا۔ اپنا کو بھی سکون ملا۔ اس نے ساس کے لیے لذیذ کھانا بنانے کے لیے اپنی بیوی کو اجازت دے دی۔ لیکن اس دن ساس کے لائے ہوئے لڈو، کوڑبلے چکلی اور روٹی کو گھر کے لوگوں نے دو دو بار کھایا۔ پھر بھی وہ ختم نہیں ہوئے۔ اس لیے تارا نے گرم چاول کے علاوہ اور کچھ نہیں بنایا۔ ساس کے کہے مطابق وہ رتنوا کے لائے ہوئے کھانے کے سامان کو آس پڑوس میں تھوڑا تھوڑا بانٹ آئی۔ بہت دنوں کے بعد آنے کے سبب، داماد نے ساس سے چار دن ٹھہرنے کی تاکید کی۔ رتنوا کو داماد کے کہنے پر رکنا پڑا۔ اب رکنے پر چپ چاپ کیسے بیٹھا جائے؟ لہٰذا بیٹی کو نہلانا چاہیئے۔ بہت دنوں سے اپنے ہاتھوں سے نہلایا نہیں، پیٹھ ملی نہیں تھی۔ یہ سوچ کر پانی کی تیاری میں لگ گئی۔ اسے دیکھ کر امّوا بولی: "رتنا، تم بھی دو لوٹے پانی ڈال لو، وہاں تمھیں کون نہلاتا ہوگا؟"

"میرا کیا، وہاں کوئی نہ کوئی چار لوٹے ڈال ہی دیتا ہے۔" آگے، کچھ سوچ کر بیچ میں ہی رتنا رک گئی۔

بڑھیا نے اس کے دل کی بات سمجھ لی۔ "تمھاری بیٹی دور کہاں ہے، اب بھی سمجھو کہ وہ تمھارے گاؤں میں ہی ہے۔ تمھارا ہی آنا جانا ذرا کم ہے۔" بعد میں کچھ سوچ کر: "ہاں رتنا، تمھاری تندنی بہو کے ساتھ اب کیسے رہتی ہے؟" اس نے بے تابی کے ساتھ پوچھا۔

"آگ لگے اسے، شادی کے چار مہینے تک ٹھیک رہی پھر وہی چال! ٹوٹے ہاتھ سے کپڑا ناپنے کی طرح اس کا مزاج ہے۔"

"وہ ایسا کیوں کرتی ہے؟"

"میری تو سمجھ میں نہیں آتا۔ اسے تو گھر میں اور کوئی چاہیئے ہی نہیں۔ آپ اور صرف اپنا بیٹا چاہیئے۔"

"تو لڑکے کی شادی ہی کیوں کرائی تھی؟!"

"اسے پوچھنے کون جائے؟" تارا بولی۔

"اب پوچھنے والے بھی پیدا ہو گئے، لو۔ ہم تو اپنا سمجھ کر سب پیتے رہے۔ وہ کیوں چپ رہیں گے؟! ابھی دیکھ لو۔ تمی نے کل بہو سے یہ کہہ کر جھگڑا کیا کہ اس نے دودھ سے چاول کھائے۔ وہ تہوار کے لیے میکے گئی۔ اب تک لوٹی نہیں۔ وہ سگدم والے ہیں کیا؟ تین تین بار بلانے گئے۔

وہ بھیجتے تھوڑے ہی ہیں؟ اب اس کی بیٹی کا بھی قدم قدم پر مذاق اڑاتے ہیں۔ اس کی بیٹی کو بھی ذرا مزا لینے دو۔"

"اب بھیجا سے جا کر کیوں نہیں پوچھتی؟" تارا بولی۔

"یہ بات ہم کیوں کہیں؟ لوگ ہی منھ پر تھوکتے ہیں۔ آج کل چھوا اور اس میں نہیں بنتی۔"

"بہو کو بھیجنے کے بارے میں وہ لوگ کیا کہتے ہیں؟" امتوا نے بیچ میں ہی سوال کیا۔

"وہ تو داماد سے کہتے ہیں، الگ گھر بساؤ تو لڑکی بھیجیں گے۔ نہیں تو تم یہیں آکر رہو۔"

"لڑکا ابھی چھوٹا ہے نا!"

"کہاں کا چھوٹا؟ جا کر ان کے گھر میں رہنا پڑے گا، نہیں تو ماں کو الگ کرنا پڑے گا۔ اگر ان دونوں میں سے ایک بھی نہیں کر سکتا تو بیوی کو چھوڑ دینا پڑے گا۔ اسے اتنی سمجھ نہیں؟ اب بھی چھوٹا ہی ہے؟"

رتنوا کی بات امتوا کو جچی نہیں۔ ایک پل میں اس کی وچار دھارا بدل گئی: "کل رتنوا میرے بارے میں بھی یہی کہہ سکتی ہے۔" اس کے بوڑھے دل میں یہ سوال اٹھنے لگا۔

"تم پر بھی تو چار لوٹے ڈال دوں،" کہہ کر رتنوا نے وہ بات ختم کر دی۔

"جانے دو، مجھے کیوں؟ اپنی بیٹی کو نہلا دو۔ تم کب کب آتی ہو" ادھر امتوا کے منھ سے یہ الفاظ رک رک کر نکلے۔

"بار بار آنا چاہتی ہوں، لیکن گھر چھوڑ کر کہیں آیا جایا جاتا ہے؟"

"میں جانتی ہوں تم آ نہیں سکتیں اسی لیے جب تارا مہینے سے ہوتی ہے تو میں ہی اس کی پیٹھ مل کر نہلاتی ہوں۔ اس کا خاوند پانی بھر کے غسل خانے میں رکھ دیتا ہے۔ میں نہلا دیتی ہوں۔ چاہو تو اپنی بیٹی سے پوچھ لو۔" پرانے زمانے کی بڑھیا امتوا نے کہا۔

"ارے اس میں پوچھنا کیا ہے؟ تمھاری تو بیٹی بھی یہی ہے اور بہو بھی، دوسرا کون ہے؟" تارا کی طرف مڑ کر ہدایت کرتے ہوئے رتنا نے کہا: "تم بھی مہینے میں سات آٹھ بار اپنی ساس کو نہلا دیا کرو۔ بڑوں کی سیوا کرنا بھگوان کی سیوا کرنے کے برابر ہوتا ہے۔ اسی نیکی کی وجہ سے تمھارے چار پانچ بچے ہو جائیں۔"

"میں بھی بھگوان سے سدا یہی دعا کرتی رہتی ہوں بہن۔" آکاش کی طرف ہاتھ جوڑتے ہوئے پھر بولی: "اس سے پہلے دو مہینے رک گئے تھے۔ یہ دیکھ کر میں کتنی خوش ہوئی تھی۔ سب جھوٹا نکلا۔ اب بھی دیکھنا ہے کیا بننے والا ہے؟ بھگوان کی دیا ہے مجھے تو وشواس نہیں ہوتا۔

جب سے لڑکی ہمارے گھر آئی ہے سو کھتی ہی چلی جا رہی ہے گھر میں کھانے پینے کی کمی نہیں ہے۔ بھگوان نے بہت کچھ دے رکھا ہے۔ گھر کا سارا لینا دینا اسی کے ہاتھ میں ہے۔ جو چاہے سو کھائے اور جو چاہے سو دے۔"

"تمھاری نیکیوں کی برکت سے سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

اس دن رتنوا نے بیٹی اور سمدھن کو تیل مل کر نہلایا۔ دوسرے دن منع کرنے پر بھی تارکا نے پانی گرم کر کے ماں کو نہلایا۔ نہانے کے بعد ماں اور بیٹی اندر سو گئیں۔ ساس کے آنے کے بعد سے اپنا باہر ہی سوتا تھا۔ رات کو ماں بیٹی بڑی دیر تک باتیں کرتی تھیں۔ باہر لیٹی امتوا کو ان کی باتیں صاف سنائی نہیں دیتی تھیں۔ وہ یہ سوچ کر ہی سو جاتی، ماں بیٹی بہت دنوں کے بعد ملی ہیں، اس لیے کچھ نہ کچھ بات کرتی ہیں۔ جب اس کی نیند کھلتی، تب بھی ان کی باتیں جاری رہتیں۔ ایک دن ماں بیٹی کو صبح تک نیند ہی نہیں آئی۔ اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے آخر میں رتنوا نے پوچھا "اب بھی تمھارا خاوند کبھی کبھی گاؤں جاتا ہے؟"

"جاتے بھی نہیں، چھوڑتے بھی نہیں اُسے ....."

"ایسی بات ہے، یہ ہمیں پہلے معلوم نہ تھا بیٹی۔ کیچڑ سے بچ کر گوبر میں گرنے کے برابر ہوا۔ جو بھی ہو، پھر بھی آدمی دوسری طرف دل لگاتا ہے تو بُرا ہی ہے۔"

"من چاہا خاوند ملنے کے لیے، قسمت اچھی ہونی چاہیے۔" تارا بولی۔

بیٹی کی بات سن کر رتنا کو ایسا لگا جیسے دل پر کسی نے پتھر داغ دیا ہو۔ تھوڑی دیر تک دونوں چپ رہیں۔ تارکا کی آنکھوں سے آنسوؤں کی بوندیں اس کے گالوں پر ڈھلک پڑیں۔ رتنا انھیں پونچھ کر رندھے ہوئے گلے کے ساتھ بولی: "کیوں؟ آدمی تو ٹھیک ہی نظر آتا ہے۔ اور دِس کو رکھنے دو۔ تمھارے ساتھ ٹھیک رہے، بس یہی چاہیے۔ مردوں کو روک کیسے سکتی ہو؟" بیٹی کے دل کی حالت نہ جاننے کے سبب رتنا کے منھ سے یہ الفاظ نکلے۔

"مردوں کو کوئی روک ٹوک نہیں۔ اسی لیے ایسا ہوتا ہے۔"

"کیا ہو گیا؟ اسے بھی سنبھال کے چلو۔ اس کے آنے پر ایک دو باتیں کر لیں۔ تمھارا وہ کیا لے جائے گی۔ اگر وہ اسے چاہتا ہے تو تمھیں بھی اس کے ساتھ بنا کر رکھنی چاہیے۔"

"ہاں، اسے بلا بھیجا تھا لیکن وہ آئی نہیں۔ ہم کیا کریں۔ صرف بچی آتی ہے۔ چار دن سے وہ بھی نہیں آئی۔ کہیں گاؤں گئے ہوں گے۔"

"بچی کیسی ہے؟ سندر ہے کیا؟"

"سندر ہے، بہت چالاک بھی ہے۔ وہ تو ایسے دانے کی طرح ہے جو بھن کر پھر پودے پر بھی اگ سکتا ہے۔ پہلے پہلے کوئی چیز دینے پر نہیں لیتی تھی۔ اب کوئی چیز چاہیئے ہو تو پیچھے پڑ جاتی ہے۔ وہ ایک دن نہ آئے تو میرا من نہیں لگتا۔ بہت باتیں کرتی ہے۔"

"ہمارے نصیب میں بچے نہیں۔"

"رہنے دو، بچوں سے کون سا سکھ مل جاتا ہے۔" اس موضوع پر بیٹی کی ناامیدی کو دیکھ کر رتنا دکھی ہوئی۔ وہ سوچنے لگی، ہماری تو یہ اکلوتی بیٹی ہے۔ ہم یہ سوچ رہے تھے کہ کم سے کم اس کے دو چار بچے ہوں گے لیکن بچے نہیں ہوئے۔ ایک گھر کے بعد دوسرے گھر میں شادی کی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے تارا کا بچپن سے لے کر آج تک کا جیون آ کر گذر گیا۔ آخر میں وہ بولی: "کہیں پوچھ تاچھ کر کے دیکھنا تھا بیٹی۔ تمھارے ساتھ کی لڑکیوں کے تو چار چار بچے ہو گئے ہیں۔ تم ویسی کی ویسی بیٹھی ہو۔"

"پوچھ تاچھ کرنے کی کیا ضرورت ہے! یہاں بھی سب ٹھیک ہے۔"

تارا کے منھ کی طرف دیکھتے ہوئے رتنا نے پوچھا: "کیا ٹھیک ہے؟"

"تمھیں دکھائی نہیں دیتا ہے؟"

"نہیں مجھے تو دکھائی نہیں دیتا۔"

"اس بار بھی ڈیڑھ مہینہ ہو گیا ہے مہینے کو ہوئے۔"

رتنا خوش ہوئی، تارا کو گلے لگا کر بولی: "جھوٹ تو نہیں بول رہی! سچ مچ ڈیڑھ مہینہ ہو گیا!" اس کی آواز میں سکون تھا۔

"جھوٹ نہیں، یہ تو سچ ہے مہینے کو ہوئے ڈیڑھ مہینہ ہو گیا۔" اس کے کہنے میں یہ تمنا جھلک رہی تھی کہ ماں کی خوشی میں کسی طرح کا خلل نہ پڑ جائے۔

"چھپا کیا رہی ہے، اس کی علامتیں معلوم نہیں ہوتیں کیا؟"

کچھ دیر چپ رہ کر، اداس لہجے میں تارا پھر بولی: "معلوم ہوتا ہے مہینہ پندرہ دن میں پھر مہینہ ہو جائے گا۔"

"تارا!"

"کیا؟"

"سب صاف صاف کیوں نہیں بتاتی؟ تمھاری بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔ بچے کب ہوں گے، یہ سوچتے ہم آسمان کی طرف آنکھیں لگائے بیٹھے ہیں۔ بارہ دیوتاؤں سے منتیں مانگیں اور تم ایک

بھی بات ٹھیک نہیں بتاتیں۔"

"کیا بتاؤں؟"

"تمھیں معلوم ہے؟"

"مجھے معلوم ہے لیکن ......" کہتے ہوئے تارا نے کروٹ بدلی۔ رتنوا نے سوچا کہ ماں کو دکھی نہ کرنے کے لیے تارا کوئی بات اس سے چھپا رہی ہے۔ تب اسے بہت دکھ ہوا۔ وہ اکلوتی بیٹی تھی۔ پہلے اپنے لوگ سمجھ کر رشتہ کیا گیا، وہاں بھی سکھ نہیں ملا۔ اب یہ بھی ایسا ہی گلے پڑا۔ یہ سوچ کر رات بھر اس کی آنکھ نہ لگی۔ دوسرے دن صبح رتنوا نے داماد کو بلا کر کہا: "آتے ہوئے چار پانچ دن ہو گئے۔ اب میں گھر جاؤں گی۔"

اپنّا بولا: "اور دو تین دن ٹھہر کر جائیے۔"

"ایسا نہ کہو بھیّا، گھر میں دودھ دینے والی بھینس ہیں۔ دودھ دُہنا پڑتا ہے۔ کھیت پر بھی جانا پڑتا ہے۔ وہ گھر میں اکیلے کیا کیا کریں گے۔ تمباکو کاٹنے کا وقت آگیا ہے۔ ایک کھیت کے نے کاٹے ہیں، باقی ویسے ہی پڑے ہیں۔ ابھی اس کا حساب جوڑنا ہے۔ بیل نہیں ملتے چار دن کے لیے۔ میں یہاں آئی تھی۔ کٹائی کا وقت کہیں رکا جا سکتا ہے؟"

"دو چار دن کے لیے میں ہی چلا چلتا ہوں۔ بیل اور گاڑی لے آؤں گا اور کام نبٹا کر لوٹ آؤں گا۔"

رتنوا حیران تھی۔ "ابھی تک داماد ایک بار بھی گھر نہیں آیا تھا۔ خرچ کے لیے کیا کیا جائے! یہ خیال اس کے دل میں پیدا ہوا۔ لیکن اب داماد ہی چلنے کے لیے کہہ رہا تھا تو اسے منع کیسے کیا جا سکتا تھا!" تو چلو دو دن ٹھہر کر آجانا۔ ہمیں کیا، کوئی بھی کام کرا دے، بہت ہے، لیکن تم کیسے آسکو گے گھر بار چھوڑ کر؟" اس نے کہا۔

"یہاں آج کل کوئی خاص کام نہیں ہے۔ کھیت کا کام سِدھّا دیکھے گا۔ کیلوں کو کل ہی پانی دیا ہے۔ اور میں جلدی لوٹ آؤں گا۔" داماد نے جواب دیا۔

لیکن اب رتنوا کے ذہن میں ایک خیال اور آیا۔ "پہلے گاؤں میں اسے اپنا سمجھ کر بیٹی کا رشتہ کیا تھا۔ لیکن اس نے کیا کیا! اور یہ ...... یہ تو چل کر کام کرنے کو کہہ رہا ہے۔ چلنے دو۔ اچھا ہے۔ جموا کی ناک تو کٹے گی" یہ سب سوچ کر رتنا بولی "تو آج ہی چلے چلو۔"

کھانا کھانے کے بعد اپنّا نے صندوق سے نئی ساڑھی نکال کر رکھی۔ بوڑھی امّوا، رتنوا سے بولی "بازار تو ہم جا نہیں پائے کیونکہ بازار بہت دور ہے اور گاؤں میں کپڑے کی

دو کانیں نہیں۔ یہ ساڑھی گھر ہیں بھی۔ اسے پہن کر جاؤ۔"

"ابھی کیوں؟ پھر کبھی پہن کر جاؤں گی۔"

"پھر آنے پر دوسری پہن لینا۔ اس وقت اسے لے لینے میں کیا ہرج ہے۔" اپنا نے تاکید سے کہا۔ "تمھاری دعا سے ہمارے یہاں کسی چیز کی کمی نہیں۔ تم شادی پر پہن کر نہیں گئیں۔ اب تو ساڑھی لینی ہی پڑے گی۔" کہتے ہوئے اپنا نے اصرار کر کے اسے ساڑھی پہنا ہی دی۔

رتنا خوشی خوشی ساڑھی پہن کر تیار ہوئی۔ باہر سیدھا نے بیل گاڑی تیار کر دی تھی۔ اپنا بھی نئے کپڑے پہن کر تیار ہوا اور نئی رنگین چابک لے کر گاڑی پر جا بیٹھا۔ تارکا نے گٹھڑی لا کر گاڑی میں رکھی۔ رتنو رخصت ہو کر گاڑی میں سوار ہوئی تو ماں اور بیٹی کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ اپنا مڑ کر بیوی سے ہنستے ہوئے بولا "چار دن میں آجاؤں گا۔" اس کی مسکراہٹ کو دیکھ کر رتنوا کو اپنی زندگی کے مکمل ہونے کا احساس ہوا۔ بیلوں کے گلے میں گھنگرو بج اٹھے۔ جب تک گاڑی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہوئی، ساس اور بہو دونوں انھیں دیکھتی رہیں اور پھر گھر واپس آگئیں۔

اپنا کے سسرال آنے کا مقصد وہاں کی تواضع کا مزہ لینا نہیں تھا بلکہ وہ تو فصل کی کٹائی کا کام پورا کروانے آیا تھا۔

چندور کے تمام لوگ کہتے تھے "مگدم کو اچھا رشتہ مل گیا ہے۔ ایسا رشتہ تو چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہ ملتا۔" کچھ لوگ یہ بھی کہتے "ان کا اور کون ہے۔ آخر ایک دن تو یہ سب کچھ اسی کا ہوگا۔ اس لیے سب اسی کو ہی آکر کرنا چاہیئے۔" ایسا بھی نہیں کہ یہ باتیں اپنا کے کان میں نہ پڑی ہوں۔ لیکن اس نے خوشی خوشی دوڑ دھوپ کر کے سارا کام سمیٹا۔ چار پانچ دن کے بعد ایک تولہ سونے کی انگوٹھی، دھوتی، پگڑی اور دیگر کپڑے لے کر گھر لوٹا۔ واپسی پر یہ بات پوری طرح اس کے دل میں بیٹھ گئی کہ ساس سسر کی تمام جائداد ایک دن اسی کو ملے گی۔ اسی لیے تو اس نے تارکا سے کہا "جب ہم تمھارے گاؤں پہنچے تو تمھاری وہ پاگل بوا بیلوں کی گھنٹیوں کی آواز سن کر باہر آئی تھی لیکن ہماری گاڑی دیکھ کر سر نیچا کر کے بھاگ گئی۔"

تارکا نے خوش ہو کر پوچھا "سچ! واقعی ایسا ہوا؟" پھر کچھ دیر رک کر اس نے پوچھا: "آپ لوگ کس وقت وہاں پہنچے؟ گاڑی ان کے گھر کی طرف کیوں گئی؟"

"رات کا ایک پہر ہو گیا تھا۔ بیل بھی بہت دھیرے گئے۔ ساس جی نے اسی طرف سے گاڑی لے چلنے کو کہا تھا۔ وہ جب گاڑی دیکھ کر واپس لوٹی تب ساس جی نے بتایا کہ وہ تمھا

ہے" اپنا نے جواب دیا۔

"اسے آپ نے اب تک نہیں دیکھا تھا؟" تارا نے سوال کیا۔

"اس کلموہی کو میں کیوں دیکھنے جاتا۔ شادی کے بعد میں تمھارے گاؤں گیا ہی کب تھا؟ اپنی بہو کو بھی وہ کل لائیں گے۔"

"کل لائیں گے! کیا وہ لوگ بھیجنے کے لیے تیار ہو گئے ہیں؟"

"بھیجیں گے نہیں تو کیا کریں گے؟ تین دن ہوئے، جما کو بیٹے نے الگ کر دیا ہے وہ روتی ہوئی لوگوں کے پاس بھی گئی تھی۔ سنا ہے ماں اور بیٹے میں جھگڑا ہو گیا تھا۔"

اسی طرح کی کئی باتوں کے دوران، اپنا نے تارگا کو ایک بات اور سنائی۔ "ندی کے راستے پر جب بھی میں کھلیان میں کسی اونچی جگہ پر کھڑا ہو کر کام کرتا تھا تو جو عورتیں پانی بھرنے کے لیے جا رہی ہوتی تھیں وہ مجھے مڑ مڑ کر دیکھتی تھیں۔ ایک لڑکی تو اس تاک جھانک کے چکر میں اپنا گھڑا تک پھوڑ بیٹھی۔"

شوہر کی یہ باتیں سن کر تارگا کے ہونٹوں پر ہنسی کھل اٹھی۔ اس نے سوچا "ہاں تم ہو ہی اس قدر خوبصورت کہ عورت تمھیں دیکھیں"۔ لیکن اس نے شوہر کی بات کا جواب نہ دیا۔

اسی طرح پانچ چھ سال گذر گئے۔ تارگا کے کوئی بچہ نہ ہونے کی وجہ سے اسے سکون نہ تھا۔ صحت بھی دن بہ دن خراب ہوتی جا رہی تھی۔ ماہواری بھی کبھی کبھی دیر سے ہونے لگی تھی اور پیٹ میں بھی جلن سی محسوس ہوتی تھی۔ دو ایک جگہ دکھایا گیا تو انھوں نے کہا کہ چند دن ہسپتال میں رکھ کر علاج ہوگا۔ وہ ان لوگوں سے نہیں ہو پایا حالانکہ میکے والے اس کے لیے تیار بھی تھے لیکن تارگا سے گھر نہیں چھوٹتا تھا۔ روزمرہ کا لین دین اسی کے ہاتھ میں تھا۔ اس کی دریا دلی کی بدولت کئی گھر خیر و عافیت سے پل رہے تھے۔ آس پاس کے لوگ اور نوکر چاکر تارگا کو اچھی عورت سمجھتے تھے اور وہ بھی کسی قسم کے لاگ لگاؤ کے بغیر ہنسی خوشی سے وقت گذار رہی تھی۔

لیکن اپنا کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔ وہ جب سے ایک بار سسرال ہو کر آیا تھا، وہ برابر وہاں جانے لگا تھا۔ کبھی کبھی بیوی کو بھی ساتھ لے جاتا تھا۔ گرمیوں میں وہیں ایک دو مہینے رہ کر کھیتی باڑی کے کام میں ہاتھ بٹاتا۔ فصل کی کٹائی کے وقت بیوی کو وہاں بھیج دیتا۔ کبھی کبھی رتنوا کو بھی اپنے یہاں لے آتا۔ اس طرح وہ مٹّل کا دل بھی جیتنے لگا۔ وہ ایسا ظاہر کرتا جیسے اس کے نزدیک گھر اور سسرال میں کوئی بھی فرق نہ ہو۔ ساتھ ساتھ وہ یہ کوشش بھی کرتا کہ ساس کا

کا دل اس کے میکے اور بھتیجوں کی طرف مائل نہ ہو۔ ایک بار جب رتنو اہوا گیری گئی تو تارکا نے انرت کا ذکر کیا۔ اس بات پر اپنا نے جھگڑا ہی کھڑا کر دیا: "ہم ان کی سیڑھی بھی نہیں چڑھیں گے۔ آپ ان کا نام ہمارے گھر میں نہ لیں اور اگر آپ لوگ چاہیں تو سب انھیں کے گھر چلے جائیں۔" اس نے یہ باتیں غصے کی حالت میں کہی تھیں۔ اس لیے رتنو گھبرا سی گئی۔ اس نے داماد کو سمجھایا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اس خیال سے کہ داماد کے دل کو ٹھیس نہ لگے، اس نے میکے والوں کو بھلا دینے کی کوشش بھی شروع کر دی۔

اپنا کو کبھی کبھی اولاد کی کمی بہت مایوس کر دیتی تھی۔ اسے اس اتار چڑھاؤ سے عاری زندگی کی یکسانیت سے اکتاہٹ سی ہونے لگتی تھی اور مشین کی طرح محنت کرتے کرتے اسے زندگی سے نفرت سی ہونے لگی تھی۔ وہ کبھی کبھی سوچتا کہ اولاد کے لیے دوسری شادی کر ڈالے لیکن ساتھ ہی اسے خیال آتا کہ ایک بیوی کی موجودگی میں اسے اس عمر میں لڑکی کون دے گا۔ اس کے علاوہ اسے سسرال کی جائیداد کا بھی خیال آتا اور وہ دوسری شادی کا خیال وہیں چھوڑ دیتا۔ لاکھ چھپانے کے باوجود تارکا اس کی ذہنی حالت کو بھانپ لیتی لیکن اس سے اسے کسی قسم کی رنجش یا خوشی محسوس نہ ہوتی۔ وہ خود ہی اسے بار بار کہتی "آپ چاہیں تو دوسری شادی کر لیں۔ ہو سکتا ہے اُسی سے اولاد ہو جائے۔"

"ہمیں بچے کیوں چاہئیں۔ ہم دونوں آرام سے ہیں، کیا اتنا کافی نہیں ہے؟ اور ہمارے پاس کون سی بڑی جائیداد ہے۔" وہ دل کی بات چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے کہتا۔ لیکن صاحبِ اولاد ہونے کی آرزو کو پوری طرح چھپا نہ پاتا اور اس کی اس درپردہ خواہش کے پیشِ نظر تارکا اپنی بات سا س پر ڈالتے ہوئے کہتی "شادی آپ چاہے کریں یا نہ کریں لیکن ڈاکٹر کو دکھا کر اپنی صحت تو ٹھیک رکھیے۔ ایک معمولی سا پھوڑا بھی ہو جائے تو جلدی ٹھیک نہیں ہو پاتا۔ کل ماں کہہ رہی تھی آپ کا خون خراب ہو گیا ہے۔"

اپنا کے چچیرے بھائی کی لڑکی کی شادی اینا پور میں طے ہو گئی تھی۔ سارے گھر میں تیاریاں ہو رہی تھیں۔ تارکا کی چچیا ساس نے تاکید سے کہا: "آپ دونوں کو چلنا ہی پڑے گا۔ میری اکلوتی پوتی کی شادی ہے۔"

اپنا شادی پر جانے کو تیار ہو گیا اس نے تارکا کو کہا "چلو دونوں چل کر بچی کی شادی کرا آئیں۔ ہماری شادی میں بھی انھوں نے دو دن تک کام کیا تھا۔"

تارا بولی "میں جانا نہیں چاہتی۔ آپ ہو آئیے۔"

"نہیں جاؤ گی تو وہاں کنیادان کون کرے گا۔ انھوں نے پہلے ہی کہہ دیا ہے۔ میں اکیلا جاکر کیا کروں گا۔ ایک ساڑھی بھی ملے گی۔ اسے کیوں چھوڑتی ہو۔ میری پہلی شادی میں انھوں نے کلس اٹھایا تھا اور انھیں ایک ساڑھی بھی ملی تھی۔ معلوم ہوتا ہے اب اسے اتارنا چاہتے ہیں۔"

"یہ سب ٹھیک ہے لیکن میں اپناپور یہ منھ لے کر جانا نہیں چاہتی۔"

"اس سے کیا ہوا۔ ہم نے کوئی ان کے باپ کا مال کھایا ہے؟ یا ان کے گھر جارہے ہیں۔"

"گاؤں جاکر، ان کے گھر گئے بنا لوٹ آئے تو لوگ کیا کہیں گے؟"

"کچھ بھی نہیں کہیں گے۔ اگر کسی نے کچھ کہا تو میں اسے بتاؤں گا۔ تم چلو تو!"

"لڑکے کی شادی پر نہ بھیجا۔ خیر وہ تو کوئی بات نہیں۔ ماما کے مرنے پر بھی نہ جانے دیا" اپنا تارکا کی بات بیچ میں ہی کاٹ کر بولا "گلے کا ہار اتروا کر جاتے وقت ماما کو خیال نہیں آیا تھا؟ کیا ہم لوگ بھک منگے ہیں۔ کہاں کا ماما اور کہاں کا رشتہ۔ آج کل کوئی کسی کو کچھ نہیں سمجھتا۔ ماما بننے والے نے ایک دن گھر لے جاکر ساڑھی تک تو پہنائی نہیں۔ اس کے لڑکے کیا رشتہ نبھائیں گے بھلا! ان کو اپنے بیوی بچوں کے بیچ تمھارا خیال بھی نہیں آتا ہوگا۔ تم ہو کہ ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا والی بات کرتی ہو۔ آیندہ اگر ان کا نام لیا تو اچھی طرح بتاؤں گا تمھیں۔"

اپنا کے منھ سے یہ سن کر کہ انھیں بیوی بچوں کے بیچ اس کا خیال تک نہ آتا ہوگا، ناقابل بیان اذیت پہنچی۔ اس نے دل میں سوچا اپناپور جانے سے کم از کم ایک بار تو اننت کے درشن ہو جائیں گے۔ یہی سوچ کر وہ بولی "اس طرح ان کے یہاں آنے جانے سے میرے ماں باپ زمین جائیداد آپ کے نام کر دیں گے کیا؟ معلوم نہیں آپ کیا سوچتے رہتے ہیں۔" تارکا کی اس بات نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ اپنا کا غصہ ایڑی سے چوٹی تک پہنچ گیا۔ لیکن اس نے آپ کو روک لیا۔ اس کے منھ سے ایک لفظ بھی نہ نکلا اور یہ سوچ کر کہ بات آگے بڑھانے سے جھگڑا بڑھے گا وہ آنکھوں سے انگارے برساتا ہوا باہر نکل گیا۔

دوسرے دن صبح اننت گاگرے کر ابھی باہر ہی آیا تھا کہ ایک پڑوسی نے پوچھا "رات تارا تمھارے گھر آئی تھی؟"

اننت نے تعجب سے پوچھا "نہیں تو۔ کہاں ہے؟"

"ان کے گھر کی لڑکی، دن کدرے کے گھر بیاہی گئی ہے۔ میاں بیوی دونوں آئے ہیں۔ آدمی اچھا ہے" اننت دکھے دل سے ایک پودے کی شاخ پر نظریں جماتے ہوئے جانے لگا یہ کہتے ہوئے کہ "رات اندھیرا ہو گیا ہوگا۔ آج آسکتے ہیں۔"

اتنے میں دوسرے گھر سے اس کی ماں کی غصے بھری آواز سنائی دی "وہ ہمارے گھر کیوں آئے گی؟ ان کی موت پر بھی نہیں آئی۔ کیا اسے معلوم نہیں۔ آخر ہم نے ایسا کیا کر دیا ہے جس سے ہماری اتنی بے عزتی ہو رہی ہے۔ چھوٹی تھی تو کتنا آیا جایا کرتی تھی۔ اب اچھا آدمی مل گیا ہے تو ہمیں کوڑے برابر بھی نہیں سمجھتی۔"

اننت کچھ نہیں بولا۔ گاگرے کر چل دیا۔ لیکن واپسی پر اس کے پاؤں خود بہ خود گدرے کے مہمان خانے کی طرف مڑ گئے۔ رات دیر سے سونے کی وجہ سے کچھ لوگ ہی جاگ پائے تھے۔ گھر کے اندرونی حصے میں سات آٹھ عورتیں سوئی ہوئی تھیں۔ اس لیے وہاں جانے میں اسے ہچکچاہٹ محسوس ہوئی۔ باہر بیٹھے ایک آدمی سے اس نے پوچھا "ہماری تارا یہاں ہے کیا؟"

اننت کی آواز سن کر تارا باہر آئی۔ پھر بھی اننت تارا کو ایک دم پہچان نہ پایا۔ تارا نے اس کے منھ کی طرف دیکھا۔ اننت کے بے رونق اور بجھے ہوئے چہرے کو دیکھ کر تارا کو تشویش ہوئی۔ اننت نے آگے بڑھ کر پوچھا "کب آئیں تارا؟" لہجہ بہت بوجھل اور سنجیدہ تھا۔

یہ آواز سن کر تارا کے دل میں بیتے دنوں کی یاد ابھر آئی۔ وہ سر جھکا کر بولی "کل رات کو۔"

"تمھیں دیکھے بہت دن ہو گئے۔ ایسی کیوں ہو گئی ہو تم؟"

تارا کچھ نہ بول سکی۔ بس خاموش سر جھکا کر کھڑی رہی۔ لیکن اننت نے جب اس طرح خیر و عافیت پوچھی تو اسے خوشی ضرور ہوئی۔

"اپو بھائی کہاں ہیں؟ وہ بھی تو آئے ہیں۔"

"آئے ہیں۔ ابھی شادی والے گھر گئے ہوئے ہیں۔ بیٹھو۔ ابھی آجاتے ہیں۔ چائے بناتی ہوں۔ پی کر جانا۔" یہ کہہ کر اس نے اننت کے منھ کی طرف دیکھا۔ لیکن یہ نہ پوچھ پائی کہ اس کی حالت ایسی کیوں ہو گئی ہے۔

"میں گاگرے کر آیا ہوں۔ ویسے ہی اس طرف آ گیا تھا۔ پھر آؤں گا۔"

"پھر آنے کی بات ہے؟ شادی کا موقع ہے۔ دو تین دن یہاں آجاؤ۔"

"میں کہاں آتا جاتا ہوں؟ تم گھر کی طرف تو آؤ۔"

"دیکھیں گے۔ شادی کا گھر ہے۔ فرصت ملی ...... تو ......" تارا ایک ایک لفظ تول کر بولی۔

"فرصت کی کیا بات ہے؟ دوپہر کو آجاؤ" اتنا کہہ کر اننت چلا گیا۔

شادی اچھی طرح ہو گئی۔ کنیادان تارا اور اس کے شوہر ہی نے کیا۔ تب تارا کا اور اپنا کو بٹھا کر ایک اور گانٹھ باندھی گئی۔ پنڈت نے تارا سے کہا شوہر کا نام بتانے پر ہی گانٹھ

کھلے گی۔ اپنّا نے ہنستے ہنستے بیوی کا نام بتا دیا۔ لیکن تارا ہچکچاتے ہوئے بولی "نہیں میں نام نہیں لے سکتی ۔" یہ سن کر عورتیں بولیں " ان کا نام نہیں لے سکتی تو اس سے ملتا جلتا کوئی نام لو۔" پھر تارکا نے کچھ رک رک کر پہیلی بجھانے کے انداز میں شوہر کے نام کی جگہ اننت کا نام لیا۔ لوگوں نے سمجھا کہ اس نے کوئی مقدس نام لیا ہے۔

لیکن تارکا کا دھیان ان باتوں میں سے کسی کی طرف نہ تھا۔ وہ گاؤں کی ایک بوڑھی عورت کو ایک طرف لے جا کر پوچھنے لگی "نئے گھر والے کیسے ہیں؟ راموماما کے مرنے کے بعد دکان اور سب کاروبار کیسا چل رہا ہے؟"

"کون؟ تم نئے گھر والے راموکے بیٹے اننتو اور نابھوکے بارے میں پوچھ رہی ہو؟ وہ تمھارے کیا لگتے ہیں؟"

"میرے؟ وہ میری ماں کے میکے والے ہیں۔"

"تو یہ بات ہے۔ تم رتنا کی بیٹی ہو۔ ارے میں نے تو پہچانا ہی نہیں۔ کیا تم ہمارے لیے دُور کی ہو؟ ارے راموتو میرے بڑے بھائی کا ہی لڑکا تھا۔"

تارا نے گہری سانس لے کر کہا "وہ میرے سگے ماما تھے۔ پر اب نہیں رہے۔"

"ہاں بیٹی۔ سونے جیسا آدمی تھا۔ اس کے مرتے ہی گھر کی ساری برکت ختم ہوگئی۔ چار ہی دن میں لڑکے الگ ہوگئے۔ چھوٹے کی بہو ہوشیار ہے۔ بڑے کو تو کسی بات کا پتہ ہی نہیں ہے۔ سندرا بھی اس سے جھگڑ کے چھوٹے بیٹے کے ساتھ رہتی ہے۔ آج کل روز میاں بیوی کے درمیان جھگڑا ہوتا رہتا ہے۔ وہ بھی تو تیر دال کی لڑکی ہے۔ زبان اتنی تیز ہے کہ سننا بھی مشکل ہے۔" پھر رک کر بولی "وہ بھی بے چاری آخر کیا کرے۔ گھر میں وہ بیوی کو ٹھیک طرح رکھتا نہیں۔ ویسے اندرا کو ہی اچھی لڑکی کہا جانا چاہئیے۔ دوکان کا ستیاناس کر دیا ہے۔ اپنے حصے کا ایک کھیت بیچ ڈالا۔ لیکن اب بھی اسے عقل نہیں آئی۔ کیا بتائیں دو دو بچے بھی ہوگئے ہیں۔" اتنا کہہ کر بڑھیا خاموش ہوگئی۔ لیکن اندر سے ایسا لگتا تھا کہ جیسے وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتی ہے۔

تارا نے دکھ بھرے لہجے میں کہا "برا وقت آجائے تو ایسے ہی ہوتا ہے، اماں جی!"

"اس نے غرور میں آکر سب کچھ لٹا دیا۔ اسے کون بچا سکتا ہے؟" پھر چاروں طرف دیکھ کر بوڑھی بولی" اس چھوٹی کے پیچھے پڑگیا۔ وہ سب مرنے مارنے پر تیار ہوگئے تھے۔" پھر آواز کو دھیما کر کے ہاتھ مٹکا کر بولی" اسے اڑا کر لے بھاگا۔ کہاں؟ کولہاپور کی طرف بہت دُور۔ سنا ہے اسے وہاں گاؤں میں رکھا ہوا ہے۔ تو کیا اب اس کا خرچ نہیں اٹھانا پڑے گا۔ آخر

وہ لڑکی اپنے ماں باپ کو چھوڑ کر اس کے پیچھے آئی ہے۔ اب ایسے میں اِدھر اور اُدھر دونوں طرف کا خرچ اٹھانے میں بیڑا غرق نہیں ہوگا کیا؟"

تارا کو یہ باتیں سن کر بڑا دکھ ہوا۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا سا چھا گیا۔ سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ بوڑھی نے سمجھا کہ ماما کے گھر کی حالت سن کر افسوس ہوا ہے۔ اتنے میں تارکا کے منھ سے نکلا "کیسی ہے وہ خوش نصیب!" کہا نہیں جا سکتا اس لہجہ میں حسد تھا یا اطمینان۔ "خوبصورت ہے۔ بڑی بڑی آنکھیں ہیں۔ ماتھے پر کُم کُم لگاتی ہے ہو بہو تمہارے جیسی ہے۔ تم ذرا سوکھ گئی ہو۔ اس کا بدن بھرا بھرا سا ہے۔" پھر کچھ رک کر بولی "اس سے کیا ہوا؟ خوبصورت ہونے سے بھی کیا؟ پڑھی لکھی ہے اسے ایسا کرنا چاہیئے تھا؟ آگ لگے اسے بھی اور اس کی خوبصورتی کو بھی۔"

تارکا نے اپنے جی میں سوچا وہ بہت خوبصورت ہوگی۔ اس کے منھ سے صرف ایک ٹھنڈی سانس ہی باہر نکل سکی۔ بوڑھی کہتی رہی "اب اگر وہ ایسا کرے تو گھر میں بیوی کیا کرے گی۔ کیا وہ کڑھے گی نہیں؟ اس نے بھی اس کی دیکھ بھال چھوڑ دی ہے۔ دھیرے دھیرے اس نے مہینوں گھر آنا چھوڑ دیا ہے۔ آنے پر بھی اِدھر اُدھر کھاتا ہے۔ وقت پر کھانا نہیں۔ آنکھوں میں نیند نہیں۔ فصل کی کٹائی کے وقت کھیت میں پڑا رہتا ہے۔ کسان بھی کیا کریں! انھیں اپنے کام سے مطلب۔ گاؤں میں گھر ہے اس لیے اسے کھانے کو کوئی کیسے بلائے۔ کبھی کبھی گھر آتا ہے اور اب تو اس نے گھر چھوڑ ہی دیا ہے۔ اب اسے آئے پندرہ روز ہو گئے ہیں۔ دیکھا کیسا ہو گیا ہے۔ سفید پونی کی طرح۔ اتنا کمزور ہو گیا ہے کہ پرسوں میں اسے پہچان ہی نہ پائی۔" بوڑھی کے لہجے میں رحم کا رنگ تھا۔ وہ آگے بولی "اب جسم میں رہ بھی کیا گیا ہے۔ ایک دم بوڑھے کی طرح گھومتا رہتا ہے۔ اب زیادہ دن چل نہیں سکے گا۔"

تارکا کا منھ لاش کی طرح سفید ہو گیا۔ کانپتے ہوئے اس نے کہا: "آپ کیا کہتی ہیں؟"

"بیٹی پرسوں کوئی کہہ رہا تھا کہ مرجی کے ہسپتال میں اس کی چھاتی کا فوٹو کھنچوایا جائے۔ اسے تو بہت بڑی بیماری ہو گئی ہے اور اس بیماری میں تو آدمی ویسے ہی دبلا ہوتا جاتا ہے۔"

تارکا دکھ بھرے لہجے میں بولی "ہمارے ماما کتنے نیک آدمی تھے ان کی نیکی کا کوئی بھی اثر ان پر نہیں پڑا!"

بوڑھی آگے بولی "اتنا بُرا روگ ہو گیا ہے کہ دونوں بچوں کو اس کے پاس تک نہیں جانے دیتے!"

"گھر میں بھی کوئی سکون ہے کیا؟ اگر گھر آئے تو چار چار دن باہر کے کمرے میں ہی پڑا

رہتا ہے۔"

تارنگا اٹھ کر چل کھڑی ہوئی۔ اسے یہ بھی خیال نہیں رہا کہ سامنے بوڑھی بیٹھی ہے۔ وہ سوچ رہی تھی۔ اننت کی یہ حالت کیوں ہوئی۔ اگر ہم دونوں ساتھ رہتے تو کیا اس کی یہ حالت ہو پاتی۔ ایسے حالات میں اس سے مل کر بات نہ کرنا ٹھیک نہیں ہوگا۔ اس کی بات نہ ماننے سے ہی اس کی یہ حالت ہوئی ہوگی۔ لیکن اب اس سے کیسے ملا جائے۔ شوہر سے پوچھنے پر کیا وہ جانے دے گا۔ اتنے لوگوں کے بیچ کچھ کہہ بیٹھا تو......؟ انھیں خیالات میں ڈوبی ہوئی وہ کسی طرح ایک کھمبے کا سہارا لے کر کھڑی ہوگئی۔ شادی میں آئی عورتوں کا ایک جھنڈ گھومنے جا رہا تھا۔ یہ سب گاؤں کی عورتیں تھیں۔ بڑے گاؤں آنے پر وہاں کے بازار اور مندر دیکھنے کی خواہش فطری تھی۔ اس لیے وہ سب باہر نکل کھڑی ہوئیں۔ معلوم نہیں تارنگا کو کیا سوجھی کہ ایک دم "میں بھی آتی ہوں" کہہ کر ساتھ چل پڑی۔ ان عورتوں کو بھی خوشی ہوئی۔ انھوں نے کہا "چلو ساتھ رہے تو اچھا ہے۔ ہمیں سب دکھلائے گی؟" ہاں کہہ کر تارنگا سب کے آگے ہو لی۔

راستہ دکھانے کی ذمہ داری تارنگا پر آ پڑی۔ لیکن وہ کسی اور ہی راستے پر جانا چاہتی تھی۔ اس لیے وہ انھیں نئے گھر والوں کے گھر کے سامنے والے راستے پر لے چلی۔ اننت باہر کے کمرے ہی میں بیٹھا تھا۔ اس نے دور سے عورتوں کے جھنڈ کو آتے ہوئے دیکھا۔ یہ سوچ کر کہ وہ اس کے گھر ہی آ رہی ہوں گی وہ کمرے میں سے باہر آیا۔ تارنگا نے اسے دیکھا تو تھوڑی دیر کے لیے بھول گئی کہ اس کے ساتھ دوسری عورتیں بھی ہیں۔ اس کا دل تیزی سے اس کی طرف کھنچنے لگا۔ ذرا آگے بڑھ کر اس نے اننت سے پوچھا "سدھورائے کا مندر دکھانے کے لیے کوئی ہے؟"

"کیوں، کون لوگ جانے والے ہیں؟"

"شادی میں آئی سبھی عورتیں جانا چاہتی ہیں۔ ذرا کسی کو ساتھ بھجوا دو۔" عورتوں میں سے ایک نے پوچھا "کیوں تم نے نہیں دیکھا؟" تارنگا بولی "میں نے دیکھا ہوا ہے۔ لیکن میں ذرا اپنی مامی سے مل کر آتی ہوں۔ تم لوگ ذرا آگے چلنا۔ تمھارے ساتھ کوئی نہ کوئی لڑکا جائے گا۔"

اننت نے گلی میں کھیلتے ہوئے ایک لڑکے کو بلا کر مندر دکھانے کے لیے ان عورتوں کے ساتھ بھیج دیا۔ عورتیں آگے بڑھ گئیں۔

"واپسی پر ان کو اسی طرف سے لے آنا۔" لڑکے سے اتنا کہہ کر تارا اننت کے کمرے میں چلی آئی۔

اننت کا چہرہ بے رونق لیکن پُر سکون تھا۔ وہ تارکا کو دیکھ کر ہنس پڑا۔ اس کی ہنسی میں بھولا پن تھا۔ پھر بھی اس نے مذاقاً پوچھا "اب کہیں چلیں۔ ساتھ چلوگی؟"

تارکا نے اننت کے منھ کی طرف دیکھا۔ اس نے مسکرا کر سر جھکا لیا۔ اس ہنسی سے اور کچھ ظاہر ہو نہ ہو لیکن یہ بات ضرور محسوس کی جا سکتی تھی کہ تمھاری ان باتوں سے میں نے تمھارے دل کی باتیں جان لی ہیں۔ تمھارے تمام جذبات کو پڑھ لیا ہے۔ وہ اننت کے بارے میں معلوم نہیں کتنی باتیں پوچھنے آئی تھی لیکن ایک بات بھی نہ کر سکی۔ زبان ہی نہ ہلی۔

آخر اننت نے ہی خاموشی توڑی۔ اس نے پوچھا "لوگوں کے انگلی اٹھانے سے ڈرتی ہو؟" لیکن تارکا تب بھی خاموش رہی۔ دوبارہ بھی اننت ہی بولا: "اس بات سے کیا ڈرنا..... باپو کی موت کے بعد میں نے سب ڈر چھوڑ دیا ہے..... جب تم ساتھ چلنے کو تیار تھیں، میں نہ آیا۔ تمھیں دوسروں کے ہاتھوں میں دے دیا گیا..... آ گئے ہیں....." کچھ کہنا چاہتے ہوئے بھی کہہ نہ پایا اننت، تاہم اس نے بات پوری کی۔ "ایسا ہو گیا۔ تم بھی ایسی ہو گئیں۔"

اننت کی باتوں میں بڑی معصومیت تھی۔ گزری باتوں کو ہنس ہنس کر بیان کر رہا تھا۔ تارکا کو بڑی پریشانی ہو رہی تھی اس کی باتیں سُن کر۔ اس نے اپنے دل میں کہا "اب کیا ہے۔ کسی نہ کسی دن کوچ کرنا ہی پڑے گا" پھر رک کر بولی "تم کہیں چلنے کے لیے کہتے ہو تو مجھے بُرا نہیں لگتا بلکہ مجھے یہ جان کر خوشی ہوتی ہے کہ اب بھی مجھ سے پیار کرتے ہو۔"

پھر کچھ دیر تک دونوں خاموش رہے۔

"اننت"

"کیا؟" اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے اننت نے پوچھا۔

"تمھیں دیکھنے سے لگتا ہے کہ تم بہت اتر گئے ہو۔ ایسا کیوں کر لیا؟" اس کے لہجے میں اپنائیت تھی۔

"کیا کہا؟"

"میں کیا بتاؤں؟" اتنا کہہ کر تارا رو پڑی۔ اننت کا چہرہ پشیمانی سے سفید ہو گیا۔ اس نے دل ہی دل میں کہا "مجھ سے غلطی ہو گئی ہوگی لیکن تم میری نہ رہیں تو میں کیا کرتا" پھر تارکا کی طرف دیکھ کر بولا "تم اچھی تو ہو؟"

"اچھی ہوں۔ لیکن کس کے پاس؟"

"کہیں بھی ہو۔ لیکن تمھاری صحت کیوں اتنی گر گئی ہے؟"

تارکا نے اننت سے کوئی بات نہیں چھپائی" ان کا جسم تندرست نہیں ہے۔ بہت بُری بیماری لگ گئی ہے۔ پر جسے شوہر ٹھہرایا گیا ہے اس کے ساتھ تو زندگی گذارنی ہی پڑے گی؟"

"لیکن میرا تو ستیاناس ہو گیا" یہ کہتے ہوئے اس نے نہ جانے کیوں اپنی زبان کاٹ لی۔

"بچے کیسے ہیں؟ تمھاری بیوی کیسی ہے۔ مجھے نہیں دکھاؤ گے؟"

بیوی کی بات سن کر اس کا سر چکرانے لگا۔ اکتا کر بولا" اسے کیا دیکھوگی اور ناپسندیدہ بیوی کے بطن سے ہونے والے بچوں کا بھی کیا کہنا؟"

"اس سے تم اتنے بیزار کیوں ہو؟"

"تم ہی بتاؤ۔"

"........"

تارکا بیٹھے بیٹھے رونے لگی۔ ہر طرف اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ مندر گئی عورتیں لوٹ رہی تھیں۔ اننت اس کے پاس بیٹھ کر اپنے بے جان ہاتھوں سے اس کے بال سہلاتے ہوئے بولا" تمھارے گاؤں کی عورتیں آگئیں۔ اٹھو۔"

"آنے دو۔"

"ان کے ساتھ نہیں جاؤ گی؟"

"نہیں۔ میں یہیں رہوں گی۔"

"پاگل ہو گئی ہو کیا؟"

"اب نہیں چاہیئے۔ اس دن کیا ہیں تمھارے.....؟" اننت کی آنکھوں سے شرمندگی کے دو بڑے آنسو نکل کر تارکا کے منھ پر گر پڑے۔

تارکا اٹھ کر اس کے آنسوؤں کو پونچھتے ہوئے بولی" جاتے وقت مجھے تکلیف ہو رہی ہے اس لیئے کہہ دیا۔"

"وہ میں جانتا ہوں" اننت آنسو روک کر بولا۔

"پھر مجھے کیوں بھیج رہے ہو؟"

"تم یہیں رہنا چاہتی ہو کیا؟"

"......."

اننت ہچکیاں لے کر رونے لگا۔ پھر اپنے درد کو ضبط کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے بولا" تم مجھے بھول تو نہیں جاؤ گی؟"

تارکا اس کے چہرے کی طرف دیکھ کر بولی "تم مجھے بھول پاؤ گے؟" اتنے میں عورتوں کا ٹولا آگیا اور تارکا اننت کو چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

21

اننت کے سارے کھیت بک چکے تھے اور اب صرف دو ہل کی کھیتی باقی رہ گئی تھی۔ گھر میں اناج بھی نہیں تھا اور چیت ابھی دور تھا۔ وہ دن میں دو بار گھر جاتا اور بیوی جو کچھ بھی سامنے رکھ دیتی کھا کر باہر جا بیٹھتا۔ اس طرح کی زندگی سے اب وہ اوب چلا تھا۔ وہ باقی کھیت بھی فروخت کر دینا چاہتا تھا لیکن چونکہ اس کی بیوی ہمیشہ روکتی رہتی تھی اس لیے وہ کھیتی بچی ہوئی تھی۔ تیر دال سے کبھی کبھی اس کا سالا آیا کرتا تھا۔ وہ اپنے ساتھ کچھ نہ کچھ اناج ضرور لے آتا تھا۔ اس سے اس کے دونوں بچوں، اندرا اور خود اس کا کھانا پینا چلتا تھا۔ اننت کا سالا بہن کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا تھا اس لیے اس نے فیصلہ کیا کہ اسے میکے لے جانا چاہیئے۔ اس نے اننت سے پوچھا بھی لیکن کچھ جواب نہیں ملا۔ جاتے وقت بیوی نے کہا: "چار دن کو ہو آتی ہوں۔ تم ماں کے یہاں کھانا کھا لیا کرنا" اننت نے صرف "اچھا" کہا اور بس۔

دو تین دن تک وہ بھائی کے یہاں کھانا کھاتا رہا۔ بھاوج دس باتیں سنا کر ایک روٹی کھلاتی۔ کھانے کے لیے جاتے ہوئے اس کی روح فنا ہونے لگتی لیکن اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ اس لیے چار بار گیا اور دو دو لقمے کھا کر لوٹ آیا۔ اس کی ماں اس سے بولتی نہ تھی۔ وہ اس کے چال چلن کے کارن اس سے ناراض تھی۔

ایک دن دوپہر کا کھانا کھا کر بیٹھا ہی تھا کہ ڈاکیے نے ایک خط لا کر دیا۔ اننت نے اسے دیکھا۔ تحریر جانی پہچانی تھی۔ کانپتے ہاتھوں سے کھول کر پڑھنے لگا۔ خط میں لکھا تھا:

"اب میں یہ کس طرح لکھوں کہ یہاں سب خیریت ہے۔ آپ ڈاکٹر کو دکھا کر جلدی لوٹ آنے کو کہہ گئے تھے لیکن اب تک نہیں لوٹے۔ یہ سن کر کہ آپ دن بہ دن کمزور ہوتے جا رہے ہیں، میرے ہاتھ پیر ٹھنڈے پڑتے جا رہے ہیں۔ آپ نے ڈاکٹر کو دکھایا کہ نہیں۔ کیا کہا اس نے؟

مرجی کے ہسپتال اگر چار دن ٹھہرنے کی ضرورت پڑی تو میں آپ کی تیمارداری کے لیے آؤں گی۔ کچھ دیر وہاں رہ کر علاج کروائیے۔ ضرورت ہو تو دیکھ بھال کے لیے گھر والے بھی آ سکتے ہیں۔ میں باہر کا کام سنبھال لوں گی۔ خرچ کی فکر نہ کریں۔ مجھے معلوم ہے آپ کو میرے زیورات لینے میں تامل ہے۔ لیکن سچ یہ ہے کہ زیورات سارے آپ کے ہی ہیں۔ ان میں میرے بھی کچھ ہو سکتے ہیں۔ لیکن مجھے ان زیوروں کا کیا کرنا ہے جو آپ کے کام نہ آ سکیں۔ آپ ٹھیک ہو جائیں۔ مجھے تو بس یہی چاہیے۔ میرا زیور بھی آپ ہیں اور میرا سونا بھی آپ ہیں!

"آپ جانتے ہیں کہ میں اس گھر میں بیٹھ کر آپ کا انتظار کرتی ہوں ایک گاڑی آتی ہے اور اس میں آپ نہیں ہوتے تو دوسری گاڑی کا انتظار کرنے لگتی ہوں۔ انتظار میں ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے صدیاں بیتی جا رہی ہوں۔ اکثر سوچتی ہوں کہ جو گاڑی آپ کو لے کر نہیں آتی وہ آتی ہی کیوں ہے۔ یہ خط لکھتے وقت بھی میں آپ کی منتظر ہوں کہ شاید آپ شام کی گاڑی سے آ رہے ہوں۔ دیکھیے نا! دل تو وہی سوچتا ہے جو اسے چاہیئے۔

"آج صبح عجیب واقعہ ہوا۔ مجھے لگا کہ میں گہری نیند میں سوئی ہوئی ہوں اور آپ بڑی دیر سے دروازہ کھٹکھٹا رہے ہیں۔ میں نے دروازہ نہیں کھولا۔ گاڑی کی سیٹی سنائی دی۔ میں ایک دم اٹھ کر بھاگی۔ دھڑام سے دروازہ کھول کر کہا "آئیے!" لیکن سامنے دودھ والا کھڑا تھا۔ بعد میں محسوس ہوا آپ نے سپنے میں بلایا ہوگا۔

"دودھ والا دودھ لا دیتا ہے۔ پانی والا پانی بھر جاتا ہے۔ بے بسی میں کھانا پکا کر کھا لیتی ہوں گاڑیاں ہمیشہ کی طرح آتی جاتی رہتی ہیں۔ لیکن آپ کے بغیر میری زندگی ایک بے روح مشین کی طرح ہے۔ میں آپ سے ہاتھ جوڑ کر التجا کرتی ہوں کہ آپ کے ساتھ سدا آپ کے سائے کی طرح رہنے والی اس غریب بھنگاری کو آپ نہ بھولیں۔"

اس خط کے بعد تین چار روز تک وہ بھائی کے گھر کھانا کھانے نہیں گیا۔ پہلے دن کھانے کے لیے نہ جانے پر کسی نے توجہ نہیں کی۔ لیکن ماں کا دل نہ مانا۔ اس نے چھوٹی بہو کے سامنے کہا۔ "معلوم نہیں کیوں اننت دو دن سے کھانا کھانے نہیں آیا۔"

اس نے بے مروت لہجے میں کہا "ساس کے گھر گئے ہوں گے۔ بیوی بھی تو نہیں ہے۔ ان کا کیا ہے۔ چار دن وہاں اور چار دن یہاں۔ زندگی کے دن یونہی کاٹ رہے ہیں۔"

بہو کی باتیں سندر بائی کے دل میں چبھ سی گئیں۔ بولی "اچھے وقت تو وہ وہاں گیا نہیں۔ اب صحت ٹھیک نہیں ہے تو وہ کہاں جائے گا۔"

چھوٹی بہو کچھ نہ بولی۔ ساس نے بھی بات آگے نہ بڑھائی۔ لیکن اپنے دل میں سوچا "وہ شاید بھنگاری کے وہاں چلا گیا ہوگا"۔

دوپہر کو ایک پڑوسن نے آکر سندر بائی سے کہا "سنا ہے انت نے وہ نیچے والا کھیت بھی بیچ ڈالا۔ اب گھر کیسے چلے گا؟"

"آگے کیا کرے گا؟ بچوں کے ہاتھ کاسہ پکڑائے گا۔ اس گھر میں پیدا ہونے کا اور کیا انعام ملے گا انھیں؟" بعد میں ایک گرم سانس چھوڑتے ہوئے اس نے پوچھا کس نے خریدا؟"

"اسی ساہوکار نے۔ تین ہزار روپے میں"۔

"کتنے میں بھی خریدا ہو اس سے کیا! پہلے تو وہ ہمارے لیے ہاتھی کے پاؤں جیسا تھا۔ ان کی زندگی میں ہمارا سارا گھر اسی سے چلتا تھا" وہ آنکھوں میں آنسو بھر کر بولی۔

"جب تک وہ تھا تمھارا تھا۔ یہ کہنے سے کیا فائدہ کہ میری بھینس ایک سیر گھی دیتی تھی۔ بیچنے سے پہلے کم سے کم ہم سے پوچھ تو لیتا۔ بزرگوں کے کھیت کو کچھ نہ کچھ کرکے، یہاں تک کہ اپنے آپ کو گروی رکھ کر ہم ہی لے لیتے"۔ اس وقت چھوٹی بہو اندر سے آتی ہوئی بولی "جی بتائیں گے ہونہہ! انھوں نے پہلے بھی کبھی کچھ بتایا ہے؟ یہاں کھانے کے لیے آتے تھے لیکن پاس جانے پر بھی منھ سے ایک بات نہیں کرتے تھے"۔

پڑوسن نے تعجب سے پوچھا "تو کیا تم سے بات بھی نہیں کرتا؟"

"لو! تم بات کی کہنے لگیں۔ روز یہیں سے جاتے ہیں۔ لیکن مرگئی کہ زندہ ہے آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتے۔ بات تو کرنا دور کی بات ہے"۔

"ارے یہ بات ہے مجھے کیا معلوم بہن؟ ہمارے لڑکے تو کھیت سے آتے ہی دروازے پر سے ماں کو پکارنے لگتے ہیں"۔

"میرا لڑکا کیا پہلے بھی ایسا ہی تھا؟ اس تیرد ال کی چھوکری کے گھر آنے کے بعد ایسا ہو گیا ہے۔ وہ ہے تو میرے چھوٹے بھائی کی لڑکی پر اس کے لچھن اچھے نہیں ہیں"

"اس کے لچھن کیا کریں گے۔ کیا اس نے اس بھنگاری کے پیچھے پڑکر اپنے آپ کو برباد کرنے کو کہا تھا؟" چھوٹی بہو غصے سے کہہ کر اندر چلی گئی۔

اس کے جانے کے بعد سندر بائی دھیمی آواز میں بولی "یہ کہتی ہے کیا۔ اس کے آنے سے ایک سال کے اندر ہی ہمارے گھر والے چل بسے۔ اپنا راج چلتا ہے۔ بس یہ سوچ کر اکڑتی ہے۔ اس سے لڑکر کہاں رہوں گی بہن! لڑکے کے آتے ہی اس کے کان بھر کر جھگڑا کرا دیتی ہے"۔

"وہ کیوں ؟ تم اس سے ڈرتی کیوں ہو؟" پڑوسن نے زہر گھولا۔

سندربائی سمجھ گئیں اور بات بدل کر بولیں۔" اننت کے کھیت بیچنے کی بات تم سے کس نے کہی ؟"

" ارے ابھی ابھی مُنّو نے کہا۔ کل وہ دیکھنے کے لیے آئے تھے۔ معلوم نہیں خرید وفروخت مکمل بھی ہوئی کہ نہیں۔"

" جانے بھی دو۔ سودا ہو چکا ہوگا۔ بھلا لینے والا ساہوکار کہیں بات کو اس طرح پھیلا دیتا ہے بس چپ چاپ کیسے دیتے ہیں۔ کسی کو کانوں کان خبر تک نہیں ہونے دیتے۔"

اننت نے جس دن کھیت بیچا اسی دن بھنگاری کو پیسے بھیج کر خط لکھا " ڈاکٹروں نے تشخیص کی ہے کہ مجھے تپ دق ہو گیا ہے اور میں اب زیادہ دن تمھارے ساتھ رہ کر پاپ نہیں کمانا چاہتا۔ آیندہ تم مجھ سے کسی بات کی امید نہ رکھنا۔" اتنا لکھنے تک خط پر آنسوؤں کے دو بڑے بڑے قطروں نے گر کر خط کو خراب کر ڈالا تھا۔ اب وہ کہیں نہ گیا۔ چھوٹے بھائی کے گھر کھانا کھانے بھی نہیں گیا۔ سندرا بائی نے بھی نہ بلایا۔ شام کو جب نابھی راج گھر لوٹا تب اس نے کہا: " بھیا گھر کے سامنے کھڑے تھے۔ کل ڈاکٹر نے کہا تھا۔ کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھاؤ۔ ٹھیک ہو جانے پر کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ اس لیے کھیت بیچ دیا۔ کھانے کے لیے بلانے پر بھی نہیں آئے۔"

سندروا نے منھ موڑ کر سخت لہجے میں کہا " اپنا کالا منھ دکھانے یہاں کیوں آئے گا؟"

" چھوٹا سا کھیت تھا وہ بھی بیچ دیا۔ اب کس کے سائے میں جا کر مریں گے؟" چھوٹے بھائی کی بیوی بولی۔

" کسی کے سائے میں کیوں ؟ ان کا گھر نہیں ہے ؟ ہم نہیں ہیں ؟ اس قدر توہین کیوں کرتی ہو؟"

سندروا یوں تو اننت پر ناراض تھی لیکن چھوٹے بیٹے کی بات سن کر دل ہی دل میں بہت خوش ہوئی۔

" تو لاکر رکھ لیجیے نا گھر میں۔ میں کیا منع کرتی ہوں۔" اس کی بیوی نخوت بھرے لہجے میں کہہ کر اندر چلی گئی۔

سندروا خاموش نہ رہ سکی۔ اس نے دوسرے ہی دن نابھی راج سے تیر دال میں بھائی اور بہو کو خط لکھوا دیا جس میں اننت کے کھیت بیچ دینے کی اطلاع تھی۔ خط ملتے ہی اننت کا

سالا اور اندرا بچوں کے ساتھ گھر آ پہنچے۔ اننت نے یہ بھی نہ سوچا کہ وہ کیوں اور کب آئے۔ بیوی کے سامنے آنے پر صرف اتنا پوچھا "آ گئے" اور بس۔ اندرا میکے سے آتے وقت آٹھ دس دن کا راشن لیتی آئی تھی۔ بھائی نے دوکان سے چھوٹے موٹے سامان لا دیے تھے، فی الحال گرہستی چل نکلی۔ اننت کھانے کے لیے گھر آتا تھا۔ سالے نے دھیرے دھیرے اس سے ایک ایک بات پوچھی۔ سندروا نے جا کر سب باتوں کا پتہ لگایا۔ معلوم ہوا کہ ساہوکار نے ابھی روپے نہیں دیے ہیں۔ بعد میں وہ ساہوکار سے ملا۔ سندروا بھی جا کر اس کے پاؤں پکڑ کر گڑگڑائی۔ "وہ صحیح راستے پر نہیں چل رہا۔ آپ ان بچوں کو بے سہارا نہ کریں۔"

آخر ساہوکار نے باقی روپے اننت کو دینے منظور کر لیے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اب کل نو سو روپے بچے ہیں۔ یہ سن کر بھائی بہن حیران رہ گئے۔ انھوں نے یہ نہ سوچا تھا کہ تین ہزار میں سے کل نو سو روپے باقی بچیں گے۔ سوچا تھا کہ کافی روپے ہوں گے، بچوں کے لیے کہیں اور زمین خرید دیں گے۔ اننت کو ساہوکار کے پاس لے جایا گیا تاکہ جو مل رہا ہے وہ مل جائے۔ اسی کے سامنے ساہوکار نے روپے دیے۔ سالے نے پیسے اپنے ہاتھ میں لیے۔ کچھ پیسے اپنی بہن کو خرچ کے لیے دے کر گھر لوٹا۔ جاتے وقت سندروا کے پاس جا کر بولا "اندرا کو آپ کے سہارے چھوڑ چلا ہوں۔ وقت بے وقت دیکھتی رہیے گا۔ میں پھر آؤں گا۔"

ایک مہینہ گذرا۔ اننت اس دوران گھر آتا اور جو کچھ تھالی میں ہوتا کھا کر چلا جاتا۔ بچوں کو بھی پاس نہ آنے دیتا۔ ایک دن جب وہ کھانے کے لیے بیٹھا تو بیوی بولی "اس طرح روز کھا کر بیٹھے رہنے سے کب تک چلے گا۔ کچھ کرنا چاہیئے۔ آج گھر میں اناج نہیں ہے۔ بچوں کے بدن پر کپڑے بھی نہیں ہیں۔" اس نے یہ بات باقی رقم کے بارے میں جاننے کی غرض سے کہی تھی۔ لیکن اننت آنکھیں لال کر کے بولا "باقی رقم میں سے کچھ تو تم نے اپنے بھائی کو دلا دیے اور ساہوکار سے کہہ دیا تھا کہ میں مانگوں تو نہ دینا۔ میں کچھ دوا لے کر ٹھیک ہونا چاہتا تھا۔ تم لوگوں نے میرا یہ حال بنا دیا۔ اب کیسے سکھ سے رہو گے۔"

"آگ لگے ان روپوں کو۔ ایسی بات نہ کیجیے۔ روپوں کا تو ستیاناس کر ہی دیا اور بھی برباد کرنا چاہتے ہیں۔ کھانے کے لیے گھر آتے ہیں۔ لیکن یہ نہیں سوچتے کہ گھر میں کسی چیز کی ضرورت بھی ہوتی ہے۔" اس نے غصے سے کہا۔

اننت نے کھانے کی تھالی سامنے اٹھا کر پھینک دی۔ روٹی اور سبزی کمرے میں بکھر گئی۔ "اتنا سنا کر کھلاتی ہو۔ روپے کس کے تھے۔ پاگل کہیں کی!" اتنا کہہ کر غصے میں

گالیاں بکتا ہوا وہ باہر چلا گیا۔ بیوی نے بھی کھانا نہیں کھایا۔ ساس کو بھی نہیں بتایا۔ بستر بچھا کر لیٹ گئی۔ اس روز شام کو اننت کھانا کھانے گھر نہیں آیا۔ دوسرے روز صبح اندرا اٹھی کھانا پکایا۔ بچوں کے لیے بنانا ہی تھا۔ دو روز میں غصہ اتر گیا۔ بچوں کے بلانے پر اننت گھر آنے لگا۔ کسی طرح چار دن بیتے۔ گھر میں کھانے پینے کا سامان ختم ہونے لگا۔ اندرا کے ہاتھ کے پیسے بھی ختم ہونے لگے۔ اب اسے بھی بخار رہنے لگا اور وہ یہ سوچ کر پریشان تھی کہ آخر شوہر کا مرض اسے بھی لگ گیا۔ آج ہر طرف سے مایوس ہو کر اس نے بستر پکڑ لیا۔ شام کو اننت گھر آیا۔ بیوی کو بستر پر پڑا دیکھ کر اس نے پوچھا "کیسے لیٹی ہو؟"

"طبیعت ٹھیک نہیں۔ چھاتی میں درد ہے۔ پیٹھ میں کھنچاؤ بھی ہے" اندرا نے کھانستے ہوئے کہا۔

پاس کھڑے دونوں بچوں نے بتایا "باپو، ماں نے صبح سے کچھ نہیں کھایا"۔ بچوں کی بات سے اننت کا دل پگھل گیا۔ لمبی سانس لے کر اٹھا۔ بیوی کے لیے کم از کم ایک کپ چائے ہی بنا دوں، یہ سوچ کر اندر گیا۔ سارے ڈبے چھان مارے چینی نہیں تھی۔ صبح ایک پاؤ دودھ خریدا گیا تھا۔ اس سے بچوں نے روٹی کھائی تھی۔ دوسری ایک چھوٹی ڈبیا کو کھول کر ٹیڑھا کر کے دیکھا۔ اس میں سے چائے کی پتی جھانک رہی تھی لیکن وہ اس کے ہاتھ لگنا نہیں چاہتی تھی۔ اس کا ارادہ دوسرا جان کر اننت نے ڈبیہ بند کر دی۔ اس کے منھ کا رنگ بھی اسی کی طرح تھا۔ چینی کا دوسرا ڈبہ کھول کر دیکھا۔ اس میں بھی کچھ نہ تھا۔ سوچ کر آنسو آ گئے۔ ایک وقت ایسا بھی تھا کہ جب گھر میں پڑی چینی کو کتے تک نہ سونگھتے تھے۔ اب ایک چٹکی بھر چینی بھی میسر نہ تھی۔ پرانے دن یاد آئے۔ پاگل کی طرح باورچی خانے میں چکر کاٹتا رہا۔ مغرب کی کھڑکی سے زور کی ہوا آ رہی تھی اور اس کے ساتھ اندھیرا بھی۔

لڑکے باہر آنگن میں تھے۔ چاچا کھیت سے لوٹے۔ چاچا نے بچوں سے پوچھا "تمھارے باپو کھانا کھا گئے؟"

بچوں نے کہا "نہیں۔ ماں لیٹی ہے۔ کھانا نہیں پکا۔"

"لیٹی ہے" یہ کہتے ہوئے نابھ راج گھر گیا۔ چارہ ایک طرف پھینک کر، ہاتھ منھ دھو کر بھائی کے گھر آیا۔

"ارے اندرا بہن کہاں لیٹی ہے؟" دروازے پر ہی اس نے لڑکی سے پوچھا۔ "ماں اندر کے کمرے میں سوئی ہے۔ باپو...."

بھائی کی آواز سن کر اننت باہر آیا۔ دونوں ساتھ ساتھ کمرے میں گئے۔

اندرا نے منھ سے چادر ہٹا کر دیور سے کہا "آؤ"۔

نابھ راج نے بستر پر بیٹھ کر اس کے شریر کو چھو کر دیکھا۔ بخار تھا۔ کچھ سوچ کر نابھ راج نے کہا "کل مرجی کے ہسپتال چلیں گے۔ دونوں کو ڈاکٹر کو دکھائیں گے۔ تم بھی تو دکھانے کے لیے کہہ رہے تھے۔ لگتا ہے ابھی گئے نہیں"۔

"دکھایا کہاں؟ بھائی روپے لے گئے۔ ہاتھ میں پیسے نہیں آئے" آنکھوں میں آنسو بھر کر وہ رو پڑا۔

نابھ راج نے کہا "زندہ رہے تو پیسہ کہیں نہ کہیں سے آ ہی جائے گا۔ کیا پیسہ آدمی کو پیدا کرتا ہے۔ پیسہ تو ہم ہی کماتے ہیں نا!"

وہ سمجھ گیا کہ اننت نے ابھی کھانا نہیں کھایا۔ گھر چلنے کو کہا۔ اننت نے کوئی جواب نہ دیا۔ آخر میں بچوں کو ہی لے جا کر کھانا کھلایا۔ واپسی پر ایک تھالی میں روٹی، سبزی اور چاول بھجوائے۔ آ کر اندرا سے تھوڑا چاول اور گرم دودھ کھا کر لیٹنے کو کہا۔ نابھ راج نے بیوی سے کہا۔ وہاں جا کر دیکھ آؤ۔ وہ گئی نہیں۔ ماں نے بھی بڑے سخت لفظوں میں کہا "ان کے منھ میں آگ لگے۔ وہ ایک دن بھی میرے پاس نہیں آئے۔ میں کیوں جاؤں؟"

نابھ راج بولا "کیسے آئے گی وہ؟ لوگوں کو منھ دکھانے کے لائق اب کیا ہے؟ اس نے اچھی طرح زندگی گذارنے کی کوشش ہی کب کی؟"

اس کی بیوی بولی "اچھی زندگی گذارنے کے لیے؟ تب عقل کہاں چلی گئی تھی؟" دوسرے دن نابھ راج بھائی اور بھابھی کو لے کر ہسپتال گیا۔ بہت دیر جانچ کے بعد ڈاکٹر نے کہا کہ دونوں کا مرض ایک ہی ہے۔ نابھ راج نے دونوں کو باہر بھیج کر ڈاکٹر سے تفصیل سے گفتگو کی۔ ڈاکٹر نے کہا "اندرا کے سینے کا فوٹو (ایکسرے) نکال کر دیکھنا پڑے گا۔ اس کے بارے میں ابھی شک ہے۔ لیکن اننت کی بیماری اب حد سے باہر ہو گئی ہے وہ اگر بستر پر آرام کرے تو کچھ دن چل سکتا ہے۔ نہیں تو بیماری قبضے میں نہیں آئے گی"۔

دونوں کو لے کر وہ شام تک گھر پہنچا۔ اس نے اس دن ہسپتال سے تیر دال کو خط لکھا۔ شام کو گھر پہنچنے پر ماں کے سامنے آنسو بہاتے ہوئے بولا: "بھیا تو اب ساتھ چھوڑ جائیں گے ماں!"

سندر روا چپ رہی۔ "رام لچھمن جیسی جوڑی تھی ہماری" یہ کہہ کر نابھ راج پھوٹ

پھوٹ کر رونے لگا۔ سندروا بھی رونے لگی۔ غم کا جوش کم ہونے پر اس نے ایک ایک بات ماں کو بتائی۔

یہ خبر ایک سے دوسرے تک پہنچتے پہنچتے اننت اور اندرا تک بھی پہنچ گئی شوہر کا لاعلاج مرض اندرا کو بھی لگ گیا ہے۔ یہ جان کر لوگ اس سے دُور دُور رہنے لگے۔ یہ دیکھ کر اندرا نے سوچا۔ اب زندہ رہنے سے کیا فائدہ؟ وہ فاقے کرنے لگی۔ اننت نے بھی ایسا ہی کیا۔ جب کوئی نہ ہوتا تو ایک دوسرے کے گلے لگ کر روتے۔ میاں بیوی بالکل بچّوں جیسے ہو گئے تھے۔ نابھ راج آ کر ہمت بندھاتا اور بھائی کو کھانا کھلاتا۔ لیکن اندرا تو کسی کے کہنے سے بھی کھانا نہ کھاتی تھی۔ اس نے بستر پکڑ لیا تھا۔ ساس کے کہنے پر بھی اس نے ایک نہ سنی۔ گاؤں کے لوگ آپس میں کہنے لگے "اب یہ نہیں بچے گی"۔ گلی محلے کے لوگ دیکھنے آنے لگے۔ عیادت کو آنے والوں کے سامنے اندرا یہی کہہ کر روتی "اب ہمارا کیا ہے۔ لیکن بچے یتیم ہو جائیں گے"۔ اننت بیچ کے کمرے میں بچھے بستر پر لیٹتا تو اٹھتا ہی نہیں۔ اٹھنے کے لیے بدن میں سکت بھی کہاں تھی۔ بھائی آ کر جو دو لقمے کھلاتا انھیں کھا کر پڑا رہتا۔

دو دن بعد تیرِ دال سے اننت کا سالا اور ساس آئے۔ ساتھ میں ایک وید بھی تھا۔ وید نے آتے ہی دونوں کی جانچ کی۔ اس نے یقین دلایا کہ اگر لگ کر علاج کیا جائے تو وہ مہینے بھر میں دونوں کو ٹھیک کر دے گا۔ اس نے کئی مثالیں دیں جن میں ڈاکٹر صرف پیسہ کمانے کے لیے مریضوں کے سامنے بڑی بیماریوں کا ہوّا کھڑا کر دیتے ہیں اور یہ کہ کئی ناقابلِ علاج مریضوں کو اس نے ٹھیک کیا ہے۔

وید کی بات پر اننت کو تو یقین نہیں آیا۔ ہاں اندرا کے دل میں ایک ذرا سی امید ضرور پیدا ہوئی کہ اگر وہ چار برس اور زندہ رہ سکے تو اپنے بچّوں کو ماں کا پیار دے پائے گی۔ بھائی اور ماں کی آمد سے بھی اسے تسلی ہوئی۔ آپس میں صلاح مشورہ کرنے کے بعد طے ہوا کہ اننت اور اس کی بیوی تیرِ دال جا کر علاج کرائیں گے۔ بڑا لڑکا چونکہ سکول جاتا تھا اس لیے وہ سندروا کے پاس ہی رہے گا اور چھوٹا ساتھ جائے گا۔ نابھ راج نے بہت کہا کہ بھائی اور بھابھی کو تیرِ دال جانے کی کوئی ضرورت نہیں اور وہ ان کو اپنے یہاں رکھ کر علاج کروائے گا۔ لیکن اس کی بات چلی نہیں۔ وہ لوگ کرچی اسٹیشن تک پہنچنے کے لیے بیل گاڑی کا انتظام کرنے لگے تو نابھ راج نے مایوس ہو کر کہا "میری گاڑی ہے۔ میں ہی چھوڑ آؤں گا"۔

دوسرے دن صبح اس نے گاڑی تیار کی۔ سب اس میں بیٹھے۔ سندروا بھی گھر سے گاؤں کے باہر تک پہنچانے آئی۔ ساتھ میں اننت کا بڑا لڑکا بھی ساتھ تھا۔ وہ گاؤں پار کرنے کے بعد اسٹیشن تک چلنے کی ضد کرنے لگا۔ اندرا نے اسے گاڑی میں بٹھا لیا اور گاڑی آگے چلی۔ اسٹیشن پر گاڑی سے اترتے ہی وہ بیٹے کو گلے لگا کر رونے لگی۔ لڑکا بھی رو دیا۔ اندرا نے روتے ہوئے کہا "اب میں لوٹ کر بیٹے کا منھ کہاں دیکھوں گی؟" بھائی نے دھیرج بندھاتے ہوئے کہا۔ "ایسا کیوں بولتی ہو۔ تم چلو تو۔ پندرہ دن میں ٹھیک کرا کے بھیجوں گا۔" اننت کی ساس روکوا کی آنکھوں میں بھی آنسو آگئے۔ اننت کبھی لڑکے اور کبھی اسے دیکھتا۔ اس کی آنکھیں خشک سی ہوگئی تھیں۔ بس میں بیٹھنے سے پہلے اندرا لڑکے کو پاس بلا کر پیٹھ سہلاتی ہوئی پھر رو پڑی اور آنسو بہاتے ہوئی بولی۔ "میں ہو کر آؤں بیٹا!"

نابھراج پاس آکر بھابھی سے بولا "مت رو بھابھی۔ میں لڑکے کو پھول کی طرح رکھوں گا۔ تم اس کی فکر نہ کرو۔"

"کچھ بھی ہو۔ ماں کے برابر کون ہو سکتا ہے۔ وہ مار کر بھی روٹی دے اور آپ پیار سے روٹی دیں تو بھی برابر نہیں ہوگی" کہہ کر روکوا بھی رونے لگی۔

"بس رونا دھونا چھوڑیے" ان میں سے ایک نے یہ کہہ کر انھیں بس میں چڑھا دیا تیر دال میں وہ کچھ دن رہے۔ اس دوران میں اننت کو بھنگاری کے دو خط ملے۔ ان میں سے ایک کا مطلب کچھ ایسا تھا: "اننت! اب میں نے اپنے دل سے محبت کے جذبے کو کھرچ کر پھینک دینے کا تہیہ کر لیا ہے۔ پیار سے مجبور ہو کر، جس کے لیے سماج، عزیز و اقربا کو چھوڑ کر آئی تھی، اگر وہ بھی دور ہو جائے تو دنیا میں اس سے بڑھ کر دکھ کی بات کیا ہوگی؟"

معلوم نہیں اننت نے جواب میں کیا لکھا۔ لیکن کبھی کبھی وہ سوچتا اندرا کیسی ہوگی۔ اس طرح اس کے دل میں اگر ایک بار اندرا آجاتی تو دوسری بار بھنگاری۔ کبھی کبھی دونوں ہی اس کے خیال میں آجاتیں۔ اسے ایسے لگتا کہ اسے دونوں ہی سے بے پناہ محبت ہے۔ کبھی کبھی اسے ایسا لگتا کہ دونوں ہی اس کے پاس ہیں۔ اس کے اندر کہیں اب بھی ایک چھوٹی سی پیاس پنپ رہی تھی۔ دھیرے دھیرے اس کی کمزوری بڑھتی گئی۔

اندرا کی حالت اب کچھ سدھر رہی تھی۔ اس کے پانچ چھ بھائی تھے سب الگ الگ رہتے تھے اور روزانہ آکر عیادت کرتے تھے۔ خود روکوا بیٹی کی تیمارداری میں کوئی کمی نہ آنے دیتی تھی۔ بھائیوں نے آپس میں سوچا "آخر ایک ہی بھائی پر بوجھ کیوں پڑے۔ سبھی تھوڑا تھوڑا برداشت

کریں۔" اس لیے دوسرا بھائی یہ کہہ کر لے گیا "بہن ہمارے وہاں بھی کچھ دن رہے گی۔ اس سے جگہ بھی بدلے گی۔"

اننت اب چلنے پھرنے لگا تھا "ہم پانچ بھائی ہیں۔ ہمارے لیے بہن کوئی بوجھ نہیں" بھائیوں کی یہ بات اس کے کان میں پڑی۔ ساس نے بھی جب کہا کہ داماد نے اپنا جیون ٹھیک طرح نہیں چلایا' اسے اس کی بے مروتی کا احساس ہوا۔ یہ سب باتیں اننت برداشت نہ کر سکا۔ ایک دن جب گھر میں کوئی نہیں تھا تو اس نے بیوی کے پاس آ کر کہا "ہم اپنے یہاں چلیں تو اچھا ہے۔ یہاں اس وید کے علاج سے کہاں ٹھیک ہو پائیں گے۔ اپنے گھر کی بات ہی اور ہے۔ جب اور جو کچھ چاہیں پکا کھا سکتے ہیں۔"

"کیا یہاں سب کچھ وقت پر نہیں ہوتا۔ سب کچھ ٹھیک ہی تو ہو رہا ہے۔ بے کار میں کوئی بات اٹھانے سے کیا فائدہ۔ ویسے میری بھابیاں بھی ٹھیک ہیں۔ ہمارے بھائیوں کی بیویاں اچھی نہ ہوتیں تو نہ جانے کیا ہوتا!"

"تمھارے لیے تمھاری بھابیاں اچھی ہیں۔ چار دن ہم یہاں رہے تو ایک ایک نے باری بانٹ لی۔"

"کسی نہ کسی طرح کر تو رہے ہیں۔ ہم دونوں کو انھوں نے سنبھالا ہے کہ نہیں؟ باری بانٹ لیں یا کچھ کریں۔ تم بے کار شک نہ کیا کرو" کہہ کر اس نے ایسی سانس چھوڑی جیسے اس کا دل پگھل کر ہوا میں تحلیل ہو گیا ہو۔

"یہ کچھ نہیں چاہیے۔ چلو ہم اپنے گھر چلیں۔ انھیں اس طرح ہماری دیکھ بھال کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس کے علاوہ کیا ہم نے ان سے کہا تھا کہ ہمیں لے چلو۔"

"مرجی ہسپتال سے آپ کے بھائی نے خط لکھا تھا اور یہی کہنا تھا تو آپ کو یہاں آنا نہیں چاہیے تھا اور اب آ چکے ہیں تو ویسے ہی چلے جائیں تو لوگ کیا کہیں گے؟ کچھ آپ کے جسم میں طاقت آ جائے اور میں بھی ایک لوٹا پانی بھرنے کے قابل ہو جاؤں تو چلوں۔ وہاں جا کر پانی بھی تو نہیں ملے گا" بیوی نے سب مشکلیں گنوائیں۔

"کچھ بھی ہو جائے۔ اب جینا کون چاہتا ہے۔ مرنا ہے تو خوشی سے گھر میں ہی مریں گے۔ میں یہاں رہ کر ایک بوند پانی تک نہیں پیوں گا۔ مجھے لوگوں کی پرواہ نہیں۔"

اندروا کی آنکھوں کے سامنے بیتے دنوں کی تصویر ابھر آئی۔ شوہر کی باتیں سن کر اس کا دل بھر آیا۔ آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسو پونچھ کر بولی "آپ کے پاؤں پڑتی ہوں۔

مرتے وقت ہم لوگوں کو جدا نہیں ہونا چاہیئے۔ یہ پتہ نہیں کن جنموں کا پھل ہے کہ جس نے ہمیں میاں بیوی بنا دیا۔ اور کسی نہ کسی طرح چار دن گھر چلا۔ ایسے میں آپ کہیں جا کر مریں اور میں کہیں مروں۔ ایسا نہیں ہونا چاہیئے۔ تمھارے بدن میں بھی ایک قطرہ خون نہیں ہے اور میں بھی چل پھر نہیں سکتی۔ یہ سب تمھیں اچھا لگتا ہے؟ ذرا سوچو!"

"اچھا کیا ہے۔ خاک!" اندرت نے کہا تو بڑے پکے دل کے ساتھ لیکن اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

اس شام اندروا کے بستر کے پاس اس کے بھائی اور ماں رو کوا بیٹھے تھے۔ ماں نے کہا "درد کے کارن دن رات لکڑی میں پڑے کیڑے کی طرح کٹ کٹ کرنے سے کیسے چلے گا۔ گھر ہے! اس میں اونچ نیچ تو ہوتی ہی ہے اور اس وجہ سے کبھی نہ کبھی کو پریشان بھی ہونا پڑتا ہے۔ اگر کوئی کچھ کہدے تو برداشت کرنا چاہیئے۔ اس کے بھائی کی بیوی اچھے دنوں میں بھی دس باتیں سنا کر کتوں کی طرح ایک وقت کی روٹی کھلاتی تھی۔ کیا یہ بات بھول گئی ہو۔ کیا ہماری باتیں اس سے بھی بُری ہیں؟"

اندروا نے لرز کر کہا "آیندہ ایسی باتیں منھ سے نہ نکالنا ماں۔ ایسی باتیں کہہ کر ہی تم نے انھیں غصہ دلایا ہے۔ تم لوگ پرانے زمانے کے ہو تمھاری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ آج کل لوگوں کے سامنے ایسی باتیں کرنے سے کام نہیں چلتا۔ انھوں نے اپنے ماں باپ تک کی پرواہ نہیں کی۔ تمھیں کیا سمجھیں گے؟"

"نہیں سننا چاہتا تو جاتا کیوں نہیں؟ عزت دار ہوتا تو روٹی کیوں نہ میسر ہوتی۔ سب برباد کر دیا۔ اب تو سمجھ آنی چاہیئے۔"

"ہماری حالت کیسی بھی ہو۔ تم بھی ایسا کہو گی تو بھاوجیں کیا کہیں گی۔ ہم یہاں نہیں رہیں گے۔ کل ہی اپنے گھر چلے جائیں گے۔" پھر بھائی کی طرف مڑ کر بولی "بھیا خرچ کے بعد جو پیسے بچے ہیں وہ دے دینا۔ ہم جاتے ہیں۔" کہہ کر اندر ارونے لگی۔

"بس چپ رہو۔ بھی بڑے سمجھ دار ہیں۔ تم اٹھو یہاں سے۔" یہ کہتے ہوئے بھائی نے رو کوا کو اٹھا کر بھیج دیا۔ پھر بولا "اندرا تم سے ایک بار میں نے کہہ دیا کہ بوڑھی کی بات کا بُرا نہ مانا کرو۔"

"میں تو بُرا نہیں مانتی۔ لیکن کیا وہ چپ رہ سکیں گے؟"

"انھیں یہ سب بتانا کیا ضروری ہے؟"

"تم لوگ چاہے جو کہو پر وہ جانے پر تلے بیٹھے ہیں۔ آج شام کو تم سے پوچھنا چاہتے تھے" کہہ کر اندرا رونے لگی۔

سب نے اننت سے کہا لیکن اس نے اپنا ارادہ نہ بدلا۔ آخر میں اندرا کا بڑا بھائی اندر سے روپے لاکر اندرا کو دے کر غصے سے بولا "بیس روپے دہیں خرچ ہو گئے تھے۔ اپنے باقی آٹھ سو اسی روپے سنبھال لو۔ ہماری بہن ہمارے لیے بوجھ نہیں ہے۔ جب تک رہے گی۔ اسے رکھیں گے۔ مر گئی تو مٹی دے دیں گے۔ ٹھیک ہو گئی تو تمھارے پاس آجائے گی۔ تم یہاں رہنا نہیں چاہتے۔ ہم تو علاج کے لیے تمھیں یہاں لائے تھے۔ لیکن تمھاری بیماری بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ اب تم جاؤ۔ بھائی بہن اور رشتہ داروں کے ساتھ رہو۔ تمھاری بھی ماں ہے چھوٹا بھائی ہے، اس کی بیوی ہے۔"

اننت نے کچھ دیر سوچ کر، اس میں سے پانچ سو روپے لیے اور کوٹ پہن کر تیار ہو گیا۔ اندرا بستر میں ہی سے دبی آواز اور التجا بھرے لہجے میں کہنے لگی "اب دن چڑھ آیا ہے۔ معلوم نہیں کب گاؤں پہنچیں گے۔ چاول پک رہے ہیں کھا کر جائیے گا۔ ابھی تو بس کے لیے کافی وقت ہے۔"

"ابھی ضرورت نہیں۔ کھانے کے بعد چلنا مشکل ہو گا۔ خالی پیٹ جانا ہی ٹھیک ہے۔ دیر ہو جائے گی۔ راستے میں ہور اگیری اتر جاؤں گا۔ ایک بار تارا کو دیکھ کر شام کو آگے جاؤں گا۔"

"وہاں کیوں جائیں گے۔ اس کا شوہر اچھا آدمی نہیں ہے۔ سسر جی کے مرنے پر بھی گھر تک نہ آنے دیا۔ اسے بے کار میں کیوں مصیبت میں ڈال رہے ہو۔"

اننت نے اس بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ پاؤں گھسیٹتا ہوا باہر چلا گیا۔ اب اس کے چہرے پر پہلے جیسی رونق نہیں رہ گئی تھی۔

بیچ کے کمرے سے سلیچ نے کہا "چائے بنا رہی ہوں۔ پیتے جائیے۔"

"اب کچھ نہیں چاہیے۔ وقت ہوا تو بس اسٹنڈ پر ہی پی لوں گا۔ آج یہ بس چھوٹ گئی تو شام تک دوسری نہیں ملے گی" اتنا کہہ کر اننت لڑکھڑاتے ہوئے چل پڑا۔

ابھی اننت دروازہ پار کر رہا تھا کہ اندرا نے چلّا کر کہا "کچھ زیادہ روپے لیتے جائیے۔" معلوم نہیں اننت نے سنا کہ نہیں۔ وہ بغیر ٹھہرے آگے چلا گیا۔ اندرا اننت کے آنکھوں سے اوجھل ہونے تک دروازے کی طرف دیکھتی رہی۔ بعد میں ایک لمبی سانس چھوڑتے ہوئے بولی "بس میں تو بٹھا آتے بھیا" اور پھر لیٹ گئی۔

22

تارکا کو اس کی فکر نہیں تھی کہ اس کے اب تک بچہ نہیں ہوا۔ اس کا جسم دن بہ دن کمزور ہوتا جارہا تھا، پھر بھی گھر کے کام کاج وہ توجہ سے کرتی تھی۔ میاں کے کھانے پینے کا خیال رکھتی تھی۔ لیکن آج کل اسے اکتاہٹ سی محسوس ہونے لگی تھی۔ کچھ دن پہلے گاؤں کے کچھ لوگ تیرتھ یاترا کو جارہے تھے۔ اس نے اپنے والدین کو بلوایا اور پھر ماں باپ اور ساس سسر کو لے کر تیرتھ یاترا کرآئی۔ بعد میں ایک مندر تعمیر کرواکے اس میں بھگوان کی مورتی رکھی۔ اب وہ ساری فکر چھوڑ کر روزانہ صبح شام گھنٹوں پوجا پاٹھ میں لگی رہتی تھی۔ بھگوان کی آرتی اتارتی، بچپن میں سیکھے ہوئے آرتی کے پدگاتی اور آخر میں اس کے منھ سے یہی نکلتا کہ بھگوان اس زندگی سے جلدی چھٹکارا دلوائے۔ اس کے علاوہ اِدھر اسے ضرورت مندوں کی حاجت پوری کرکے خاص تسلی ہوتی تھی۔ اس کام میں وہ کسی قسم کی کاہلی یا سستی کو داخل نہیں ہونے دیتی تھی۔ برابر کام میں لگی رہتی تھی۔ کبھی کبھی پیٹ میں درد ہوتا رہتا تھا جس سے اسے بڑی تکلیف ہوتی تھی۔ ایسے میں اسے ہوش تک نہیں رہتا تھا۔ سارے گھر میں لوٹتی کراہتی لیکن ڈاکٹر یا وید کو دکھانے کے اصرار کو وہ ٹال جاتی تھی۔

ایک بار تارکا کے پیٹ میں زور سے درد اٹھا اس لیے وہ کھانا نہیں پکا سکی۔ پڑوسی رشتہ داروں کی ایک لڑکی کو بلا کر کھانا پکانے کو کہا تاکہ شوہر باہر سے آئے تو کھانا تیار رہی ملے۔ تارکا کے خلوص آمیز برتاؤ سے چونکہ سبھی رشتہ دار خوش تھے اس لیے سکھ دکھ میں وہ ہاتھ بٹا دیتے تھے۔ تارکا ایک دری بچھا کر اس پر کروٹیں لینے لگی۔ سر کے بال درہم برہم ہوگئے۔ لوٹنے کی وجہ سے ساڑھی میں بھی سلوٹیں پڑگئیں لیکن پیٹ کا درد کم نہ ہوا۔ ایسے میں بھی وہ ہونٹ دباتے ہوئے لڑکی کو کھانے کے بارے میں ہدایتیں دیتی جارہی تھی۔ امو ایک طرف بیٹھی تھی۔ وہ بولی " دس پندرہ دن میں ایک بار پیٹ درد سے تڑپنے لگتی ہو اور ڈاکٹر کو دکھانے کے لیے کہتے ہیں تو دھیان نہیں دیتی ہو۔ اس پر کیا کہیں۔ کسی کو دکھا کر ٹھیک کرا لو تو کچھ دن

بعد بچے ہوں گے۔ یہ سب چھوڑ ایسے لوٹو گی تو کیسے چلے گا کام ؟"

تارا کا پیٹ درد سے پریشان ہو کر غصے سے بولی "رہنے دو ماں! یہاں تو پیٹ درد سے جان جا رہی ہے۔ اب تمھیں کیا بتاؤں۔ بچے والے بڑے سکھ لوٹ رہے ہیں نا ! اب ہمیں کون سا سکھ ملے گا ؟"

"چپ بھی رہو۔ اب تمھیں میں کیا کہوں۔ بچے والوں کو سکھ نہیں ملتا تو تم بغیر بچوں کے بیٹھو۔ تمھیں کیا۔ گھر تو ہمارا بگڑے گا نا ! ہم تو دن رات اسی فکر میں گھلے جا رہے ہیں کہ گھر کیسے چلے گا"

"میں تمھارا گھر کیوں بگاڑوں گی۔ بچے نہ ہوں تو میں کیا کروں۔ بچوں کا ہونا نہ ہونا کیا میرے بس کی بات ہے ؟"

"یہ بات نہیں بیٹی۔ جو تمھارے ہاتھ میں ہے وہ تو کرو نا ! بعد میں بھگوان کی مرضی۔ ہو تو ٹھیک نہ ہو تو ٹھیک۔ کیا کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھانے کے بجائے صرف پوجا پاٹھ کرنے اور مندر جانے سے کیا درد ٹھیک ہو جائے گا ؟ کیا تم ابھی سے بوڑھی ہو گئی ہو کہ جپ اور دھیان میں لگی رہتی ہو۔ ابھی تو تیس سال کی بھی نہیں ہو۔ پوجا پاٹھ کے لیے بڑھاپے میں بڑا وقت ملے گا"

"آگے کیا رہے گا۔ آگے کیا میں جی بھر پوجا کر سکوں گی۔ ہاتھ پیر میں سکت ہے تو مندر جاتی ہوں۔ کل کو ایک دم گر جاؤں تو پوجا کیسے کر سکوں گی ؟"

یہ سوچ کر کہ بہو پیٹ درد سے پریشان ہو کر یہ سب کہہ رہی ہے بولی "انسان کوئی پیڑ پودا ہے جو ایک دم گر جائے۔ آٹھ دس سال ہو گئے آنکھوں سے ٹھیک طرح دکھائی نہیں دیتا۔ کیا میں ادھر ادھر دھکے کھا کر بھی جی نہیں رہی ہوں ؟ معلوم نہیں بھگوان کہاں ہیں۔ میری سدھ نہیں لیتے۔ تم لوگوں کا کیا ہو گا۔ کل کی چھوکریاں ہو۔ شادی کے سال بھر بعد بچہ ہونا چاہیے تھا اور اب تم ہی ایسی باتیں کر رہی ہو"

اتنے میں اپنا باہر سے آیا۔ دھوپ چڑھ گئی تھی۔ کاندھے پر رکھی کدال کونے میں رکھتے ہوئے اس نے پوچھا۔ "کہاں گئی ؟ دکھائی نہیں دیتی ؟"

"گئی کہاں۔ وہیں پڑے پڑے لوٹ رہی ہے۔ دیکھو تو۔ تم اسے کسی کو دکھاتے تو ہو نہیں۔ تمھیں تو اپنے کھیت اور گھر سے مطلب ہے۔ پتہ نہیں تم یہ سب کس لیے کر رہے ہو۔ مجھے تو آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتا۔ تم اس سے یہ بھی نہیں کہتے کہ چار دن میکے جا کر علاج کرا لے۔ یہاں میری کون سنتا ہے ؟

"کیوں؟ میں نے علاج کرانے کے لیے منع کیا ہے۔ پیسے چاہے تو لے لے اور جانا چاہے تو دس پندرہ دن میکے میں رہ کر کسی کو دکھالے۔ یہ نہیں کہ اس کے جانے سے ہمارا کام رک جائے گا۔ پڑوسی آکر کھانا پکا ہی دیتے ہیں۔ ہمارا کون سا کام رک جائے گا؟"

تارکا نے اپنے دل میں کہا، "میرے نہ رہنے سے کس کا کام رک جاتا ہے۔ سبھی کا کام چلتا ہے۔ معلوم نہیں بھگوان نے مجھے زندہ ہی کیوں رکھا ہے۔" اپنا اندر آکر بولا۔ "تمھارے باپو کی گاڑی کے لیے کہلوائے دیتا ہوں اس طرح بستر پر پڑنے سے کام نہیں چلے گا۔ میں اپنی گاڑی بھیج سکتا تھا لیکن گنّے کو پانی دینا ہے۔ اس لیے کہہ رہا ہوں کہ وہ لوگ گاڑی لے آئیں۔" تارکا کچھ نہ بولی۔ اپنا نے پھر پوچھا "کیوں، چپ کیوں ہوگئیں۔ کیا کہتی ہو؟ جاؤگی؟"

"کیوں جاؤں؟ وہاں جانے سے کیا ہوگا؟"

"اس نے سیدھا جواب دیا ہی کب ہے۔ ہمیشہ الٹی ہی بات کرتی ہے۔ شوہر منھ پھاڑ کر کئی بار پوچھتا ہے۔ کیا کبھی منھ کھول کر بتانا نہیں چاہیے اور تم بھی تو اپنا تیوریاں چڑھا کر پوچھتے ہو۔ اس طرح کیا وہ تمھیں بتائے گی" امّوا نے بیٹے کو تاؤ دلاتے ہوئے کہا۔

"نہیں بولتی تو اپنا دکھ آپ بھگتے گی۔ کسی کا کیا جاتا ہے۔ اپنے پاؤں میں آپ ہی کلہاڑی مارتی ہے۔"

"اپنے پاؤں پر تو مارتی ہے۔ پر وہ دوسروں پر گرتی ہے۔" امّوا نے ڈنک مارا۔

"اس سے ہمیں کیا۔ ہمیں تو اپنا راستہ دیکھنا چاہیے۔" کہہ کر اپنا باہر چلا گیا۔

تارکا کا گلا خشک ہوگیا تھا۔ شوہر کی بات اسے تیر کی طرح لگی۔ رک رک کر بولی "کہلا بھیجیے باپو کو۔ میں چلی جاتی ہوں۔ میرے یہاں رہنے سے آپ کو تکلیف کیوں ہو! آپ اپنی راہ دیکھ لیجیے۔ میں منع نہیں کرتی۔ آپ اپنا گھر کیوں برباد کرتے ہیں؟"

ساری باتوں کو غور سے سننے کے بعد امّوا بولی "تم تو سب چھوڑ بیٹھی ہو۔ لیکن ہمیں تو سب کا ہی خیال رکھنا چاہیے؟"

"ان کا نمک کھایا ہے۔ انھیں کی طرف دیکھیے۔ میرا کیا کھایا ہے جو میرا خیال رکھیں۔"

"کہاں کی بات کہاں جوڑ رہی ہو۔ بے کار زبان مت چلاؤ" اپنا نے بیچ ہی میں اس کی بات کاٹی۔

اسی شام تارکا مہینے سے ہوئی۔ پیٹ کا درد رک گیا۔ آج کل کچھ دنوں سے مہینے سے پہلے پیٹ میں اس طرح کا شدید درد ہوتا تھا۔ ان دو تین دنوں میں چمپا اپنے سسرال

سے آئی ہوئی تھی۔ وہ ایک دن باغیچے کی طرف بھی آئی۔ وہ جب بھی آتی تو تارکا سے زبردستی ساڑھی اور بلاؤز مانگ کر لے جاتی۔ اس بار اسے کان کے پھول چاہیئے تھے۔ اس نے تارکا سے ضد کی۔ تارکا نے اس کے کان دیکھ کر کہا "کانوں میں کن پھول تو ہیں اور کیا کروگی؟"

"یہ میرے نہیں، موسی کے ہیں۔ میرے کان خالی تھے اس لیے چار دن کے واسطے مانگ کر لائی ہوں۔ جاتے ہی واپس کر دوں گی" چمپا بولی۔

"ان سے کہنے پر کیا وہ بنوا دیں گے؟ کہیں گے، ایسے خرچ کیوں کر رہی ہو۔ میرے پاس موتیوں کے کن پھول ہیں۔ چاہو تو لے جاؤ" کچھ دیر رک لمبی آہ چھوڑ کر بولی" کان کا خالی رہنا ٹھیک نہیں پر لوگوں سے مانگ کر نہیں پہننا چاہیئے"

اسی دوپہر میاں سے اِدھر اُدھر کی باتوں کے درمیان بولی "چمپی کے لیے ایک ساڑھی منگوا دیجیے۔"

"ہوں! ایسے ہم کتنے دن دے پائیں گے۔ اب اسے اپنے شوہر کے گھر رہنا چاہیئے۔ روز آکر مانگنے سے ہم کہاں تک دے سکیں گے؟"

"وہ اگر میرے پیٹ سے پیدا ہوتی تو کیا نہ کرتے اور کیا اس کے پیٹ سے پیدا ہونے پر وہ آپ کی بیٹی نہیں ہے۔"

"نہیں۔ کون کہتا ہے؟ پر بیٹی سمجھ کر بھی کہاں تک دوں۔ جتنا دینا تھا دے چکا اور جتنا کرنا تھا کر چکا۔"

تارکا نے بات زیادہ نہیں بڑھائی۔ پھول کی بات اٹھانے کا خیال اس نے ترک کر دیا۔ چار دن بعد چمپا اپنے شوہر کے گھر جانے کے لیے وداع لینے آئی تو تارکا آنکھوں میں آنسو بھر کے اسے رخصت کرنے کے لیے باغ سے کچھ دور تک گئی اور بیٹی کا ہاتھ پکڑ کر لمبی آہ نکالتے ہوئے بولی "میں نے ساڑھی منگوانے کے لیے کہا تھا مگر انھوں نے منگوائی نہیں۔"

"رہنے دو۔ اس بار ساڑھی ماں نے منگوا دی ہے۔"

تارکا کچھ دیر بیٹی کا منھ دیکھتی رہی۔ پھر بولی "منگوا دی تو کیا ہوا؟ تمھارے سسرال والے کیا کہیں گے بیٹی؟" یہ کہہ کر اپنی ساڑھی کے پلو سے موتی کے پھول اور دس روپے نکال کر اسے دیتے ہوئے بولی" لو یہ پھول اور یہ روپے۔ موسی کے مانگنے سے پہلے ہی

ان کے "کن پھول" واپس کر دینا اور جاتے ہوئے ساڑھی لیتی جانا. سمجھیں!"

چمپا انھیں لیتے ہوئے کچھ ہچکچائی اور حیرت سے تارا کی طرف دیکھتی رہی آخر بولی "باپو ناراض تو نہیں ہوں گے؟"

"وہ کیوں ناراض ہوں گے۔ میں پچھی کو میکے گئی تھی۔ ماں نے بلاؤز کے لیے دس روپے دیے تھے۔ اس میں اُن کا کیا ہے۔ پھول بھی ماں نے ہی بنوائے تھے۔"

چمپا پھول لیتے ہوئے بولی "بلاؤز تم بنوالو۔"

"میرا کیا ہے۔ گھر میں تین چار بلاؤز پڑے ہیں۔ پرانے دھرانے جیسے بھی ہیں چار دن پہن لوں گی۔ تم لوگ آنے جانے والے ہو۔ شوہر کے گھر سکھ سے رہو بیٹی۔"

چمپا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ لرزتے ہاتھوں سے روپے لے کر روتے ہوئے بولی:

"جب تک تم ہو۔ میرے لیے میکہ ہے۔ بعد میں مجھے اس باغ میں کون پوچھے گا۔"

"جب تک میں رہوں تم آتی رہنا بیٹی اور بعد میں بھی نہ آنے کی کیا بات ہے۔ تمھاری ماں تمھارے لیے بہت کچھ کرتی ہوگی، پر مجھ سے بھی جتنا ہو پاتا ہے کرتی ہوں تھوڑا بہت سہی۔ اتنا ہی آکر میکے کو نبھا جایا کرو۔"

"کیسی پاگلوں سی باتیں کرتی ہو۔ تم جیسا تو پیدا کرنے والی ماں بھی نہیں کر سکے گی۔ تم نے میرے لیے بہت کچھ کیا ہے۔ معلوم نہیں میرے کس جنم کی ماں ہو تم!" چمپا سسکیاں لے کر رونے لگی۔

تارکا اسے گلے لگا کر پیار کرتی ہوئی بولی "روتی کیوں ہو؟ سکھ سے شوہر کے گھر رہو۔"

"یہ تم روز بروز اتنی دبلی کیوں ہوتی جا رہی ہو۔ کسی کو دکھاؤ نا۔ ایسے کیسے چلے گا!"

"اب زندہ رہ کر کیا کرنا ہے۔ سب کے لیے بوجھ ہو گئی ہوں" پھر دل ہی میں سوچ کر بولی "اب ٹھیک کہاں ہونا ہے؟"

بھاری پاؤں رکھتے ہوئے چمپا گاؤں کی طرف بڑھی۔ چار قدم گئی تھی کہ کچھ سوچ کر لوٹی اور تارکا کے پاؤں چھو کر چلی گئی۔ تارکا بولی "موسی کے پھول لوٹا دینا۔ کہنا کہ یہ پھول میری ماں نے بنوائے ہیں۔" پھر کچھ سوچ کر بولی "چاہو تو ان پھولوں کو ماں کے گھر ہی چھوڑ جانا" اتنا کہہ کر وہ واپس چل پڑی۔

کچھ دن بعد، ساس کے اصرار پہ تارکا اپنے میکے چند دُور گئی۔ وہیں مل نے بیٹی کو آس پاس کے دو تین ویدوں کو بلا کر علاج کروایا۔ تین چار ہفتے کے علاج کے بعد کچھ صحت

میں سدھار ہوا تو اس نے دوا لینی بند کر دی۔ بعد میں دو تین ہفتے اور میکے میں رکی۔ جب اسے خبر ملی کہ اننت تیر دال میں ہے تو اس سے ملنے کی اس کے دل میں شدید خواہش پیدا ہوئی۔ لیکن اس بات کا خوف بھی تھا کہ اگر یہ بات ماں باپ سے کہے تو وہ کیا کہیں گے۔ پہلے بھی اس کے گھر جانے پر جھگڑا ہوا تھا اور اس جھگڑے کو نپٹانے کے لیے اس کے ماں باپ نے جو قربانی دی تھی وہ یاد آئی۔ پھر بھی اس کا دل اننت کو دیکھنے کے لیے بے چین تھا۔ ایک دن جب تینوں بیٹھے تھے اس نے کہا "باپو! اننت کو دیکھے بہت دن ہو گئے۔ ایک بار ہو آئیں۔ سنا ہے وہ آج کل تیر دال میں ہے۔" اس کے لہجے ہچکچاہٹ اور التجا ٹپکتی تھی۔

"اسے کیا دیکھنا ہے۔ وہ کوئی بھلا آدمی ہے! ہم نے سوچا تھا وہ چار دن اچھی زندگی بتائے گا لیکن اس نے سب تباہ کر لیا۔ اب کسی کے دروازے پر پڑا ہوا ہے" مل نے دھیرے سے کہا۔ تارکا کے جی کو یہ بات چھو گئی۔ اننت کے اس حالت تک پہنچنے کی وجہ اننت کے علاوہ صرف وہی جانتی تھی۔ تھوڑی دیر خاموش رہ کر، ایک لمبی آہ چھوڑ کر بولی "وہ بھی کیا کرے! جیسا بھی ہو۔ آخر سگے ماما کا لڑکا ہے۔ اتنی مصیبت میں ہم اسے دیکھنے نہیں جائیں گے تو لوگ کیا کہیں گے؟"

"اسے دیکھنے جا کر کیا تم اپنی زندگی برباد کرنا چاہتی ہو۔ تمھارے شوہر کو وہ لوگ پھوٹی آنکھ نہیں بھاتے۔ پہلی ایک بار جب دیکھنے گئی تھی۔ جو ہوا سو تم نے دیکھ ہی لیا۔" مل نے زوردار لہجے میں کہا۔

"انھیں کون بتانے جائے گا۔ باہر سے ہی بس سے ہو آئیں گے۔"

"اب تمھیں کیا سمجھائیں بیٹی۔ اس سے پہلے تمھارا شوہر تمھیں گھر سے نکال دینے پر تل گیا تھا۔ تمھارے اب تک بال بچہ بھی نہیں ہوا ہے۔ ادھر ہم بھی ہاتھ کا تیر کھو کر بیٹھے ہیں۔ دو چار دن سنبھل کر چلو تو ٹھیک رہے گا۔ اب تو وہ لوگوں کے سامنے یہ بھی کہنے لگا ہے کہ وہ دوسری شادی کرے گا۔ اگر وہ ایسا کر ہی ڈالے تو ہم اس کا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔ تمھاری پہلی شادی کا حال دہ ہوا۔ اب سنبھل کر چلو۔ اس کو کسی طرح کا موقعہ نہ دو۔" باپ نے تارکا کو سمجھایا۔

"اگر دوسری شادی کرنا چاہتے ہیں تو ہمارے کہنے سے کیا رک جائیں گے؟ اس طرح ڈرنے سے بھی کیا فائدہ؟" تارا بولی۔

اتنی دیر چپ رہنے کے بعد رتنوا غصّے سے بولی "تم تو ہمیشہ دو ٹوک جواب دے دیتی ہو۔ ایک بات بھی تمھاری سمجھ میں نہیں آتی۔ اس سے پہلے جب ان کے گاؤں گئی تھیں تب بھی شوہر سے پوچھے بغیر چلی گئی تھیں۔ اس پر جھگڑا کر کے اس نے تمھیں گھر سے نکال دیا۔ کئی لوگوں

کے سمجھانے بجھانے پر راضی ہوا تھا۔ ہم دونوں نے گھر میں بیٹھ کر سوچا اس نے ایسا کیوں کیا ہوگا۔ ہماری کھیتی باڑی گھر بار سب بیٹی کا ہی ہوگا۔ اب ہمارے یہاں بچے ہونے نہیں اس لیے بیٹی دکھ کیوں جھیلے۔ داماد کے نام لکھ دیں گے۔ کم سے کم یہ تو ہوگا کہ ہم نے سب کچھ داماد کے نام کر دیا۔ بعد میں وہ ہماری دیکھ بھال چاہے کرے یا نہ کرے۔ کوئی بات نہیں۔ وہ شاید دل میں سوچتا ہوگا کہ میں کہیں اپنے میکے والوں کے نام نہ لکھ دوں اسی لیے اس نے وہاں جانے پر پابندی لگادی۔ اب بھی اس کے دل میں نہ جانے کیا ہے۔ اس کا بھلا آدمی ہونا بھی ضروری نہیں ہے۔ اب چار دن ذرا سکون سے گذار دو! بال بچے ہوں۔ بعد میں آنا جانا تو ٹھیک رہے گا۔ تمھاری پیدایش سے اب تک ہمیں کوئی سکھ نہیں ملا۔ تمھارے سکھ کے لیے ہم نے سب کچھ کھو دیا۔ اب برابر کی ہوگئی ہو تمھیں کیا کہیں۔ خود ہی سنبھل کر چلو۔"

تارکا آگے کچھ نہ بولی۔ اس نے جی میں سوچا "ماں باپ نے میرے سکھ کے لیے سب کچھ چھوڑ دیا۔ اب کیا میں ان کی تسلی کے لیے اننت کو دیکھنے کی خواہش نہیں چھوڑ سکتی؟"

چندور میں کچھ دن رہنے کے بعد تارکا اپنے گھر لوٹ آئی۔ علاج کے بعد ماہواری باقاعدہ ہونے لگی۔ نہ تو پہلے کی طرح درد ہی تھا اور نہ کوئی دوسری خرابی۔ سکھ کے کچھ دن بیتے۔ ایک ماہ تارکا مہینے سے نہیں ہوئی۔ "یہ تو تھوڑے دن کے لیے تھا اس بار بھی پہلے کی طرح ہوگا" امّوا سوچ کر مایوس ہوگئی۔ لیکن یہ مایوسی زیادہ دن تک نہ رہی۔ حمل کے آثار دکھائی دینے لگے۔ بدن میں پیلاپن سا آگیا اور اسے کھٹی چیزیں کھانے کی خواہش ہونے لگی۔ کمر بھی ذرا بھاری ہوگئی۔ بہو میں یہ تبدیلیاں دیکھ کر امّوا خوش ہوگئی۔ اس نے چندور بھی خبر بھیجی۔ سارا گھر خوشی سے بھر گیا۔

"بھگوان کرے اماں کی آنکھوں کے سامنے لڑکا ہو" بائی کی عورتوں نے دعا دی۔ امّوا بھی یہی کہتی "لڑکا یا لڑکی، کچھ بھی ہو۔ گھر میں بچہ ہونا چاہیے۔"

اب گھر میں تارکا کے لیے کام کم تھا۔ رشتے داروں میں سے کوئی نہ کوئی آکر کام کر جاتا تھا۔ ساس بار بار پوچھتی "چکر آتے ہیں کیا؟"

"نہیں۔ بدن بے جان سا لگتا ہے۔ سر میں گھن گھن کی آواز ہوتی ہے۔ روٹی کھانے کو جی نہیں چاہتا۔ صبح اٹھتے ہی منھ کڑوا کڑوا سا لگتا ہے" تارا جواب دیتی۔

امّوا "پہلی بار ٹھہرا ہے۔ اسے کیا معلوم" کہہ کر چپ ہو جاتی۔ لیکن اس کا دل اتنے پر بھی نہ مانتا۔ بہو سے پھر کہتی "گرمی ہو سکتی ہے۔ روز دہی بلوتے وقت ایک لیموں کے برابر مکھن نگل لیا کرو۔ اس سے تمھیں اور بچے کو، دونوں کو فائدہ ہوگا۔"

بیٹی کے حمل ٹھہرنے کی خبر سن کر، رتنوا کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا اور مٹل کے لیے تو آسمان صرف تین ہاتھ رہ گیا۔ بیوی سے بارہ طرح کے پکوان پکوا کر ہو واگیری بھیجے گئے۔ تیسرا مہینہ شروع ہوتے ہی رتنا نے بیٹی کے لیے ہرا بلاؤز بنوایا۔ امواً سے کہا: "لوگوں سے بتانا نہیں چاہیئے!" امواً بہت خوش تھی۔ اس نے دل کھول کر سمدھن سے کہا: "نہیں بہن۔ پکوان بانٹنے تک ہم کیوں بتائیں گے۔ یہ تو بہلوٹی ہے۔ اپنا کہہ رہا تھا بچے نہ ہوئے تو دوسری کر لوں گا۔"

رتنا دکھی ہو کر بولی "وہ اگر کرنا چاہے تو رکے گا نہیں اور نہ کرنا چاہے تو ہوگا نہیں اور جو اس کی تقدیر میں ہے سو تو ہو گا ہی!"

"کچھ بھی ہو۔ اب تارا کی زندگی میں کچھ ٹھہراؤ ضرور آیا ہے۔"

"ایک لڑکا ہو جائے تو بس۔ اتنی محنت کامیاب ہو جائے۔"

"لڑکا ہو یا لڑکی۔ بس گھر میں ایک بچہ ہونا چاہیئے۔ اب ایک ہو گا تو اور بھی ہوں گے گھر میں بچوں کے بغیر تو میں اوب گئی تھی۔" امواً نے کہا۔

"بہت دیر بھی ہو تو بارہ برس سے زیادہ نہیں ہونے چاہئیں اور اسے مہینہ شروع ہوئے سولہ سال ہو گئے۔ میں تو مایوس ہو چلی تھی۔ بھلا کس کے سامنے اپنا دکھ روتی" رتنا نے اپنا دل کھول کر رکھ دیا۔

"ہماری بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کیا جائے۔ ایک طرف کنواں اور دوسری طرف کھائی۔ لڑکا اندر ہی اندر سلگ رہا تھا۔" امواً بولی: "اور کیا گھر میں بچے ہوں تو اچھا رہتا ہے۔"

"بھگوان کرے بہت سے بچے ہوں۔ ہم بھی دو ایک لے جا کر پال لیں گے" رتنوا بولی۔ رتنوا کی بات ختم ہوتے ہی ایک چھپکلی بول پڑی۔ امواً بڑھیا ایک دم 'ہر ہنت، ہر ہنت' کہہ کر کچھ فکر مند ہو کر بولی: "پتہ نہیں یہ چھپکلی کیوں بول اٹھی؟ لڑکے ہونے دو کہیں بھی پل جائیں گے۔ ہمارے گھر میں بھی کون سے دس بیس بچے ہیں۔"

رتنوا نے پوچھا "یہ چھپکلی کیسی ہے؟"

"چھپکلیوں کا کیا۔ بہت سی رہتی ہیں۔ لیکن اس کونے کی چھپکلی اچھی نہیں ہے۔ میرے گھر والے کے مرنے سے پہلے بھی اسی کونے سے بولی تھی۔"

بیٹی کے گھر میں دو تین دن سکھ سے بیتے۔ رتنا بار بار بیٹی کی جانچ کرتی۔ وہ دل ہی دل میں یہ سوچ کر ڈرتی کہ ابھی تین مہینے پورے نہیں ہوئے ہوں گے۔ ابھی تو اڑھائی مہینے ہی ہوئے ہوں گے۔ پہلے پندرہ دن نہ گنے جائیں تو اتنے دن نہیں ہوتے ہوں گے لیکن ابھی سے پیٹ

اتنا کیوں دکھائی دینے لگا ہے۔ اس لیے گاؤں واپس ہونے سے پہلے اس نے امو! سے یہ بات کہی تھی "یہ تارا کا پیٹ اتنا بڑا کیوں دکھائی دیتا ہے؟"

"ارے لڑکی کے جسم میں ہے ہی کیا؟ مہینہ ہو گیا۔ نہ کچھ کھاتی ہے نہ پیتی ہے۔ کمزور ہو گئی ہے۔ اس لیے پیٹ باہر کو دکھائی دینے لگا ہے۔ تم بلاوجہ فکر کرتی ہو۔"

وہ ہنس کر بولی "یہ بات نہیں ہے۔ کہیں دو تو نہیں ہوں گے۔"

امو! خوش ہو کر بولی "ہونے دو۔ ایک ہمارے یہاں پلے گا، ایک تمہارے یہاں۔ کس بات کی کمی ہے۔"

دوپہر کو رتنوا نے داماد اور سمدھن سے کہا "پانچواں مہینہ پورا ہونے پر بتی رروٹی (ایک قسم کا پکوان) بنا کر سارے گاؤں میں بٹواؤں گی۔ بعد میں ساتویں مہینے میں سجگے ہو ٹھکے (کرناٹک کا ایک خاص پکوان) بنا کر رشتہ داروں اور قریبی لوگوں میں بانٹیں گے اور اس کے بعد تارا کو گھر بلا لے جاؤں گی" ان دونوں نے مان لیا۔ پھر اس نے بیٹی کو سمجھایا کہ حاملہ عورتوں کو کیسے رہنا چاہیے "بڑی چکی پر آٹا نہ پیسنا۔ کنویں سے پانی نہ کھینچنا" یہ باتیں اس نے دس دس بار کہیں۔ آخر میں تارا کے یہ کہنے پر ہی کہ تمھاری یہ باتیں سن کر ساس جی کیا کہیں گی وہ چپ ہو گئی۔ پھر بھی گاڑی میں سوار ہوتے وقت ہدایتیں دینے سے نہیں چوکی۔ لیکن اب امو! خاموش نہ رہ سکی۔ وہ بولی "ارے جا بکی۔ ہم کیوں اسے پیسنے کا کام دیں گے۔ کسی کو ایک لوٹا مٹھا دے کر نہ پسوالیں گے۔ اپّو پانی کھینچ دے گا۔ ہمیں کیا خیال نہیں؟ پھول کی طرح رکھیں گے۔"

سمدھن کے یہ کہنے پر بھی برا نہ مانا اس نے اور خوشی خوشی گھر روانہ ہوئی۔ لیکن راستے میں برابر کی زمین پر جُوا ٹوٹا تو کچھ غلط نہ ہونے پر بھی بعض اوقات ایسے قدرتی واقعات سے بھی دل کو فکر سی لگ جاتی ہے۔ پرسوں چھپکلی بولی تھی۔ آج جُوا ٹوٹ جانے سے اسے بڑی فکر لگ گئی۔ وہ نوکر سدھا سے پوچھے بغیر نہ رہ سکی "اب میری بیٹی کی زندگی کی گاڑی ٹھیک چلنے لگی ہے لیکن یہ آج جُوا کیوں ٹوٹ گیا؟"

سدھا بولا "مالکن یہ بہت پرانا جوا تھا۔ گاڑی دھوپ میں پڑی رہتی ہے۔ کچی پڑ گئی ہو گی۔" لیکن تب بھی اس کے چہرے پر یہ خوف تھا کہ گھر لوٹنے پر، جوئے کے ٹوٹنے کی وجہ سے مالک ضرور بگڑیں گے۔

معلوم نہیں اس کا مطلب رتنوا نے کیا لگایا۔ وہ دل ہی دل میں منتیں ماننے لگی "لگموا! میری بیٹی خیریت سے زچگی سے فارغ ہوئی تو تمھیں ایک ساڑھی پہناؤں گی۔ زچگی سے فارغ

ہو کر جب وہ سسرال جائے گی تو جو ساڑھی میں اسے دوں گی اس سے بھی ایک روپیہ زیادہ قیمت والی ساڑھی تمھیں دوں گی۔" اس نے اپنے دل میں کل دیوتا کی منت مانگی۔ بعد میں اس نے سدھا کو سمجھاتے ہوئے کہا "دیوی کے سہارے چھوڑ دیں گے وہی کنارے لگائے گی۔ آدمی کے ہاتھ میں کیا ہے؟"

ایک دوپہر کو ایک آدمی باغ ڈھونڈھتا ہوا کنویں کے پاس آکر پوچھنے لگا "یہاں چندور کی لڑکی رہتی ہے۔ اس کا گھر کونسا ہے؟" تارکا اندر تھی۔ اس کی بات سن کر کچھ گھبرائی ہوئی باہر آئی۔ اجنبی کی آواز کچھ جانی پہچانی سی تھی۔ اس نے بے قراری سے پوچھا "آپ کون ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں؟"

"میں تیرِدال کا ہوں۔ یہاں تارکا کون ہے؟"

"میں ہی ہوں۔ آپ کیوں آئے ہیں۔ کیا کام ہے؟" آواز میں خوف تھا۔

"کوئی کام نہیں۔ آپ گھبرائیے نہیں۔ مالکن نے کہا تھا ذرا دیکھ کر آنا انھیں۔"

تارکا بیچ میں ہی بول پڑی "کون سی مالکن؟ کسے دیکھ کر آنے کو کہا؟ آرام سے بیٹھ کر تو بتاؤ۔" وہ زیادہ دیر تک کھڑی نہ رہ سکی۔ منڈیر پر بیٹھ گئی۔

اجنبی کو کچھ حیرت ہوئی۔ تارکا کو غور سے دیکھ کر بولا "ارے اور کون سی مالکن؟ وہ اپنی اندروا بہن نہیں ہیں۔ اننتوا کی بیوی! انھوں نے دیکھ کر آنے کے لیے کہا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ وہ آنے کے لیے تیار ہوں تو انھیں موٹر میں بٹھا کر لے آنا۔"

تارکا کو ایسا لگا جیسے کسی نے چابک مار کر جگایا ہو۔ اس کی نظر تیز ہوئی۔ پوچھا: "کسے لانے کو کہا تھا؟ اننت کو؟ وہ یہاں کب آیا؟" اس کی آواز میں بے چینی تھی۔ بعد میں اس نے دل میں سوچا "میری ایسی قسمت کہاں کہ وہ یہاں تک آئے۔" دو ایک منٹ بعد ناک پر انگلی رکھ کر پوچھا: "یہ کس نے کہا کہ وہ یہاں آیا ہے؟"

اجنبی کچھ دیر تک حیران سا بیٹھا رہا۔ اس کے منھ سے نکلا "یہاں نہیں آیا؟"

'نہیں' تارکا نے جواب دیا۔

"تو وہ کہاں گیا ہوگا؟" کہتے ہوئے وہ ایک طرف ٹکٹکی لگا کر سوچنے لگا۔ بعد میں کچھ سرک کر ایک کھمبے کے سہارے بیٹھ گیا۔ اس کا گلا سوکھ گیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو نہ تھے لیکن اس کی آنکھیں کہہ رہی تھیں: "اب گیا اننتا۔ میری اندروا کا سرمایہ لٹ گیا۔

وہ کس طرف چلا گیا؟ اندروا کو میں نے اپنے ہاتھوں میں کھلایا تھا۔ میں نوکر تھا۔ بوڑھا تھا۔ پھر بھی اندروا جب چھوٹی تھی تو مجھے دادا کہہ کر پکارتی تھی۔ پوتی کی طرح میرے پاس آتی تھی۔ میری آنکھوں کے سامنے ہی ایسا کیوں ہو گیا؟" کچھ دیر بعد گلا صاف کرتے ہوئے بولا "گلا سوکھ رہا ہے۔ تھوڑا پانی دو بہن۔"

تارکا اٹھ نہیں سکتی تھی۔ پھر بھی کسی نہ کسی طرح اٹھ کر اندر گئی اور تھوڑا گڑ اور پانی لا کر دیا۔ اس نے گڑ نہیں کھایا۔ صرف پانی پیا۔ بعد میں اس نے ایک گہری سانس لی۔ اس سانس کی گرمی تارکا کو بھی محسوس ہوئی۔ اس نے پوچھا "اننت کہاں گیا؟ تیرڈال میں نہیں ہے؟"

"نہیں، بہن! پچھلے سوموار ہی تیرڈال سے گیا تھا۔"

"ساتھ کون تھا؟"

"کوئی نہیں تھا۔ اکیلا ہی چلا گیا۔ ناراض ہو کر کسی کی بات نہیں سنی۔ معلوم نہیں کہاں گیا؟"

"اینا پور میں نہیں ہے؟ آپ وہاں گئے تھے؟"

"وہاں کہاں رہے گا؟ آج صبح ہی اس کا بھائی نابھراج اسے ڈھونڈتے ہوئے تیرڈال آیا تھا۔ تب سے ہم پاگل سے ہو گئے ہیں۔ اب تک ہم لوگ یہی سوچتے تھے کہ وہ وہیں گیا ہوگا۔"

"اینا پور گیا نہیں۔ تو جاتے وقت کہاں جانے کے لیے کہہ گیا تھا؟"

"دو دن گھر میں جھگڑا رہا۔ رد کوا پرانے ڈھنگ کی بڑھیا ہے۔ وہ بغیر سوچے سمجھے جو جی میں آئے کہہ دیتی ہے۔ وہ برداشت نہ کر پایا۔ آٹھ دن سے اس سے بات نہیں کر رہا تھا۔ جانے سے پہلے اندروا کے سامنے ایک بار کہا تھا تارکا کے یہاں جاؤں گا۔ اس لیے مجھے یہاں بھیجا گیا۔ اندرا صبح سے منھ ڈھک کر بیٹھی ہوئی ہے۔"

یہ باتیں ختم ہوتے ہوتے تارکا منڈیر پر سے ایک دم پچھاڑ کھا کر گر پڑی اور اس کے منھ سے کچھ ایسے بے ربط جملے نکلے: "ہائے میری طرف آنے کے لیے کہا تھا؟ یہ سچ ہے؟ یہاں آنے کو کہا تھا؟"

اس آدمی کے اٹھ کر آگے آنے تک پڑوس کی عورتیں گرنے کی آواز سن کر دوڑ آئیں۔ انھوں نے تارکا کو اٹھاتے ہوئے پوچھا "کیا ہو گیا تارا؟" امو اکسی کام سے پان کے باغیچے

ہی گئی تھی وہ دور سے ہی آواز سن کر دوڑتی ہوئی آئی اور گھبراہٹ سے بولی: "دیکھو تو پیٹ
میں کھونٹا تو نہیں لگ گیا۔"

23

اگلے دو روز میں تارکا کا حمل گر گیا۔ گھر میں سبھی لوگوں کو دکھ ہوا۔ امّوا غصے میں آکر بولی:
"اسے جینے کی خواہش نہیں ہے ورنہ اپنا یہ حال نہ کرتی۔ ماما کا لڑکا کہاں اور کہاں کی خبر۔
کل وہ بوڑھا کہنے کے لیے آیا اور یہ اچھل پڑی۔ ایسی بات میں نے کبھی نہیں سنی۔ وہ کہاں یہ
کہاں۔ شادی کی بات کے بعد ایک بار بھی انھوں نے اس طرف جھانک کر نہیں دیکھا اور یہ
بار بار انھیں کو یاد کرتی رہتی ہے۔"

یہاں یہ بتانا ضروری نہیں کہ اس سے تارکا نے کیا محسوس کیا۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ
اننت کو تلاش کرنے کی خواہش اس کے دل میں رہ رہ کر ابھر رہی تھی۔ اس کے دل کے پردے
پر اننت کی تصویر اس طرح ابھر آئی تھی کہ اسے مٹایا نہیں جا سکتا تھا۔ ایسے ہی اپنا کی مورت
بھی ابھر آئی۔ دنیا داری کی نظر سے دیکھا جائے تو اپنا اس کا شوہر تھا۔ اس کی محبت بھری باتیں
اسے سننی پڑتی تھیں۔ وہ جب چاہتا اسے سکھ دینے کے لیے تیار ہونا پڑتا تھا۔ لیکن وہ پھر بھی
اننت کو بھول نہ پائی تھی۔ کئی بار سوچتی۔ وہ اب میرا کون ہے؟ جیسا سب کے لیے ہوتا ہے ویسا
میرے لیے بھی ماما کا بیٹا ہے۔ اب اس کی یاد کیوں؟ میرا شوہر گھر میں ہے۔ مجھے جو چاہیے وہ
دیتا ہے۔ محبت کرتا ہے۔ وہ اس جذبے کو مضبوط کرنا چاہتی تھی لیکن اننت کو نہ بھول پاتی تھی۔
ایک پیاس سی ہمیشہ اس کے دل کے تاروں کو چھیڑتی رہتی تھی۔

دو دن بعد بیٹی کے حمل کے اسقاط کی خبر سن کر ملّی اور رتنوا دوڑتے ہوئے آئے۔ سارا
واقعہ سن کر رتنوا پہلے بیٹی پر آگ بگولہ ہو کر برس پڑی۔ بعد میں رو کر کچھ تسلی ہوئی۔ ماں کو روتے
دیکھ کر تارکا کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔ رتنوا نے اسے دیکھ کر کہا: "مت رو بیٹی۔ جو ہونا تھا
سو ہو گیا۔ اب حمل ٹھہرنا شروع ہو گیا ہے تو آج نہیں کل پھر ٹھہر جائے گا۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔

اپنا خیال رکھو تمھیں کہیں ٹھنڈ نہ لگ جائے۔"

تارکا خالی خالی نظروں سے ماں کی طرف دیکھ کر اس کی باتیں سن رہی تھی۔ اس کے اندر سے ایک آواز اٹھ رہی تھی "اب مجھے زندہ رہ کر کیا کرنا ہے۔ اب میرا مرجانا ہی ٹھیک ہے۔" لیکن دوسرے ہی پل ایک سوال اٹھتا "کیا ایک بار اننت کو دیکھے بغیر ہی مرجاؤں!" اور تب اسے باپ کی لال لال آنکھیں یاد آتیں۔ باپ نے اس کا نام تک لینے کو ہی منع کر رکھا تھا۔ ماں نے بھی کہہ دیا تھا "اگر تم نے اننت کا نام بھی لیا تو میں تمھارے سامنے ہی اپنی جان دے دوں گی۔" کبھی کبھی سوچتی "ماں باپ نے میری زندگی کو سکھی بنانے کے لیے کیا نہیں کیا۔ انھوں نے تو گھر بار تک میرے شوہر کے نام کر دیا۔ میرے لیے تو انھوں نے یہ بھی نہ سوچا کہ ان کا بڑھاپا کس طرح کٹے گا۔ لیکن میں نے ان کو کون سا سکھ دیا۔ اگر آج میں مرجاؤں تو ان کا کون ہوگا۔ ان کا کیا ہوگا۔ ان کو صحیح سلامت رکھنے کے لیے کیا مجھے زندہ نہیں رہنا چاہیے؟" اس طرح اس میں جینے کی خواہش تیز ہو جاتی اور بجھتے دیے کی لَو بڑھ جاتی۔ ایک مہینے تک تارکا اندھیرے گھر میں رہی۔ گاؤں کے وید کے علاج اور ماں کی تیمار داری سے اس کی صحت بہتر ہونے لگی۔ وہ اب کچھ دیر باہر بھی آکر بیٹھنے لگی۔ مگر ابھی اس کی کمزوری پوری طرح گئی نہیں تھی۔ خون بھی بند نہیں ہوا تھا۔ گاؤں کے لوگوں کے مشورے پر اسے جوا کسم کی دوائی بنا کر دیتے تھے۔ رتنوا کو گھر چھوڑے ایک مہینہ ہو گیا تھا۔ اسے گھر کی فکر ستا رہی تھی لیکن بیٹی کو اس حالت میں چھوڑ جانا بھی اس کے لیے تکلیف دہ تھا۔ اس نے اپنی اس الجھن کا اظہار بیٹی کے سامنے کرتے ہوئے کہا "تارا! میں چار دن کے لیے گھر جانے کی سوچ رہی ہوں۔"

"میں بھی چار دن کے لیے جانا چاہتی ہوں۔ مجھے بھی ساتھ لے چلو۔"

"چھی! تم پاگل تو نہیں ہو گئی ہو۔ ایسی حالت میں تمھیں کیسے لے جاؤں۔ چپ چاپ آرام کیوں نہیں کرتی۔ کچا بدن ہے۔ ہوا نہ لگ جائے۔"

تارکا خاموش ہو گئی۔ ماں کے نہ لے جانے کی وجہ وہ جانتی تھی۔ یہاں اس کا شوہر دوسری شادی کی کوشش کر سکتا ہے۔ میرے گھر میں رہنے سے اس کے لیے روک ہے۔ لیکن اسے بھی تو کوئی سکھ نہیں ہے۔ میرا سکھ تو کبھی کا چلا گیا۔ یہ سب سوچ کر اس نے آئے ہوئے آنسوؤں کو پونچھ کر ماں سے پوچھا "پھر کب لوٹو گی؟"

وہ بولی "وہاں جانے پر بھی میرا دل یہیں لگا رہتا ہے۔ انھیں ایک بار بھیجوں گی۔ بعد میں خود بھی آؤں گی۔"

تارکا خاموش ہوگئی۔ اس نے دل میں کہا" ماں باپ کب تک میری پرورش کریں گے۔ مجھے تو اپنی زندگی کی اساس خود ہی پختہ کرنی چاہیئے۔"

ماں جب گھر جا رہی تھی اس نے بلا کر کہا" باپو کے آتے وقت انت کا پتہ لگ گیا کہ نہیں معلوم کر کے کہلا بھیجنا۔"

تارکا کی ساری زندگی کی یادیں رتنوا کے سامنے آگئیں۔ بچپن سے ایک ساتھ کھیلے اور بڑے ہوئے۔ اسے کیسے بھول جائے گی۔ یہ سوچ کر اس نے" اچھی بات" کہا۔ شاید اس نے یہ بھی سوچا ہو کہ بیٹی بیمار ہوگئی ہے۔ اب کچھ نہ کچھ کہہ کر دل دکھانا ٹھیک نہیں۔ پھر بھی رک کر بولی" تمھیں ایک بات اور بتاتی جاؤں۔"

تارکا نے ماں کے چہرے کی طرف دیکھ کر پوچھا" کیا؟"

" اپنے شوہر کے سامنے یہ بات نہ اٹھانا نہیں تو سب ......" یہ بات سن کر اسے بڑی تکلیف ہوئی وہ بولی" کیوں۔ کیا کوئی بھی اپنے دیے ہوئے زیور واپس نہیں مانگتا۔ انھوں نے کیا اسے سدا کے لیے دے دیا تھا۔ چار دن پہننے کے لیے دیا تھا۔ لے گئے۔ اب تک ان کی ناراضی کا سبب یہ تھا کہ تم لوگ اپنی جائیداد ماما کے لڑکوں کے نام نہ لکھ دو۔ اب وہ بات بھی نہیں رہی۔ سب اپنے نام کرا لیا ہے۔ اب تک ان کے گھر جانے نہیں دیا۔ پھر بھی ہم خاموش رہے کیا ہمیں کوئی رشتہ دار نہیں چاہیئے۔ بس اکیلے پن سے ہی رشتہ ہے!"

تارکا کی بات وہیں روک کر ماں بولی" ٹھیک ہے پر سب کے ساتھ سنبھل کر رہنا پڑتا ہے۔ اگر برا شوہر گلے پڑ جائے تو کیا منھ سے کہنا چاہیئے۔ تم گونگے پر نہ گئیں۔ اس پر انھوں نے برا نہ مانا۔ انھیں بھی معلوم ہے تم ایک گھرانے کی بہو ہو۔"

" غصہ کرنے کی بات نہیں ماں۔ کیا تمھیں معلوم ہے؟" اس نے ماں کا ہاتھ پکڑ کر پوچھا۔ اس وقت اس کی آواز اور چہرے کو دیکھ کر رتنوا گھبرا گئی۔ بیٹی کی ذہنی کیفیت کو رتنوا جانتی تھی۔ آخر اس نے اسے اپنی کوکھ سے پیدا کیا تھا۔ بیٹی کے جسم کو چھو کر بولی" تمھیں بخار ہو گیا ہے۔ سو جاؤ بیٹی۔ تم ایسے کیوں کر رہی ہو جیسے تم پر بھوت سوار ہو گیا ہو۔"

" ماں تم سمجھتی ہو کہ مجھ پر بھوت سوار ہو گیا ہے۔ نہیں، مجھے کچھ بھی نہیں ہوا ہے۔ پاگل پن بھی نہیں ہے۔ ایک دم پتھر کی طرح صحیح سلامت ہوں" یہ کہہ کر وہ اپنی چھاتی پر مکے مار کر دکھانے لگی۔

تارکا کے یہ ڈھنگ دیکھ کر رتنوا کو گاؤں جانے کا پروگرام ملتوی کرنا پڑا۔ دوسرے

دن بیٹی کی حالت میں کچھ سدھار دیکھ کر وہ چندور گئی۔

ایک مہینہ اور بیت گیا۔ تارکا کی حالت اب کافی سدھر چلی تھی لیکن اس کے چہرے کی اداسی ختم نہیں ہوئی تھی۔ ایک بار متّل اسے دیکھنے آیا تو اس نے داماد سے کہا "چار دن ہمارے یہاں بھی رہے تو ہوا پانی ذرا بدل جائے گا" اپنا نے اتنے پر ہی دوسرے دن باپ بیٹی کو اپنی گاڑی میں بٹھا کر چندور بھجوا دیا۔

متّل تارا کو میکے لے تو آیا لیکن اس کا سارا دھیان سسرال کی طرف ہی تھا۔ اس نے راستے میں ہی بیٹی سے کہا "چار دن یہاں آرام کر کے چلی جانا کیونکہ عورت کا وہیں رہنا ٹھیک ہے جہاں اسے رہنا چاہیئے"۔

گھر آتے ہی رتنا بولی "ان دنوں وہیں رہنا اچھا تھا۔ لیکن اب آئی ہو تو چار دن ٹھہر کر جانا کیونکہ اس نے تو گاڑی میں بھیجا ہے"۔

میکے پہنچ کر انت کو ایک بار بلوا کر دیکھنے کی شدید خواہش اس کے دل میں پیدا ہوئی۔ لیکن ماں باپ کے سامنے کہہ نہ پاتی تھی۔ وہ سوچتی اسے یہاں کیوں نہیں آنا چاہیئے۔ اگر وہ آجائے تو کیا ماں باپ "یہاں مت آؤ۔ نکل جاؤ" کہیں گے۔ یہی سوچتے سوچتے جب ایک دن گھر میں کوئی نہیں تھا تو اس نے ایک نوکر کو بلا کر اسے ایک روپیہ دے کر اینا پور بھیجا اور اس سے کہا "دیکھ آنا کہ انت کہاں ہے۔ کیا گاؤں لوٹ آیا ہے؟ اگر لوٹ آیا ہے تو اسے دو تین دن میں یہاں آنے کے لیے کہنا"۔

نوکر دوسرے ہی دن اینا پور سے لوٹ کر بولا "وہ گاؤں میں نہیں ہے"۔

"کون؟" رتنوا نے پوچھا۔

تارکا اس کی آواز سن کر دوڑی ہوئی آئی "کون؟ شو کے بارے میں کہہ رہے ہو۔ اچھا تم جاؤ!" یہ کہہ کر اس نے اشارے سے واپس بھیج دیا۔

رتنوا نے بیٹی سے پوچھا "کس کی بات ہو رہی تھی؟"

"شو کل ایڈورا جانے کو کہہ رہا تھا۔ میں نے اسے کہلا بھیجا تھا کہ اگر ویدجی گاؤں میں ہوں تو انھیں دو ایک دن میں یہاں بھیج دینا"۔

"پہلے ہی اس کی دوا سے کون سا فائدہ ہو گیا۔ اب اس کے آنے سے کیا فائدہ؟ کیا وہ وید آکر اب ٹھیک کر دے گا؟"

تارکا کچھ نہ بولی۔ اس نے دل میں کہا "بس میرا وید آجائے۔ اب ٹھیک ہونے کی

تو مجھے تمنا بھی نہیں ہے۔"

کچھ دیر بعد مندر جاتے ہوئے وہ شوپا سے ملی۔ اس سے ساری باتیں پوچھیں۔ اس نے بتایا "وہ گاؤں میں نہیں۔ مرجی ہسپتال میں داخل ہے۔"

"مرجی ہسپتال میں؟ تمہیں کس نے بتایا؟" تارکا نے آگے بڑھ کر تعجب سے پوچھا۔

"اس کے بھائی کے گھر میں ایک بال منڈی عورت تھی اس نے بتایا۔"

تارکا نے بیچ میں ٹوکا "ہاں وہ ان کی ماں ہیں۔" پھر رک کر پوچھا وہ گوری اور لمبی تھیں نا!"

"بیٹھی ہوئی تھی۔ گوری تھی۔ ماتھے پر ایک نشان تھا۔"

"ہاں وہی۔"

"اس نے کہا"

"کیا؟"

"تیرداں سے جانے پر پندرہ دن تک لوگوں کو پتہ نہ چلا۔ بعد میں لوگوں کو خبر ہوئی۔"

"اچھا۔ دیکھ بھال کرنے کے لیے ساتھ کون ہے؟"

"کوئی نہیں۔"

"اکیلے کیسے؟ گھوم پھر سکتے ہیں کیا؟"

"معلوم نہیں۔"

"کیوں؟"

"کسے معلوم ہے بہن جی۔ ہسپتال چھوڑ کر باہر نہیں جا سکتے۔"

خالی نظروں سے دیکھ کر تارا بولی "تو یہ بات ہے۔"

تارا کو اس بار بھی اننت کے درشن نہ ہوئے۔ تین چار دن بعد باپو نے کہا۔ "کل سوموار ہے۔ بیلوں کی چھٹی رہتی ہے۔ تمہیں پہنچا آؤں گا۔ چلو۔"

"چلو۔ کہیں نہ کہیں تو دن کاٹنے ہیں" تارا دل میں کہہ کر، گھر جانے کی تیاری کرنے لگی۔

تارا پھر گھر کا کام کاج کرنے لگی۔ ایک دن اپنا جا کر آموں کی ایک ٹوکری لے آیا۔ تارکا کبھی کبھی شوہر سے پیٹ کی گرمی اور پیشاب کی جلن کی شکایت کرتی لیکن اپنا کا خیال تھا کہ گرمی کے دنوں میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ چلو جی بھر کر آم تو کھالیں۔ تارا نے کچھ زیادہ ہی آم کھائے۔ لیکن وہ آم اچھے نہیں تھے۔ ہوا سے گر کر پک گئے تھے اس لیے سستے تھے۔ گھر میں سبھی نے کھائے لیکن کسی کو کچھ بھی نہ ہوا مگر تارکا کی طبیعت ابھی تک پوری طرح ٹھیک نہیں ہوئی تھی۔ تھوڑا بخار

اب تک رہتا تھا۔ اس وجہ سے آم اسے راس نہ آئے۔ دو چار دنوں میں ہی ہاتھ پیروں میں درد شروع ہو گیا۔

ایک دن اپناّ نے بستر میں تارا کے بدن پر ہاتھ رکھا۔ تارا بولی "پتہ نہیں آج کیوں طبیعت ٹھیک نہیں؟"

"تمھیں تو ایسا ہی لگتا ہے۔ دو تین مہینے ہونے پر بھی......" اپناّ اس کے اور نزدیک کھسک آیا۔

تارا گھبراتے ہوئے بولی "بیچ میں چار دن ٹھیک رہی۔ آم کھانے سے ایسا ہوا ہوگا۔"

"ہونہہ! آم کھانے سے کیا ہو جاتا ہے۔ دوسری عورتوں کو تو کھانا تک میسر نہیں ہوتا۔ تمھیں آم کھانے سے بیماری ہو جاتی ہے۔ فضول کی بات ہے" وہ کچھ غصے سے بولا۔

تارکا آگے کچھ نہ بولی اور اسی وقت اس کا جسم شوہر کی ہوس کا کھلونا بن گیا۔ رات گذری لیکن تارکا بستر سے نہ اٹھ سکی۔ اپناّ بہت صبح ہی کام پر چلا گیا تھا۔ امواّ تارکا کو جگانے آئی۔ اس کا بدن آگ کی طرح جلتا محسوس کر کے اس کے منھ سے نکلا" اوئی ماں۔ آگ جیسی جل رہی ہے۔ کیوں تارا تمھیں اتنا بخار کیسے چڑھ آیا۔ ہائے بھگوان اس کا بخار مجھے کیوں نہیں ہو جاتا۔ بھگوان مجھے اٹھا کیوں نہیں لیتے؟"

تارکا کچھ نہ بولی، وہ شدید بخار کی وجہ سے ہوش میں تھی ہی نہیں۔ کچھ دیر بعد شوہر نے آکر دیکھا۔ کچھ گھبرایا۔ کچھ چھپاتے ہوئے بولا "کیا ہوگا۔ دو دن میں ٹھیک ہو جائے گی۔ آم زیادہ کھا گئی ہے۔"

"آگ لگے اُن آموں کو۔ تم لائے ہی کیوں تھے؟"

"اب ایسی بیماری میں آم کیا کریں گے؟" بیٹے نے جواب دیا۔

دو دن بیت گئے۔ اپناّ انتظار کرتا رہا۔ آج بخار اترے گا، کل اتر جائے گا۔ لیکن بخار بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ درد بھی زیادہ ہو گیا تھا۔ کبھی کبھی بے ہوش سی بھی ہو جاتی تھی۔ تارکا کا شوہر اس بار بہت نادم سا تھا۔ ہمیشہ بیوی کے پاس بیٹھ کر تیمار داری کرتا رہا۔ ایک بار وہ تارکا کا سر اپنی گود میں رکھے اس کا ماتھا سہلا رہا تھا کہ تارکا نے آنکھیں کھولیں۔ وہ ٹکٹکی باندھے شوہر کے چہرے کو دیکھنے لگی۔ اپناّ ان نظروں کی تاب نہ لا سکا۔ آنکھوں سے خود بہ خود دو قطرے بہہ نکلے۔ انھیں پونچھ کر دوسری طرف منھ پھیر کر چھپاتے ہوئے پوچھا: "طبیعت کیسی ہے؟"

تارکا نے کچھ کہنا چاہا۔ ہونٹ ہلے لیکن کہہ نہ پائی۔ پھر کچھ رک، لبوں پر زبان پھیری اور

گلا ٹھیک کرتے ہوئے رک رک کر بولی " کچھ ٹھیک نہیں۔ باپو اور ماں کو بلوا بھیجیے " اپنا کو جیسے ہزاروں بچھوؤں نے ڈنک مار دیے ہوں۔

دھیرے سے اس کا سر نیچے رکھ کر باہر گیا اور نوکر کو فوراً ساس سسر کو بلانے کے لیے چندُور بھیجا۔ پھر اندر آیا۔ جی میں اطمینان نہ تھا اس نے دل ہی دل میں بھگوان سے دعا کی " بھگوان ایک بار اسے بچا دو " پھر وہ بھگوان کی وبھوتی بیوی کے بدن پر ملنے لگا۔ لیکن تارکا کے چہرے پر ایک عجیب سے شدید طنز کے آثار تھے۔ جیسے کہہ رہی ہو " بیوقوف اس سے کیا فائدہ ؟" اپنا بھی جیسے اس کی بات سمجھ گیا ہو۔ وہ وہاں نہ ٹھہر پایا۔ ذرا دور کھسک کر بیٹھ گیا۔ تارکا بخار کی شدت سے بے ہوشی میں بڑبڑا رہی تھی " میں ٹھیک نہیں ہوں۔ نہیں۔ ذرا دُور ہٹو۔ مجھے نہ چھوؤ۔" ان باتوں نے اپنا کے زخموں پر نمک کا کام کیا۔ وہ اٹھ کر باہر آیا۔ ماں کے پاس آکر صلاح کرنے لگا۔ دوسرے گھر سے بھائی اور چاچی کو بلوا بھیجا۔ ایک اور نوکر کو گاڑی تیار کرنے کے لیے کہا۔ شام کو سب تارکا کو تیرتھال میں سرکاری ڈاکٹر کو دکھانے لے گئے۔

ڈاکٹر نے پوری جانچ کی۔ ساتھ کے لوگوں سے ساری باتیں پوچھیں۔ سب نے کچھ دن پہلے کے اسقاط سے اب تک کی تمام باتیں بتائیں۔ تارکا آنکھیں بند کیے پڑی رہی۔ ڈاکٹر نے ایک نرس کو بلا کر اسے کچھ کہا۔ تارکا کو اندر لے جایا گیا۔ اندر جب نرس اس کی جانچ کر رہی تھی تو وہ عجیب سے انداز میں چیخ پڑی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ نرس نے باہر آکر ڈاکٹر کو بتایا " اسقاطِ حمل کی بات نہیں ہے۔ ماہواری کی تکلیف ہو سکتی ہے۔ حالت بہت نازک ہے۔"

صبح ڈاکٹر نے چار دن کی دوا دے کر کہا " یہاں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں۔ انھیں گھر لے جائیے۔"

اپنا باہر آیا۔ تارکا کے ساتھ کے ایک اور آدمی کو ڈاکٹر نے بتایا " اب اس کے زیادہ دن جینے کی امید نہیں۔ اگر اس کے ماں باپ ہیں تو بلوا لیجیے۔"

تارکا کو پھر گاڑی میں لٹایا گیا۔ وہ اس وقت ہوش میں تھی۔ اس نے " اوئی ماں ُدرد ہوتا ہے " کہہ کر چاروں طرف دیکھا۔ پھر شوہر کو پاس بلا کر بولی " یہ مجھے پھر کیوں گاڑی میں لٹایا گیا ہے ؟"

" گھر چل رہے ہیں ؟"

تارکا ایک لمبی سانس کھینچ کر بولی " گھر ! پھر گھر ! " پھر التجا بھرے لہجے میں بولی " مجھے

ماں کے گھر لے چلیے۔"

"انھیں کہلا بھیجا ہے۔ وہ لوگ بس آ ہی رہے ہیں۔"

"آ رہے ہیں" کہہ کر اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ کچھ دیر تک چپ پڑی رہی پھر شوہر کی طرف دیکھتے ہوئے آنکھوں میں آنسو بھر کر بولی" مجھے وہیں لے چلیے، باغیچے میں نہیں۔ میں آپ کے ہاتھ جوڑتی ہوں۔ میری یہ ایک بات مان لیجیے۔" اپنا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے حکم دیا" اس کی خواہش کے مطابق کین کے راستے پر گاڑی چندور لے چلو۔" ایک آدمی کو اپنے باغیچے میں خبر دینے بھیجا۔ دھوپ تیز ہونے لگی۔ دھول اڑاتی گاڑی دور سے دھندلے ستارے کی طرح دکھائی دے رہی تھی اور تارکا بے ہوش پڑی تھی۔

رات کے دو بجے گاڑی مگدم کے آنگن میں پہنچی۔ گھر میں ملپا اور رتنوا دونوں ہی نہ تھے۔ وہ لوگ اسی روز صبح ہواگیری روانہ ہو گئے تھے۔ تالا توڑ کر تارکا کو گھر کے اندر لے جایا گیا۔ اب تارکا کو کچھ ہوش آیا۔ اپنے گاؤں آ جانے سے دل ہی دل میں خوش ہوئی۔ چہرے پر کچھ سکون کے آثار نظر آئے۔ اس نے اپنے دل میں کہا" میرے لیے سب لوگ ہیں۔ ماں ہے، ساس ہے، باپو اور شوہر بھی ہیں۔ لیکن ان میں کوئی میرا نہیں ہے۔" اس خیال کے آتے ہی اس کے دل کے پردے پر اننت کی مورت دکھائی دینے لگی اور اس مورت کو اس جگہ سے ہٹا دینے کے لیے بھرتا اور اپنا کی تصویریں بھی سامنے آئیں۔ آخر میں ایک بار اننت کو دیکھ کر ہی مرنے کی تمنا ہوئی اسے۔ یہی سوچ کر وہ گھر آئی تھی۔ باغیچے میں وہ جا نہیں سکے گا لیکن اپنے گاؤں تو آ ہی سکے گا۔ یہاں آئے لیکن ماں باپ گھر نہیں ہیں۔ ان کو بلانے کے لیے ایک اور آدمی تیردال دوڑایا گیا۔ مل اور رتنوا ہواگیری کے باغیچے گئے وہاں سے تیردال گئے۔ دوسرے دن دوپہر کو تھکے ماندے لوٹ کر چندور پہنچے جہاں بیٹی کی حالت کو دیکھ کر ان کا جی دھک سے رہ گیا۔

تارکا کا درد بڑھنے لگا۔ دو دن سے کھانسی بھی ہو گئی تھی اور کھانسی میں بلغم کے ساتھ خون بھی آنے لگا تھا۔ تارکا کو کمرے کے اندر لٹایا گیا تھا اس کے پاس باپ، شوہر، ماں وغیرہ سبھی تھے۔ تارکا نے ماں سے منت بھری گذارش کی" ماں! اننت کو بلاؤ۔ اسے دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"اچھی بات ہے بیٹی" کہہ کر رتنوا نے داماد کی طرف دیکھا۔

اپنا بولا" کوئی اینا پور جانے والا ہو تو ابھی بھیج دوں۔ اسی دن ایک آدمی اینا پور بھیجا گیا۔ ایک دن گذرا۔ تارکا کے بدن پر ایک آدھ دانا دکھائی دینے لگا۔ رتنوا نے چیچک

سمجھ کر کچھ تجربہ کار لوگوں کو دکھایا۔ انھوں نے بتایا کہ وہ چیچک کے آثار نہیں ہیں۔ تارکا چپ چاپ بستر پر پڑی رہی۔ اپنا کو باغیچہ چھوڑے پانچ چھ دن ہو گئے تھے۔ وہ "ذرا ہو کے آتا ہوں" کہہ کر چلا گیا۔

کسی طرح دو دن بیتے۔ اپنا لوٹ آیا۔ ایک دن رات کو تارا نے ماں کو پاس بلا کر کہا "اب تمھارا بڑھاپے میں سہارا کون ہوگا۔ میں تو چلی۔" رتنوا کا گلا بھر آیا۔ وہ آنسو پونچھتے ہوئی بولی "ایسا کیوں کہتی ہو بیٹی؟ تمھیں کیا ہوا ہے۔"

"نہیں، مجھے ٹھیک نہیں لگ رہا ہے۔ جی گھبرا رہا ہے۔ پیٹ میں جلن ہے۔"

"گرمی ہو گئی کیا بیٹی؟"

تارکا بیچ میں ہی بولی "کچھ پانی دو گی ماں؟"

رتنوا پانی لا کر دیتے ہوئے بولی "زیادہ نہ پینا سمجھیں؟"

"اب اور کیا ہوگا۔ لاؤ" کہتے ہوئے تارکا کچھ زیادہ ہی پانی پی گئی بعد میں اس نے پوچھا "وہ آ گئے؟" پھر رتنوا کے خاموش رہنے پر پوچھا "اننت آیا نہیں؟"

"بلوا تو بھیجا تھا۔ پتہ نہیں کیوں نہیں آیا؟"

"نہیں آیا" کہہ کر تارا نے آنکھیں بند کر لیں۔ اس کی آنکھوں کی کوروں سے آنسو بہنے لگے۔ نتھنوں سے گرم ہوا بھی نکلنے لگی۔ اپنا نیند سے اٹھ کر اس کے بستر کے پاس آ گیا۔

تارکا نے خالی نظروں سے چاروں طرف دیکھا بعد میں دھیمی آواز میں رتنوا سے بولی:

"ماں، اننت کو بلانے آدمی بھیجو گی؟"

"نوکر نے آ کر بتایا ہے کہ اننت گاؤں میں نہیں۔" کہہ کر اپنا باہر آیا اور سوتے ہوئے اپنے نوکر سدھا کو جگا کر بولا "مرجی ہسپتال میں اینا پور کا اننت نام کا ایک شخص ہے۔ اسے جلدی بلا لاؤ۔ اس سے کہنا تارکا کی بیماری بڑھ گئی ہے۔ صبح کی موٹر سے ہی چلے آؤ۔ اسے ڈھونڈ کر کسی نہ کسی طرح لے آنا۔" یہ کہہ کر اسے پانچ روپے دے کر بھیج دیا۔ بعد میں اندر آ کر بیوی سے بولا "اننت کو بلانے سدھا کو بھیج دیا ہے۔"

تارکا کچھ نہ بولی۔ صرف احسان مند کی نظروں سے شوہر کو دیکھ کر رہ گئی پھر کچھ رکی اور سسکیاں لیتے ہوئے رتنا کی طرف دیکھ کر بولی "ماں! تم لوگوں کو منجدھار میں چھوڑ کر جا رہی ہوں۔ تم لوگوں کا کیا ہوگا؟"

رتنوا بیٹی کو رونے سے روک کر، خود روتے ہوئے بولی "تمھارے جانے کے بعد

ہم جی کر کیا کریں گے؟"

تارکا ماں کی بات سمجھنے کی حالت میں نہیں تھی۔ صبح ہوئی۔ دھوپ بڑھنے لگی۔ تارکا کا بستر خون سے بھیگ گیا۔ رتنوا بہت فکر مند ہوئی۔ اس کے جی میں یہ بات اک ہوک بن کر اٹھی کہ "بیٹی کی موت اس طرح ہوگی اور وہ بھی بے اولاد رہ کر۔" شام ہوئی۔ اب رتنوا کو یقین ہو چلا کہ بیٹی بچے گی نہیں۔ مٹّی کو تین دن سے نیند نہیں آئی تھی۔ وہ آنگن میں بیٹھا تھا۔ لوگ آ آکر اسے تسلیاں دے رہے تھے۔ رتنوا بیٹی کا بستر چھوڑ کر اٹھی ہی نہ تھی۔ کونے میں دیا جل رہا تھا اور اس کا کا جل جھڑ رہا تھا۔ پوری رات ہوگئی۔ تارکا نے کمزور لہجے میں کہا "ماں!"

"کیا بیٹی؟" رتنوا نے قریب ہو کر پوچھا۔

"مجھے باہر لٹاؤ گی؟"

"کیوں؟"

"ذرا ہوا لگ جانے دو۔"

بیٹی کا آخری وقت سمجھ کر اس کی تمام خواہشیں پوری کی جا رہی تھیں۔ فوراً باہر بستر تیار کرایا گیا اور مٹّی کو بلا کر تارا کو وہاں لٹایا گیا۔ کچھ دیر بعد رتنا نے پوچھا "چائے پیو گی بیٹی! بنا لاؤں؟"

تارا کچھ رک کر دھیرے سے بولی "بناؤ گی تو بنا لاؤ۔"

رتنا کچھ دیر تک چائے بنا لائی۔ چمچے سے تارا کے منہ میں چائے ڈالی گئی۔ تارا آرام سے ایک پیالی چائے پی گئی۔ رتنوا کو کچھ اطمینان ہوا۔

کچھ رک کر تارا نے پوچھا "سدھا گاؤں سے آیا؟"

"نہیں تو، کیوں؟"

"دیکھنے کو جی چاہتا ہے۔" مایوس لہجے میں تارا بولی۔

کچھ وقت گذرا تارا کے بستر کے قریب سات آٹھ لوگ بیٹھے تھے...... دیا کمزور لَو کے ساتھ جل رہا تھا۔ کہیں کوئی آواز نہیں تھی۔ چاروں طرف سناٹا تھا۔ صرف تارکا کی سانس سرٖھر، سرٖھر، سرٖھر، کر رہی تھی۔

"ابھی کتنی رات باقی ہے؟" تارکا کی بگڑی آواز سے بے بسی ٹپک رہی تھی۔

"صبح ہونے والی ہے۔" مٹّی نے کہا۔

روشنی پھیلنے سے پہلے ایک بار کمزور آواز میں تارکا نے پوچھا "اننت آ...... یا؟"

"نہیں" رتنا بولی۔

تارکا کچھ رک کر بولی "ماں پیر سو رہے ہیں۔ ذرا ہاتھ پھیرنا۔"

رتنا نے بیٹی کے پیروں کے پاس کھسک کر پاؤں پر ہاتھ پھیرا۔ لوگوں نے کہا "پاؤں کی نبض رک رہی ہوگی۔"

"اب کچھ نہیں بچا۔ سب ختم ہونے کو آیا" رتنو ادھاڑیں مار کر روتے ہوئے بولی۔ لوگوں نے سمجھاتے ہوئے کہا "روؤ نہیں۔ سکون کے ساتھ روح کو پرواز کرنے دو۔"

صبح ہوئی۔ لوگ ویسے ہی بیٹھے تھے۔ تارکا کا سر شوہر کی گود میں رکھا ہوا تھا۔ سانس بھی دھیرے دھیرے چلنے لگی تھی۔ لوگوں نے منھ میں چمچ سے پانی ڈالنا شروع کیا۔ کسی نے کان میں "نموکار" منتر پڑھا۔ دل زور سے دھڑکنے لگا۔ تارکا نے ایک دم آنکھیں کھول کر چاروں طرف دیکھا اور آخر مایوس ہو کر آنکھیں موند لیں۔ آنکھوں کی کوروں سے آنسوؤں کے صرف دو قطرے نکلے۔ دل کا دھڑکنا بند ہو گیا۔ ناک سے آخری سانس نکل گئی اور اس کے ساتھ تارا کی روح لامحدود خلا میں کھو گئی۔

اس خبر سے چندور کے لوگوں کو بھی دکھ ہوا۔ دیکھتے دیکھتے لوگ جمع ہونے شروع ہو گئے اور آخری رسوم کے لیے تارکا کی لاش کو ندی کنارے اٹھا لے گئے۔

انت کو چھوٹی سی کار میں بٹھاتے ہوئے بھنگاری نے پوچھا "بدن کمزور ہو گیا ہے۔ میں بھی ساتھ چلوں؟"

"دھت! تمھیں ساتھ لے کر جاؤں ؟ تارا کے سامنے!" انت نے شرمندگی سے کہا۔ بھنگاری آگے کچھ نہ بولی اور انت سے چھپا کر آنسو پونچھتے ہوئے وہ دور ہٹ گئی۔ کار آگے بڑھی۔

انت کی طرف گھوم کر سدھا نے کہا "تین دن سے لگاتار آپ کا نام جپ رہی ہیں۔"

"تم جب چلے تھے تو حالت کیسی تھی؟"

"ٹھیک تھی" پھر کچھ رک کر بولا "لیکن آثار ٹھیک نہیں لگ رہے تھے"

"اُسے چندور کب لائے؟"

"پانچ چھ روز ہو گئے۔"

"اس سے پہلے مجھے اطلاع کیوں نہ دی گئی؟" انت نے دکھ کے ساتھ پوچھا۔

"تین روز پہلے آپ کو اپنا پور میں تلاش کروایا تھا۔ آپ کا پتہ نہ لگا۔ اس لیے کل مجھے

یہاں بھیجا۔ لیکن شام تک آپ ملے نہیں۔"

"تمہارے آنے کے بعد بھی ایک رات بے کار گئی۔" اننت نے کہا۔

"ڈاکٹر کی اجازت لینی تھی۔ کیا کریں؟"

کار بہت تیزی سے چل رہی تھی۔ لیکن اس کی رفتار اننت کو سست محسوس ہو رہی تھی۔ دو گھنٹے کا راستہ تھا۔ پھر بھی اسے ایسا لگا جیسے وہ دو دن کا راستہ ہو۔ اننت نے ڈرائیور کو تین چار بار کار تیزی سے چلانے کو کہا۔ راستے میں پڑنے والے گاؤں کا دھیان اسے تھا ہی نہیں۔ چندور پہنچنے سے پہلے دو تین بار "یہیں سے مڑو" کہا اور پاگلوں کی طرح اِدھر اُدھر دیکھتا رہا۔ کبھی اٹھ کر کھڑا ہوتا لیکن کمزوری سے گر پڑتا۔ پھر ایک لمبی سانس لے کر پوچھتا۔ "سدھا ابھی کتنی دور ہے؟"

"اب کیا؟ گاؤں آ ہی گیا" سدھا تسلی دیتے ہوئے کہتا۔ پھر اننت بھرے گلے سے بچوں کی طرح پوچھتا: "میرے پہنچنے تک زندہ رہے گی؟"

اس کی حالت دیکھ کر سدھا دلاسہ دیتے ہوئے بولا "انھیں کیا ہوگا جی؟"

اننت نے آسمان کی طرف منھ کر کے بے بسی سے کہا "پھر ٹھیک ہے۔ بھگوان نے بچالیا۔"

کار کے چندور پہنچنے تک صبح کے قریباً نو بج چکے تھے۔ اب گاؤں دو فرلانگ دور تھا۔ سامنے سے ایک آدمی آتا دکھائی دیا۔ کار کے ہارن کی آواز سن کر اننت چونکا۔ اس نے کار روکنے کے لیے کہا۔ کار رکتے ہی منھ باہر نکال کر اننت نے راہ گیر سے پوچھا "تارا کیسی ہے؟"

"کون سی تارا!" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"مگدم کی، رتنا کی بیٹی تارا!"

اننت کی حالت دیکھ کر پہلے تو وہ خاموش رہا۔ بعد میں بڑے دکھ کے ساتھ بولا "وہ تو آج گذر گئی۔ سونے جیسی لڑکی تھی۔"

اننت پیچھے کو لڑھک گیا۔ اس کے منھ سے ایک لمبی سانس نکلی۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کے جسم سے روح نکال کر قبض کر لی ہو۔ وہ سکتے میں آ گیا۔ آنکھیں سفید پڑ گئیں۔ سدھا نے گھبرا کر اننت کو پکڑ لیا۔ پھر آنسو بہاتے ہوئے راہ گیر سے پوچھا "کتنی دیر ہو گئی؟"

"بہت دیر نہیں ہوئی۔ ابھی آدھا گھنٹہ ہوا ندی پر لے گئے ہیں۔"

اننت اٹھا۔ اس کے جسم میں نہ جانے کونسی طاقت آ گئی تھی کہ سدھا کو ایک طرف کر کے باہر کود گیا اور کھیتوں سے ہو کر ندی کی طرف بھاگنے لگا۔ سدھا اس کے پیچھے بھاگتے ہوئے

چلّایا "بھیا آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ کار میں بیٹھ جائیے۔ وہیں لے چلوں گا۔" لیکن اننت نے پیچھے مڑ کر نہ دیکھا اور گرتا پڑتا، ہانپتا آگے چلا۔ سدھا بھی اس کے پیچھے پیچھے بھاگا اور اس کے پاس پہنچ کر اس کا ہاتھ پکڑا۔ اننت کی ناک سے خون ٹپکنے لگا تھا لیکن اس طرف اس کا دھیان نہیں گیا۔ وہ بس بھاگتا ہی رہا۔ تھوڑی دیر میں وہ شمشان پہنچا۔

تب تک تارا آگ میں دھو دھو کر جلنے لگی تھی۔ اننت نے اسے دُور سے ہی دیکھ لیا۔ اسے اس کی زندگی کے بیتے دن یاد آئے۔ اس کے لیے اب صرف تارا ہی نہیں جل رہی بلکہ اس کی تمام زندگی چتا کی نذر ہو گئی تھی۔ اس طرح چتا کا منظر دیکھ کر اس کی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ وہ زمین پر لڑھک گیا۔ سدھا نے باہیں پکڑ کر اٹھا کے بٹھایا۔ اننت کچھ دیر تک خاموش بیٹھا رہا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کچھ سوچ رہا ہو۔ اس کی آنکھوں کے سامنے سے اس کے اور تارا کے بچپن کے حسین واقعات ایک ایک کر کے گزرنے لگے۔ اسی طرح کا وہ میلہ۔ اس صبح کی وہ زہریلی چاندنی۔ جانے کے لیے تیار کھڑی تارا۔ سبھی واقعات فلم کی طرح چلتے پھرتے ہوئے محسوس ہونے لگے۔ اس کے چہرے پر جوش کے آثار نظر آنے لگے۔ وہ ایک دم اٹھا اور سدھا سے ہاتھ چھڑا کر تارا کی چتا کی طرف بھاگا۔

"پکڑو۔ پکڑو۔" کہتا ہوا سدھا اس کے پیچھے بھاگا۔ لوگوں نے مڑ کر دیکھا۔ "کیا ہو گیا۔ کیا ہو گیا؟" کہہ کر روتے ہوئے ملّ بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ لیکن اتنے میں اس طرف دھیان نہ دے کر اننت چتا میں جا گرا۔ "ایسا کیوں؟ ایسا کیوں؟" کہتے ہوئے پانچ چھ لوگوں نے اسے پیچھے کھینچا۔

اننت بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا اور پھر نہیں اٹھا!

کنڑ ناول درد کے رشتے (نسرگ) رسم و رواج سے بھرے سماج میں ایک ناکام محبت کی کہانی ہے۔ اس ناول کی کہانی بیلگام کی اس شمالی سرحد سے تعلق رکھتی ہے جہاں کے ریت رسم، ملک اور لوگوں کے برتاؤ کو مصنف نے اپنی مہارت سے اس طرح پیش کیا ہے کہ وہ اپنے آپ میں زندگی بن گئے ہیں۔ اننت اور تارا اس ناول کے دو اہم کردار ہیں جو کہ روایت اور سماجی بندھنوں کی وجہ سے زندگی کے المیے کا شکار بن جاتے ہیں۔

میرجی اننا رائے جدید کنڑ ناول نگاروں میں بڑا اہم مقام رکھتے ہیں۔ زیرِ نظر ناول اگرچہ ان کی پہلی تخلیق ہے مگر ناقدین اور مبصرین نے اسے بہترین تسلیم کیا ہے۔

قیمت 20-00

نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا